

اتِّبَاهُ الْحِكْمَةِ وَفَضْلُ

الخطبات

ALL INDIA MUSLIM EDUCATIONAL CONFERENCE
SULTAN JAHAN MANZIL, ALIGARH

۱۹۱۲ء کی یادگار تقریر

مع

خطبہ صدارت

خان بہادر سرجم بخش

والی سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس راولپنڈی

پروفیسر محمد سلیمان شرف

النِّبَاهُ الْحِكْمَةُ وَفَصْلٌ

الخطبات

پروفیسر محمد سلیمان اشرف

۱۹۱۲ء کی یادگار تقریر

مع

خطبہ صدارت: خان بہادر سر رحیم بخش

۲۸ وال سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم کمیونٹی کانفرنس راولپنڈی

ادارہ نائیک نائیک نائیک نائیک نائیک

کتاب	: الخطاب
تقریر	: مولانا محمد سلیمان اشرف
خطبہ صدارت	: خان بہادر سر رحیم بخش
باراڈل	: علی گڑھ، ۱۹۱۵ء
طبع جدید	: اکتوبر ۲۰۱۶ء
تقدیم و تحشیہ	: ظہور الدین امرتسری
ترجمہ فارسی اشعار	: ڈاکٹر معین نظامی
کمپوزنگ	: محمد نعیم اصغر ۲۲۷۲۹۵۹-۲۳۳۳
ضخامت	: ۱۸۸ صفحات
تعداد	: گیارہ سو
مطبع	: ایوب پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر:	: ادارہ پاکستان شناسی، ۲/۲۳ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور۔ ۵۴۵۰۰
	: فون: ۲۰۰۵۹۵۲-۳۲۲
ہدیہ	: ۳۵۰ (تین صد پچاس روپے)

ڈسٹری بیوٹرز

- خان بک کمپنی: ۳ کورٹ اسٹریٹ، لوئر مال، لاہور فون: ۲۲-۳۷۳۲۵۲۶۳
- ادبستان: ۶-سی دربار مارکیٹ، لاہور فون: ۳۰۰-۴۱۴۰۲۰۷
- بیکن بکس: گلگشت، ملتان فون: ۶۱-۶۵۲۰۷۹۰-۷۹۱
- دارالعلوم نعیمیہ: فیڈرل بی ایریا، دستگیر بلاک نمبر ۱۵، کراچی فون: ۲۱-۳۶۳۲۲۳۶

پہلی وحی اور علم

صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے علم و تعلیم پر ہر مذہب سے زیادہ زور دیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی پہلی وحی کا سب سے پہلا لفظ ”اقْرَأْ“ ہے، جس کے معنی ہیں پڑھو۔ یعنی قرآن مجید سب سے پہلے پڑھنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ پڑھنے کے علاوہ لکھنے کو بھی بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، چنانچہ اسی اولین وحی میں اللہ کے مقدس اوصاف کا علم عطا فرماتے ہوئے کہتا ہے:

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝
پڑھو، اور تمہارا رب بے حد کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا ہے۔

قلم اور لکھنے کی راہ سے علم کی اشاعت اسلام کی نگاہ میں اس قدر اہم ہے کہ اس کو اللہ کا بہت بڑا عطیہ فرماتا ہے۔ اتنا بڑا عطیہ کہ اولین وحی میں تخلیق انسانی کے ذکر کے بعد اسی عطیہ کو بیان کرتا ہے۔ اب انداز لگاؤ اس کی اہمیت کا! یوں تو اللہ کے لامحدود عطیے ہیں لیکن قلم اور کتابت کی راہ سے علم عطا فرمانا وہ عطیہ خاص ہے کہ اولین وحی میں صرف تین عطاۓ الہی کا ذکر ہے جن میں ایک یہ ہے۔

ان تین عطایا کا ذکر بہ ترتیب ذیل ہے:

- ۱ انسان کو علق سے پیدا فرمایا۔ (خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ)
- ۲ قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا۔ (عَلَّمَ بِالْقَلَمِ)
- ۳ اور ذرائع سے بھی علم دیا۔ (عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ)

(جو اہل البیان فی تفسیر القرآن، جلد دوم: علامہ عزیز الحق کوثر ندوی،

مطبوعہ بنارس (یو پی) بھارت، ۲۰۰۹ء)

تحریک آزادی میں اسلامیان ہند کے لیے جدید تعلیمی استعداد کی اہمیت

اور علماء کرام کا کردار

سب سے اوّل ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں پر سے اُن خیالات کا اثر دور ہو جو اُن کو جدید تعلیم میں ترقی کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ یہ کام فی الحقیقت ہماری قوم کے علماء کا ہے کیوں کہ وہی مسلمانوں کو سمجھا سکتے ہیں کہ یہ عین مذہب کا منشا ہے کہ ہم علمی اور اخلاقی میدان میں ترقی کریں۔ اسلام نے علم کی ضرورت اور وقعت کو جس قدر سمجھایا ہے کسی ملت نے ایسا نہیں کیا۔ کلام پاک میں ارشاد ہے۔ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ” (اور اے پیغمبر) دعا کرتے رہا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کرنا۔“۔ دولت کے لیے نہیں کی، اولاد کے لیے نہیں، ملک کے لیے نہیں، دنیاوی سر و سامان کے لیے نہیں، ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا اگر کی تو زیادتی علم کے لیے۔ اب یہ ہمارے علماء کا کام ہے کہ وہ یہاں کے مسلمانوں کو سمجھائیں کہ جدید تعلیم میں اعلیٰ مدارج حاصل کرنا عین دین کا منشا ہے۔

(رپورٹ متعلق اٹھائیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۴ء۔ آل انڈیا محمدن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی، صفحہ ۱۲۷)

مولانا زبیری کے دیباچہ کی چند سطور

اٹھارھویں صدی کے آخر سے اُنیسویں صدی کے چوتھائی سے زیادہ عرصہ تک مسلسل چالیس پالیس برس کی مدت میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلمانانِ ہندوستان میں جس استقلال و استقامت کے ساتھ تعلیم منادی کا فرض انجام دیا ہے اور جس طرح قوم کے اندر علوم جدیدہ کی اشاعت و تبلیغ میں پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے جو بلاشبہ یہ ایک بیش بہا قومی خدمت ہے۔ جس زمانہ میں اور جن حالات کے اندر کانفرنس قائم ہوئی اس وقت دنیا متحرک تھی اور مسلمان ساکن و جامد۔ قومی تعلیم کے لحاظ سے وہ ایک تاریک زمانہ تھا جس کے اندھیرے میں ہماری تمام حیاتیات ملی مُردہ ہو رہی تھیں۔ اس مجلس کے میرے مجالسوں نے دور حاضرہ کی ضرورت اور حقائق حالات کی بنا پر اپنے زبردست خطبوں کے ذریعہ سے قوم کو تعلیم پر متوجہ کرنے کی اہم کوشش کی۔

دیباچہ: خطباتِ عالیہ، حصہ اول

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، ۱۹۲۷ء

ایک اور اقتباس

ہر زبان کے خطیبوں کے خیالات اور افکار ذہنی و دماغی کا ذخیرہ اُس زبان کا بیش بہا سرمایہ متصور ہوتا ہے جس زبان میں کہ وہ ادا کیے جاتے ہیں۔ جو اپنے زمانہ کے لحاظ سے راہِ عمل اور مستقبل کے لیے قوم کی ہمت اور جوش کا افسانہ تاریخی صفحہء عالم پر اُن کے کارنامہء عمل کی زندہ یادگار بن کر چمکتا ہے۔ موجودہ نسلیں اُن کے ساتھ خواہ کچھ ہی سلوک کیوں نہ کریں، لیکن یقیناً آنے والی نسلیں اُس کو شوق سے پڑھتی ہیں اور اپنے ماحول کے مطابق گزرے ہوئے حالات کے لحاظ سے استخراجِ نتائج میں اپنے پیش روؤں کے ٹھوس اور عمیق افکار سے مدد لے کر اُن کی دماغی کاوشوں کا (خواہ وہ ملکی پالیٹکس سے تعلق رکھتی ہوں خواہ تعلیماتِ عامہ یا بہبودی قوم کے دیگر امور مہمات سے) غرض ہر طرح سے خیر مقدم کرنے میں پیش قدمی کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مہذب اور تعلیم یافتہ دنیا طرح طرح سے اپنی قوم کے دانشوروں کے خیالات کی اشاعت کرتی رہتی ہیں؛ گویا اس طریقہ سے گزرے ہوئے لوگوں کا پیغام آنے والی نسلوں کو پہنچا کر ان میں عمدہ تعلیم، بہتر تربیت، پاکیزہ اخلاق کی تخم ریزی کر کے اُن کی نشوونما میں مصروف نظر آتی ہے۔

الفہرست

۵۹-۷

دیباچہ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ قیام اغراض و مقاصد..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔
 کاٹھیاواڑ کے بارہ میں استفتا..... یکے از جواب مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی.....
 وقت تفہیم کی راہیں بنانا ہے..... سید سلیمان اشرف کا چشم کشا خطاب..... ایک غلط
 فہمی کا ازالہ..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی علم افروز سرگرمیاں اہل علم کی نظر
 میں..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور قیام آل انڈیا مسلم لیگ..... وابستگان علی گڑھ کا
 مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ساتھ والہانہ تعلق خاطر..... علی گڑھ کا طلبہ محاذ
 قائد اعظم کی نظر میں..... تحریک پاکستان کے سنگ ہائے بنیاد میں ایک اہم ترین نام
 آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس..... آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے تعلیمی
 اثرات..... معاشی اثرات..... معاشرتی اثرات..... سیاسی اثرات.....

- ۶۲-۶۰ پروفیسر سلیمان اشرف بطور معلم، مبلغ اور قومی راہنما کا برہمت کی نظر میں
- ۶۶-۶۳ مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح
- ۷۲-۶۷ حیات مولانا سید سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں حکیم محمد خلیل احمد قادری
- ۸۰-۷۳ سخن ہائے گفتنی محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

الخطاب (تقریر: اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۱۳ء) ۱۲۳-۸۱
(فہرست مضامین اندر ملاحظہ فرمائیں)

۱۲۸-۱۲۶

بہ زبان ناشر

۱۳۲-۱۳۰

تعارف صدر اجلاس مولوی حاجی سر رحیم بخش خان بہادر

۱۶۰-۱۳۳

خطبہ صدارت

خطبہ کے ذیلی عنوانات:

اکابرین قوم کا اثر..... یورپ میں لڑی جانے والی ہولناک جنگ (۱۳-۱۹۱۳ء).....
ٹرکی کے بارہ میں انگلستان اور اتحادیوں کی ہندی مسلمانوں کو یقین دہانی.....
سلطنتِ برطانیہ اور ہماری وفا داری..... ایجوکیشنل کانفرنسوں کی قدر و قیمت.....
مسلمانوں کا اخلاقی معیار..... تعلیمی عقدہ ہنوز حل طلب ہے..... تعلیمی پالیسی
۱۹۰۴ء..... مقررہ دستور العمل پر کاربند ہونا لازم ہے..... مذہبی تعلیم..... مشرقی
تعلیم کی اہمیت..... تعلیم عربی بہ مقابلہ فارسی زبان..... ایک صحت مند اور خود دار
قوم بننے کی شرائط..... اعلیٰ تعلیم/یونیورسٹی کے نظام تعلیم میں استحکام..... ہمارے
تعلیمی مستقبل کے لیے لارڈ ہارڈنگ کی مدبرانہ سعی..... صنعتی و حرفتی تعلیم.....
خواتین کی تعلیم..... انجمن ترقی تعلیم امرتسر کی قابل تقلید مثال.....

اجلاس مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں منظور ہونے والی قرارداد ہائے ۱۶۱

۱۸۷-۱۶۳

ضمیمہ

۱۸۸

پنڈت جواہر لال نہرو مدح سرسید میں

عکسی خزانہ نوادر

- ۱۹ - ۱۔ رسالہ الدلائل القاہرہ کے صفحہ ۳۵ کا عکس
- ۲۰ - ۲۔ رسالہ الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرۃ از حاجی قاسم میاں،
مطبوعہ میرپلی، بار اول۔ ۱۹۱۷ء..... عکس سرورق
- ۲۱ - ۳۔ الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرۃ، طبع بمبئی، اشاعت دوم۔ ۱۹۳۲ء.....
عکس سرورق
- ۳۸ - ۴۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی عمارت سلطان جہاں منزل
(تعمیر شدہ ۱۹۱۵ء) کا اندرونی منظر
- ۳۹ - ۵۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر دفتر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ) کا بیرونی منظر
- ۵۵-۳۹ - ۶۔ Thesis, All India Muslim Educational
Conference By Afzal Usmani
- ۶۲ - ۷۔ تصویر جامع مسجد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ..... متصل صفحہ
- ۶۸ - ۸۔ تصویر آدم جی پیر بھائی منزل علی گڑھ کی بلڈنگ کے سامنے کا منظر..... مقابل صفحہ
- ۶۹ - ۸۔ تصویر آدم جی پیر بھائی منزل کے اندر یادگار پتھر..... مولانا سید سلیمان اشرف
- ۷۰ - ۱۰۔ تصویر مزار مبارک مولانا سلیمان اشرف..... مقابل صفحہ

- ۱۱۔ تصویر لوح مزار کا کتبہ.....مقابل صفحہ ۷۱
- ۱۲۔ تصویر پتھر بیا دگار مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم و مغفور کا واضح منظر.....متصل صفحہ ۷۲
- ۱۳۔ الخطاب.....نسخہ مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ پریس، علی گڑھ (۱۹۱۵ء).....عکس سرورق ۸۱
- ۱۴۔ کتب خانہ مولانا آزاد علی گڑھ کے ذخیرہ میں نسخہ الخطاب کے Issue ۱۲۵
اجراء کارڈ کا عکس
- ۱۵۔ خطبات عالیہ حصہ دوم، مرتبہ: مولانا انوار احمدی زبیری، طبع مسلم یونیورسٹی
پریس، علی گڑھ (۱۹۲۸ء).....عکس سرورق ۱۲۹
- ۱۶۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سال از امان اللہ خاں شیروانی۔ علی گڑھ،
طبع اول ۱۹۹۳ء.....عکس سرورق ۱۲۲
- ۱۷۔ رپورٹ متعلق اجلاس بست و ہشتم آل انڈیا محمدن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس
بمقام راولپنڈی مورخہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء، مطبوعہ علی گڑھ.....عکس سرورق ۱۶۳
- ۱۸۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ راولپنڈی ۱۹۱۳ء کے
مندوبین کا گروپ فوٹو.....مقابل صفحہ (۱۶۳)
- ۱۹۔ مذکورہ بالا مطبوعہ رپورٹ کے متعدد صفحات کا عکس (۱۸۷ تا ۱۶۹) ۱۶۹

دیباچہ

مولانا سید سلیمان اشرف کا یہ خصوصی خطاب آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۱۴ء بمقام راولپنڈی ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت مولوی حاجی سر رحیم بخش مرحوم نے کی۔ یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ ایجوکیشنل کے تمام اجلاس ہر سال باقاعدہ متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر منعقد ہوتے رہے، جن میں پورے ہندوستان سے مختلف علاقوں میں رہنے والے

۱۔ رحیم بخش، مولوی سر: (تقریباً ۱۸۶۱ء-۴ مئی ۱۹۳۵ء): یونٹن ٹھکا میراں جی (ضلع کرنال)۔ نارل اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ شہر انبالہ میں پندرہ روپے ماہوار پر مدرس مقرر ہوئے ترقی کر کے چیفس کالج لاہور میں ۱۲۵ روپے مشاہرے تک پہنچے۔ نواب صادق محمد خاں رابع والٹی بہاولپور چیفس کالج میں آئے، تو مولوی صاحب ان کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ چنانچہ وہ انھیں بہاولپور لے گئے جہاں ۱۸۹۷ء تک ۴۰۰ روپے ماہوار تنخواہ ہوئی۔ پھر کسی معاملے میں اختلاف رائے کی بنا پر مولوی رحیم بخش صاحب نے استعفا دے دیا۔ نواب صاحب نے پچاس روپے ماہوار وظیفہ تاحیات مقرر کر دیا۔

۱۹۰۳ء میں نواب بہاول خاں پنجم نے پھر بہاول پور بلا لیا، جہاں مشیر امور خارجہ مقرر ہوئے۔ نواب موصوف نے حج سے واپسی پر انتقال کیا تو ان کے جانشین کی کم سنی میں مجلس نیابت (کونسل آف ریجنسی) بنی جس کے صدر مولوی صاحب مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں ۲۰،۰۰۰ روپے نقد انعام اور ۱۰،۰۰۰ سالانہ وظیفے پر ریاست کی خدمات سے سبکدوش ہوئے۔ تمام تعمیری، اصلاحی، تعلیمی اور مذہبی اداروں سے انھیں وابستگی تھی۔

۲۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء، راجپوت کانفرنس سب کی صدارت کی۔ ان کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کی بنیاد استوار کی۔ انجمن اصل میں میر غلام بھیک نیرنگ، کنور عبدالوہاب خاں اور مولوی رحیم بخش ہی کی ممنون احسان تھی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے لیے ایک مشنت ۱۰،۰۰۰ روپے جیب سے دیے۔ ہزاروں روپے مساکین کو بھی دیتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد حکومت پنجاب نے انھیں بہ اصرار مجلس وضع قانون کارکن نامزد کیا۔ (اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، جلد اول۔ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۶۶۲)

اور قومی ترقی کے خواہش مند افراد شرکت کرتے۔ کانفرنس کے شاندار اجلاس پشاور اور راولپنڈی سے ڈھا کہ اور رنگون تک اور دلی سے کراچی، بمبئی اور مدراس تک منعقد ہوئے جن سے ملک کے طول و عرض میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ کل ہند سطح پہ مذکورہ کانفرنس کب اور کیوں کر قائم ہوئی، کانفرنس کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟ تفصیلاً بیان کرتے ہیں کہ نسل نو آگاہ ہو سکے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قیام اور اغراض و مقاصد:

آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام (جسے بعد میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا نام دیا گیا، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے قیام ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کے گیارہ سال سات مہینے بعد) دسمبر ۱۸۸۶ء میں عمل میں آیا۔ اس ادارے کے بنیادی مقاصد میں علی گڑھ کے علاوہ دیگر علاقوں کے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر غور و خوض کرنا اور ان میں مغربی تعلیم کے حصول کا شوق اور اپنی تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کا شعور پیدا کرنا شامل تھے۔

سید الطاف علی بریلوی (م: ۲۴ ستمبر ۱۹۸۶ء) علی گڑھ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔ وہ سرسید کی انجمن آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے پندرہ سال (۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۰ء تک) وابستہ رہے۔ وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

’سرسید علیہ الرحمۃ کی زندگی کے اہم کاموں میں سے ایک عظیم الشان کارنامہ ’مسلم ایجوکیشنل کانفرنس‘ کا بھی ہے، جس کو انھوں نے

۱۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمان تعلیمی لحاظ سے کس قدر پس ماندہ تھے۔ مولانا سلیمان اشرف نے اس پر ہندو اور مسلم تعلیمی تناسب کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ (تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیے: ’اتوار علی گڑھ، ۱۹۲۱ء اور محمد صدیق: ’پروفیسر مولوی حاکم علی‘۔ لاہور، جنوری، ۱۹۸۳ء)۔

۲۔ ’دارالعلوم علی گڑھ میں کانفرنس کے صدر دفتر کی عظیم الشان ذاتی عمارت سلطان جہاں منزل، اس کا خوشنما ہال اور نادر کتاب خانہ زمانہ دراز سے مرجع خلائق اور صاحبان علم و عمل کا بجا و مادرہا۔ بڑے بڑے قومی اجتماعات ہوتے رہے، اور ترقی و فلاح ملی کی جدوجہد جاری و ساری رہی۔ (آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی صد سالہ تاریخی ڈائری ۱۸۸۶ء لغایہ جون ۱۹۸۶ء، طبع کراچی، ص ۸)

علی گڑھ کالج کھولنے کے گیارہ سال بعد ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو قائم کیا۔
گزشتہ پینسٹھ سال سے اس کانفرنس کے مقاصد کی تشریح اور ان کا
اعلان مسلسل طور پر جس بلند آہنگی سے ہوتا رہا ہے اس سے مسلم قوم کا ہر
فرد واقف ہے۔

اب سے ساٹھ پینسٹھ سال قبل مسلمانوں میں ایک دوسرے کے حال سے
بے خبری کا یہ عالم تھا کہ ایک صوبہ تو درکنار، ایک شہر کے مسلمان بھی قومی اغراض اور
قومی بھلائی کی خاطر ایک جگہ جمع ہونا اور قومی اصلاح و ترقی کی تدابیر پر کچھ سوچنا اور
غور کرنا نہ جانتے تھے۔ ہندوستان کے دوسرے باشندے زمانہ کی رو کے ساتھ
آگے بڑھ رہے تھے۔ اور مسلمان تعلیمی، اخلاقی، مادی غرض ہر قسم کے ترقی بخش
وسائل سے نا آشنا محض تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن سے متاثر ہو کر مسلمانوں
میں تعلیمی بیداری اور سیاسی شعور پیدا کرنے کے لیے یہ قومی ادارہ وجود میں لایا گیا۔
اور بے شبہ آج کی تمام حسیات ذہنی اور انقلاب خیالات اس کانفرنس ہی کے رہین

علی گڑھ ایک پیارا نام ہے۔ سرسید ایک حدیث شریف کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”ہمارے جناب پینسیر خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور یہ قول ہے کہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔ پس یہ پہلا مدرسہ ہم مسلمانوں کا، جو درحقیقت
علم کا دروازہ ہوگا، علی گڑھ ہی میں ہونا چاہئے۔“ (اقتباس از کمیٹی خزینۃ البھاء، اجلاس نہم منعقدہ ۱۸۷۲ء بحوالہ
ایم۔ وائی انصاری، پروفیسر: ’سرسید اور فن تعمیر‘ مشمولہ: مقالات سرسید صدی (مارچ ۱۹۹۸ء) کراچی۔ سرسید یونی
ورسٹی پریس، جس ۵۰)

نوٹ: سرسید، کمیٹی خزینۃ البھاء لتاسیس مدرسۃ المسلمین کے لائف سیکرٹری تھے۔ اس کمیٹی کا دفتر علی گڑھ کالج کے
قیام تک بنارس میں رہا چونکہ سرسید بسلسلہ ملازمت (۱۸۷۰ء) بنارس میں ہی مقیم تھے (حیات جاوید، حصہ اول،
طبع ثانی، جس ۱۳۰)۔ سرسید نے اپنے مشن کی تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کو عام کرنے کی غرض سے مذکورہ کمیٹی قائم کی
تھی۔ کمیٹی کا مقصد مجوزہ کالج (اینگلو اورینٹل کالج) کے قیام کے لیے چندہ جمع کرنا تھا۔ کمیٹی نے سرسید کو کالج کے
لیے فنڈ (چندہ، عطیات) جمع کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (انج۔ بی۔ خان، ڈاکٹر: تحریک علی گڑھ تا قیام
پاکستان و قرارداد مقاصد۔ الحمد اکادمی، کراچی، ۱۹۹۸ء، جس ۳۵)

منت ہیں جس نے اجتماع ملی پر سب سے پہلے آواز بلند کی۔ جلسوں کے آئین و

اس حقیقت سے انکار نہیں چتاں چہ مولانا سلیمان اشرف نے بھی ایک موقع پر علی گڑھ کے ہی فیض یافتگان (علوم مغربیہ) جنہوں نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے اکثر آواز بلند کی، اور مستقبل میں ملک و ملت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا، کا تذکرہ کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

یہ واقعہ ہے، حقیقت ہے اس سے انکار کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے کہ ہندوستانیوں کا حکومت کے سامنے آنا اپنے مطالبات کو موثر پیرایہ میں پیش کرنا ثبات و قرار سے اپنے حقوق کے طلب میں مسلسل سرگرم کار رہنا اور پھر اپنی کامیابی کے لیے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرنا یہ سب تعلیم انگریزی کا ثمرہ ہے۔ آئین سلطنت پر جنہوں نے نکتہ چینی کی ہے وہ انگریزی خواں ہیں حکومت خود اختیاری کا جنہوں نے نعرہ بلند کیا ہے وہ انگریزی خواں ہیں غلامی کی ذلتوں کا جس نے احساس پیدا کیا ہے وہ انگریزی خواں ہیں۔..... طرنگی یہ کہ سارے انگریزی خواں انہیں کالجوں کے تعلیم یافتہ اور سندیا ب ہیں جن کا الحاق گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں سے ہے سرکاری کالج یا امدادی کالج میں تعلیم پانے سے ان کے جذبات قومی نہ فنا ہوئے نہ مٹے۔ (النور: ۱۹۳)

..... جنہیں متذکرہ طبقہ کو انگریزی کی غلامی کا طعنہ دینے والے اراکین خلافت کمیٹی اور جمعیت العلماء ہند کے قائدین (بالخصوص مفتیان سیاسی) نے جب تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کے دوران آزاد قومی یونیورسٹی کے قیام کی آڑ میں مسلمانوں کے تعلیمی اداروں جیسے اسلامیہ کالج لاہور کو نشانہ بنایا، اور اسلامیان ہند کی عظیم درس گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پر حملہ آور ہوئے (حال آں کہ بقول ڈاکٹر سرفیاء الدین احمد: 'خلافت کا کام کرنے والوں میں ۳/۴ علی گڑھ کے طلبا تھے۔ اور علی گڑھ ہی ان کی فیکلٹی تھی اگر اس کو ہی تباہ کر دیا جائے تو کام کرنے والے کہاں سے ملیں گے')، تو مولانا سلیمان اشرف نے اُس وقت حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان حضرات کو خبردار کیا کہ..... اس وقت (یعنی تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران) علماء سیاسی میں جو خروش و جوش ہے وہ بھی نتیجہ انہیں انگریزی خوانوں کا ہے انہیں کے ہاتھوں نے انہیں جھنجھوڑا، جب ان کی آنکھیں کھلیں انہیں کے ہاتھوں نے سہارا دیا جب ان کے قدم اٹھے انہیں کی آوازوں نے ان کی زبانیں کھولیں جب یہ بولنے لگے..... اس وقت بھی اگر انگریزی خواں جماعت ان تحریکات سے الگ ہو جائے تو سارے جمعیت العلماء کے فضلاء یکا نہ اپنی اپنی درس گاہوں میں ہوں گے یا منبر و محراب میں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ یا مسجد یا انجمن اسلامیہ کا وعظ فرما کر آخر میں تحریک چنیدہ فرماتے ہوں گے۔ وزراء انگلستان کے آرا پر تنقید اور سیاست ہند پر مباحثہ کسی کے وہم میں بھی نہ آئے گا۔ (وہی حوالہ: ۱۹۳)

ضوابط اور مطالبات قومی پر بحث و مباحثہ کے طریقے سکھائے، اور اعلیٰ خیالات کا ایک ایسا بلند مینار تیار کیا جس پر چڑھ کر قوم نے اپنی حالت کو دیکھا، اور تباہ کن راہوں کو ترک کر کے ترقی پزیر شاہراہوں پر گامزن ہوئی۔

آگے چل کر سید بریلوی (علیگ) مرحوم رقمطراز ہیں:-

’کانفرنس نے اپنے مقصد اور نصب العین کے مطابق مسلمانوں میں ہر ممکن اور مناسب طریقہ سے صحیح تعلیم کو رائج کیا نہایت استقلال کے ساتھ تصنیف و تالیف و تراجم کے ذریعہ اسلامی لٹریچر اور تاریخ کی حفاظت، اردو کی ترویج و اشاعت کے ذرائع کی بہم رسانی، معلوماتِ تعلیمی کے لیے اعداد و شمار کی ترتیب و تدوین، اصلاح تمدن کے وسائل کی فراہمی، ہزار ہا ضرورت مند طلباء کو لاکھوں روپے وظائف، مدارس و انجمن ہائے اسلامی کا قیام، اور ان کی ہر قسم کی امداد کے علاوہ سب سے بڑی خدمت مسلم یونیورسٹی کو وجود میں لانے کی انجام دی۔ اسی طرح مسلم گرلس کالج علی گڑھ، ڈھا کہ یونیورسٹی، انجمن ترقی اردو اور مسلم لیگ جیسے قابل فخر مسلمانوں کے قومی ادارے کانفرنس ہی کی تحریک و تشویق سے معرض وجود میں آئے۔ تعلیم عربی اور مذہبی تعلیم کے مشہور اداروں مثلاً ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ کی امداد و اعانت میں بھی کانفرنس نے بہت بڑا حصہ لیا۔

آئندہ سطور میں ایک اہم حوالہ ملاحظہ فرمائیں، سید معروف لکھتے ہیں:

’سرسید احمد خاں کو جب ’محدثان کالج‘ کے قیام ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کی جانب سے

۱۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی صد سالہ تاریخی ڈائری: ۱۸۸۶ء لغایہ جون ۱۹۸۶ء، مرتبہ: سید الطاف علی بریلوی (علیگ)، طبع کراچی، ص ۹۰۸۔

۲۔ ’سالہا سال تک کانفرنس کے ساتھ ہی لیگ کے اجلاس ہوتے رہے تا آنکہ حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مسلم لیگ اس قدر بڑھی کہ اس کی جہد خاص سے پاکستان وجود میں آیا جو آج دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے۔ (ایضاً، ص ۹)

۳۔ ایضاً، ص ۹

اطمینان ہوا تو انہوں نے سوچا کہ صرف ایک کالج سے قومی تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہوگا اس لیے کہ دور دراز علاقوں میں رہنے والے مسلمان ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر ہیں اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ صوبوں اور اضلاع کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور قوم کی تعلیم و ترقی کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں کہ قومی یگانگت اور ہمدردی پیدا ہو اور تعلیم و ترقی کی سمت نمائی ہو سکے۔ اسی خیال کے تحت ۱۸۸۶ء میں انہوں نے ”مخزن ایجوکیشنل کانفرنس“ کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۹۰ء میں اسے آل انڈیا مخزن ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ابتدا میں کانفرنس کے مقاصد حسب ذیل تھے (دیکھیے پنجاہ سالہ تاریخ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۳۷ء)

۱۔ مسلمانوں میں یوروپین لٹریچر کے پھیلائے اور اس کو وسعت دینے اور انہیں اعلیٰ درجے کی تعلیم دینے کی کوشش کرنا۔

۲۔ مسلمانوں نے جو قدیم علوم میں ترقی کی اس کی تحقیقات کرا کے شائع کرنا۔

۳۔ نامی گرامی علماء اور مشہور مصنفین اسلام کی سوانح عمریوں کو اردو یا انگریزی میں لکھوانا۔

۴۔ مسلمان مصنفین کی وہ تصنیفات جو نایاب ہیں ان کا پتہ لگانا کہ وہ کس جگہ موجود

ہیں اور پھر انہیں از سر نو شائع کرنا۔

۵۔ تاریخی واقعات اور قدیم تحقیقات پر لوگوں کو تقریر پر آمادہ کرنا۔

۶۔ بنیادی علوم کے کسی مسئلہ یا تحقیقات پر کسی رسالہ کے تحریر ہونے یا لکچر دینے کی

تدابیر کرنا۔

۷۔ قراہین شاہی کو بہم پہنچا کر ان سے کتاب انشا کا مرتب کرانا اور ان کے نمونے

فونوگراف کے ذریعہ سے قائم کرنا۔

۸۔ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے جو انگریزی مدرسے مسلمانوں کی طرف سے قائم

ہیں ان میں مذہبی تعلیم کے حالات دریافت کرنا اور بقدر امکان عمدگی سے اس

تعلیم کو طلباء میں پھیلا نا۔ (پنجاہ سالہ تاریخ، ص ۴-۵) لے

آگے جانے سے پہلے اگر پروفیسر ڈاکٹر نجیب جمال کے مقالے 'یگانہ' تحقیقی و تنقیدی مطالعہ سے استفادہ کر لیا جائے، تو مذکورہ دور کے سیاسی و سماجی، تہذیبی و تمدنی، فکری و مذہبی اور علمی و ادبی پس منظر سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

'خالص علمی نقطہ نظر سے اس عہد کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے ہاتھوں پٹ جانے کے بعد ہندوستان کے لوگوں میں فکری و علمی افلاس کا احساس شدید ہو گیا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب قدامت اپنی تمام بچی بچی قوت اور توانائیوں کو سمیٹ کر جدیدیت سے ٹکرائی تھی۔ فکری و علمی افلاس اپنے ساتھ غلامی، محکومی اور نقاہت لے کر آیا۔ ایسے میں ایک طرف تو وہ طبقہ تھا جو پرانے معیاروں ہی کو سب کچھ جانتا تھا اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جو روحانیت کے مقابلے میں باڈیت کی طرف جھکتے جا رہے تھے (؟) اور

۱۔ محمد معروف، سید۔ مضمون بعنوان 'انجمن ترقی اردو: مختصر تاریخی جائزہ' مشمولہ: ادب و کتب خانہ، کراچی: بزم اکرم، ۲۰۱۲ء، ص ۴۰۔

۲۔ ایسے پُرخطر اور کٹھن مرحلے میں بھی ہمیں مولانا سلیمان اشرف ہی کا آہنگ سنائی دیتا ہے، جو ان کی غیر معمولی دینی غیرت و حمیت اور مومنانہ حق گوئی و بے باکی پر شاہد عادل ہے چنانچہ اپنے رسالہ 'الرشاد' میں یاد دلاتے ہیں: 'مسلمانوں کی انتہائی بد قسمتی یہی ہے کہ یہ کسی غیر قوم کی طرف اس غرض سے بڑھتے ہیں کہ اپنی حیات و دنیا سنوارنے کا طریقہ اُس سے سیکھیں، لیکن اس سے پیشتر کہ اُن وسائل و اسباب پر انھیں دسترس ہو دین و مذہب پہلے کھو بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک عہد عیسائیت کے ساتھ عشق و شینگی کا تھا مسلمان ہر تن اُس میں حلول و جذب ہو جانے کے لیے بے تاب تھے۔ لیڈران قوم نے اُس وقت نہایت بلند آہنگی سے یہ صور پھونکا تھا کہ اگر باعزت و حرمت دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو یورپ میں جذب ہو جاؤ، مسلم ہستی بذات خود قائم ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلامی انداز جلد سے جلد چھوڑو اور یورپ کے اسلوب اختیار کرو۔ پھر کیا تھا مسلمانوں کی شکل و صورت، لباس و پوشاک طرز ماند و بود غرض ہر ایک شعبہ حیات میں یورپ ہی کی تجلی تھی۔ حتیٰ کہ نام تک یورپین تلفظ و املا میں شامل کر لیا گیا، ارکان اسلام سے بیگانہ و شنی لوازم تہذیب و تعلیم قرار پائے، عیسائیت میں جذب ہونے کے لیے مسائل شرعیہ میں طرح طرح کی تحریفیں کی گئیں، آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مطالب میں عجیب و غریب معنی آفرینیوں سے کام لیا گیا۔ (الرشاد: ۱۹، ۲۰)

جن میں گرد و پیش کا تجزیہ کرنے کا شعور موجود تھا، سرسید کی علمی و ادبی تحریک نے اس لمحے میں جنم لیا۔ علی گڑھ تحریک کے پس منظر میں شاہ ولی اللہ (۱۷۶۲ء-۱۷۰۳ء) کے علمی نظریات دکھائی دیتے ہیں۔ سرسید علوم عقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی تحصیل کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت قرار دے کر علمی سطح پر اس کے فروغ کے لیے کام کیا۔ سوسائٹیاں، مدرسے اور کالج قائم کیے اور اپنے نظریات و افکار کی ترویج کے لیے اپنے بڑے بھائی سید محمد خاں کے فارسی اخبار 'سید الاخبار' سے کام لیا اور پھر خود بھی 'سائنٹیفک سوسائٹی گزٹ' اور 'تہذیب الاخلاق' کا اجراء کیا جنہیں برصغیر (بر عظیم) کی صحافتی، علمی اور ادبی تاریخ میں خاصا نمایاں مقام حاصل ہوا۔

۱۔ 'سرسید نے اپنی تصانیف میں شاہ ولی اللہ دہلوی کو اکثر جگہ نقل کیا ہے اور اپنے دلائل کو اس سے تقویت دی ہے۔' (سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے ص ۱۳۲)

۲۔ ۱۸۶۲ء میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی، تو اس کا ایک مقصد سرسید نے یہ قرار دیا تھا کہ ایشیا کے قدیم مصنفوں کی کیاب کتابوں کو تلاش کر کے چھاپا جائے۔ بریلی میں ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا: "کسی قوم کے لیے اس سے زیادہ بے عزتی نہیں کہ وہ اپنی قومی تاریخ کو بھول جائے اور اپنے بزرگوں کی کمائی کو کھودے۔" (جواب ایڈرس انجمن اسلامیہ بریلی۔ "لکچروں کا مجموعہ"، ص ۱۳۳)

سید احمد خاں سے زیادہ قومی اور تاریخی سرمایہ کی محافظت کا خیال شاید ہی ہندوستان میں کسی شخص کو پیدا ہوا ہو۔ آثار الصنادید کو لکھتے وقت ان کا جذبہ یہی تھا کہ کاروانِ رفتہ کے ایک ایک نقش کو محفوظ کر لیا جائے۔ انھوں نے فارسی مآخذ تاریخ کو ایڈٹ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، ابوالفضل کی آئین اکبری اور جہانگیر کی تزک کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ گزشتہ کم و بیش ایک صدی سے سرسید کے مرتب کیے ہوئے یہ ایڈیشن تاریخ کے طلباء کے زیر مطالعہ ہیں۔ ان کتب وغیرہ کو شائع کرتے وقت ان کے ذہن میں اگر کوئی بات تھی تو یہ کہ اپنے تاریخی سرمایہ کو دست برد زمانہ سے بچالیں۔ (نظامی، پروفیسر خلیق احمد۔ 'سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے'۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۱۹۹۳ء۔ ص ۸۸-۸۷ و بعدہ)

۳۔ ۱۸۷۰ء میں 'تہذیب الاخلاق' کا اجراء ہوا۔ 'تہذیب الاخلاق' نے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، علمی اور ادبی پہلوؤں کا احاطہ کیا اور ذہنی انقلاب کی راہیں کشادہ کیں۔

۴۔ 'لوگ Sub Continent of Indo-Pakistan کا ترجمہ برصغیر پاک و ہند کر دیتے ہیں۔' (باقی بر صفحہ آئندہ)

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مقالہ میں اس دوران ہندوستان میں قائم کیے جانے والے بعض سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی اداروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ: ۱۸۵۷ء کا سال ایک ایسی حد بن کر آیا جہاں قدیم اور جدید ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ دہلی کالج کی تاسیس ۱۸۲۵ء میں ہوئی۔ اس سال کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۷۰ء میں لاہور میں 'اوری اینٹل کالج' قائم ہوا جہاں السنہ مشرقی کی

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

حالات کہ اس میں 'بنگلہ دیش' بھی شامل ہے۔ ثانیاً جب ہم (Continent) کا ترجمہ براعظم کرتے ہیں، تو پھر Sub Continent کا ترجمہ برصغیر کیوں کر صحیح ہے۔ اعظم کا اسم تصغیر عظیم ہے صغیر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہرہ آفاق مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی تصنیف کا نام 'برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ رکھا۔ اس وقت تک بنگلہ دیش کا وجود نہ تھا۔ (محمد اسلم، پروفیسر: 'تحریک پاکستان'، ص ۱۲)

۵۔ نجیب جمال، ڈاکٹر: 'یگانہ۔ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'۔ لاہور، اظہار سنز۔ بار اول ۲۰۱۳ء، ص ۴۶، ۴۷۔

۱۔ 'دہلی کالج کی تاسیس کے مقاصد میں اگرچہ میکالے کی تعلیمی پالیسی کے علاوہ ہندوستانی کلرک سٹے داموں خرید کر سیاسی بے اطمینانی کم کرنا تھا مگر بقول عتیق صدیقی: 'یہی کالج آگے چل کر مغربی علوم اور مغربی خیالات کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز اور ہماری نشاۃ الثانیہ کی تحریک کے ان نوخیز پودوں کی آب یاری کا بڑا منبع بن گیا جن کی فورٹ ولیم کالج (قائم شدہ ۱۸۰۰ء) نے جنم ریزی کی تھی۔ دہلی کالج نے وقت کے شدید تقاضوں کو جس طرح پورا کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کالج کے فارغ التحصیل طالب علموں میں مؤرخ، سائنس دان، ادیب، نقاد، ریاضی داں اور اخبار نویس بھی نکلے جو اردو اخبار نویس کے سابق الاولوں میں گنے جاتے ہیں۔' ('ہندوستانی اخبار نویس۔ کمپنی کے عہد میں') انڈس پبلی کیشنز کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۳۲۰۔ دہلی کالج کا روشن پہلو یہ ہے کہ اس درس گاہ میں میکالے کے منصوبے کا وہ پہلا اثر بار نہ ہو سکا جس کا مقصد ہندوستانی سر میں انگریزی دماغ رکھنا تھا۔ (نجیب جمال، ڈاکٹر: ایضاً، ص ۴۷)

۲۔ بقول عبدالرشید میاں: 'دلچسپ بات یہ ہے کہ غلی گڑھ تحریک کے بانی سید احمد خان اور دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی دونوں ایک ہی استاد مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے۔ مولانا قاسم، حاجی امداد اللہ صاحب کے سلسلہ بیعت میں داخل تھے۔ حاجی صاحب موصوف شاہ محمد اسحاق سے فیض یافتہ تھے، جو شاہ عبدالعزیز کے لوا سے اور جانشین تھے۔ حاجی صاحب ساری عمر مختلف اسلامی فرقوں کے اختلافات دور کرنے میں کوشاں رہے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ مسائل نزاعیہ میں سے اکثر میں محض نزاع لفظی ہے، اور مقصود متحد۔ شروع میں یہ حضرات فرقہ پرستی سے بالا راہ اعتدال پر گامزن رہے، مگر بعد میں انہوں نے اپنی مصالحت پسندانہ روش ترک کر دی اور خود ایک (باقی اگلے صفحہ پر)

تدریس کے ساتھ ساتھ یورپی علوم و فنون، جدید ہندوستانی زبانوں (عربی، فارسی، ہندی اور اردو) کے ذریعے پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں سرسید نے جدید تعلیم کو فروغ دینے کے لیے 'محدثن اینگلو اوری اینٹل کالج' قائم کیا جس نے آگے چل کر مسلمانان ہند کی فکری و علمی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ سرسید ہی نے ۱۸۸۶ء میں 'آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' کی بنیاد ڈالی، جس نے 'آل انڈیا مسلم لیگ' کے قیام کی راہ ہموار کی۔

(بقیہ حاشیہ)

فرقہ بن کر دوسرے فرقوں کے مقابل آگئے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی وسعت نظری کو بھی ترک کر دیا اور روح اسلام کو نظر انداز کر کے چھوٹی چھوٹی باتوں پر زور دینے اور لڑنے جھگڑنے لگے۔ خاص طور پر ان کے افکار مغرب (یا علوم مغرب؟) سے بیزاری نے انہیں بہت نقصان پہنچایا۔ اپنے ذہنوں کو مسدود کر لینے کے باعث ان کے فکر کے سوتے خشک ہو گئے۔ نیز ان کی کانگریس سے وابستگی نے مسلمانوں کو بہت سیاسی نقصان پہنچایا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے چند رفقاء کے، ان میں سے کسی قابل قدر ہستی نے تحریک پاکستان کا ساتھ نہ دیا۔ (حوالہ: پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، مشمولہ: باب دیوبند۔ ص ۱۱۰ بعدہ۔ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۸۲ء)۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جمعیت العلمائے ہند کے رول کو سراہنے والے عناصر، جو اب وطن عزیز میں مولانا عثمانی مرحوم کی جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاست کر رہے ہیں، پاکستان کے قیام کو گناہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس مملکت کے بنانے اور اس کی حمایت کرنے والوں کو ملزم گردانتے ہیں (اقائد وانا الیہ راجعون)۔ مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کہتے ہیں: "مفتی محمد اور مولانا یوسف بنوری، جو کہ جمعیت العلماء ہند صوبہ گجرات کے صدر تھے، ان دونوں کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کو پاکستان بنانے کے جرم کی پاداش میں قبر میں عذاب مل رہا ہے"۔ (حوالہ: دی گریٹ لیڈر (اردو)۔ جلد اول۔ ص ۷۹۔ آتش فشاں لاہور ۲۰۱۱ء)۔

۱۔ 'آج ہم باسانی دیکھ سکتے ہیں کہ سرسید نے جس سیاسی پالیسی کی بنیاد رکھی تھی، بالآخر قوم نے اسی کو اختیار کیا اور وہی کامیاب رہی۔ مسلمانان ہند کی فکری اور سیاسی لیڈرشپ مغربی تعلیم یافتہ اصحاب ہی نے سنبھالی۔ اقبال اور قائد اعظم دونوں اعلیٰ مغربی تعلیم سے مرصع تھے۔ انہی کی مساعی جیلہ سے پاکستان قائم ہوا۔ اور پاکستان کا قیام سرسید ہی کی پالیسی کا نتیجہ اور اس کی صداقت پر مہر ہے۔ (عبدالرشید، میاں)۔ 'پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر'۔ مشمولہ: سرسید احمد خان۔ ص ۱۱۰، 'حقیقت یہ ہے کہ اگر سرسید اور ان کے مغربی تعلیم کی تحریک نہ ہوتی تو مسلمان آزادی کی تحریک میں اس طرح شریک نہ ہو پاتے۔ ۱۹۰۷ء میں مولانا محمد علی نے سرسید کی روح سے یہ کہہ کر۔

سکھایا تھا تمہیں نے قوم کو یہ شور و شر سارا جو اس کی انتہا ہم ہیں تو اس کی ابتدا تم ہو

ایک تاریخی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ (خلیق احمد نظامی، پروفیسر: سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے۔

ص ۱۱۰)۔

۱۹۱۷ء میں حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا سربراہ میر عثمان علی خاں والی حیدرآباد کے سر ہے۔ اس ادارے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام مغربی علوم اردو زبان میں پڑھائے جانے لگے اس کے ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم بھی لازمی مضمون کے طور پر برقرار رہی۔ مغربی علوم و فنون کی درسی کتابوں کے اردو ترجموں کے لیے ۱۹۱۷ء میں 'دارالترجمہ قائم' ہوا جہاں مستند اور معیاری کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں مولانا محمد علی جوہر کی کوششوں سے 'جامعہ ملیہ اسلامیہ' کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۲۵ء میں اسے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ ۱۷

ازیں علاوہ اسلامیہ کالج لاہور (قیام: یکم مئی ۱۸۹۲ء) اور اسلامیہ کالج پشاور (آغاز: ۱۹۱۳ء) بھی قائم کیے گئے تھے۔ سید احمد خان اور دیگر قائدین اس امر کو پا چکے تھے کہ صرف مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ ہر قوم کی ترقی و اعلیٰ کامیابی کا راز صرف مسئلہ تعلیم کے عمدہ طریقے سے حل ہونے پر مبنی ہے، اور یہ فریضہ ایجوکیشنل کانفرنس بخیر و خوبی انجام دے رہی تھی۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ انقلاب حکومت اور تغیراتِ زمانہ سے ہر چیز اثر پذیر ہوتی ہے، اس انقلاب اور مغربی خیالات کی ترقی و اشاعت نے ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے مسئلہ کو نہایت اہم اور ایک لحاظ سے پیچیدہ بھی بنا دیا تھا۔ جب کہ اسلامی عہد حکومت میں قدیم و جدید علوم کی کشمکش نہ تھی یہ مسائل کبھی زیر بحث ہی نہ آئے تھے، جو اس دور میں پیدا ہو گئے۔

جیسا کہ مشاہدہ میں آیا، متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخیں قائم ہو رہی تھیں، تو بعض حساس مسلمان جو غالباً کم نظری مگر دیانت داری سے یا پھر شاید طرزِ کہن پر اڑنے اور آئینِ نو سے ڈرنے کے مصداق کانفرنس کی سرگرمیوں سے اپنے کو بچانا چاہتے تھے، کی جانب سے کچھ خدشات کا اظہار کیا جانے لگا، اور اس کے ازالہ کے لیے انہوں نے اس وقت کے اہل علم سے رجوع کرنا مناسب سمجھا اور ان کے سامنے ایک سوال استفتا کی صورت

۱۔ کیا نہ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص ۲۸

۲۔ استفتا۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس سوال میں کہ اس ملک کا لہیا داڑھی میں ایک مجلس بنام کالہیا داڑھی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا لہیا داڑھی کے مسلمانوں کی تعلیمی مجلس قائم ہوئی ہے جن کے محرک و مختار قسبیین و متعلقین علیحدہ (باقی برصغیر آئیدہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

کالج ہیں۔ ۲ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ان کا پہلا جلسہ جو ناگڈھ میں ہوا، جس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، نظامت کے فرائض منشی غلام محمد بیر سٹریٹ لا کاٹھیاواڑی نمائندہ علیکڈھ کالج و مؤید آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے انجام دیے، حاضرین جلسہ سے خطاب مشہور واعظ مولوی سلیمان بھلواردی نے کیا۔ اس کانفرنس کا مقصد وحید تمام مسلمانوں کی دینی و دنیوی ترقی بتایا گیا ہے۔ ایک ایسی کانفرنس جس میں جملہ مدعیان اسلام بشمول ایسے گروہوں کے کہ جن سے مسلمانان اہل سنت و جماعت کو بنیادی نوعیت کے اختلافات ہیں، ہم (بحیثیت سواد اعظم) کیا اس تعلیمی کانفرنس کے لیے دے، درے، قدے، سخنے کسی قسم کی معاونت کر سکتے ہیں۔ جواب آنے پر ان شاء اللہ تعالیٰ اس استفتا کو چھوڑ کر اس ملک کاٹھیاواڑ و گجرات دبرنا وغیرہ جگہ پر بغرض اشاعت مسلمانوں میں عام طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

فقط..... راقم آثم خادم قاسم میاں غشی عنہ

از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ

تاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ ہجریہ مقدسہ پنجشنبہ

ماخوذ..... (استفتا: الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرہ) بار اول ۱۹۱۷ء

بد قسمتی کیسی اس قوم کے ہرکاب رہی ہے کہ موہوم و مفروض خدشات کو بنیاد بنا کر علوم عصری پر رقیب اقوام کے برابر لانے بلکہ ان پر سبقت لے جانے کی سعی جمیل کے خلاف علمائے دین سے ایسے فتاویٰ حاصل کیے گئے، جن کے باعث اس راہ روشن کو تاریکیوں سے ڈھانپ کر ملت کی منزل کھوٹی کی گئی۔ ساون کے کچھ اندھوں کو آج بھی ہرا ہرا ہی سو جھتا ہے حال آنکہ زمانے کے پلوں کے نیچے سے پانی اپنی پوری رفتار کے ساتھ بہتا چلا آ رہا ہے۔ بعض ایسے ایمان فروش مناد پرست بھی ہیں کہ ان فتاویٰ کے پشتارے اپنی کرپراٹھائے سر بازار نفرتوں کی تجارت سے پیٹ کا دوزخ بھر رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے کہا تھا: انقلابات و حادثات نے ماضی کے بہت سے نظریات کو یا تو رد کر دیا ہے یا پھر ان پر نمبر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آج بھی بعض حضرات پوری استقامت کے ساتھ 'مرغ کی ایک ہی ٹانگ پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ علامہ نے ہمارے اس مرض پر بجا طور پر کہا تھا۔

آئین تو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا

منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

مقام صد اطمینان امر یہ ہے کہ ہر ہر دور میں صاحبان بصیرت نے بنظر غائر حقائق کو دیکھا اور آئے عامہ کی ترو میں بہ نکلنے کے بجائے اپنی بات دو ٹوک انداز میں کہی بھی۔

چنانچہ فتاویٰ کی بھیڑ میں علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ (۲ اپریل ۱۸۹۳-۲۲ اگست ۱۹۵۳ء) کا فتویٰ ایک روشن چراغ کی مانند آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ان کی ذورس نگاہ کو خراج تحسین پیش کرتا نظر آتا ہے:

(۵۹) تصدیق جناب مولانا مولوی محمد عبد العظیم صاحب میسرہی زید مجاہدہ

مبطلًا وحامدًا وعجلاً (جَلَّ وَعَلَا) رومصلياً ومسلماً محمداً (رسلم الله عليه وصلى) اما بعد
 کاٹھیا وارسل ایچ کیشل کا فرس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلمان کاٹھیا وار کی ایک تعلیمی انجمن ہر
 مسلمانوں میں علوم کی روشنی پھیلاتا اور ان کو جہالت کے غمگینت سے نکالتا ایک ایسا ضروری و اہم امر ہے
 جس کے متعلق قرآن عظیم میں یوں وارد ہوتا ہے ولکن منکھامہ بدعون الی الخیر ویاصرون
 بالمعروف ویبھون عن المنکر نیز ارشاد ہوتا ہے کہ یرفع الله الذین امنوا منکھم الذین
 اولوا العلم درجات طلب علم کے متعلق قرآن حضور عالم ماکان وہ یکون علی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز
 کہ طلب العلم شرط ہے علی کل مسلم و مسلمہ نیز المطلب العلم ولو کان بالانصین۔ لیکن سب سے
 اہم سوال یہ ہے کہ پہلے علم سے مراد کونسا علم ہے کیونکہ مدینۃ العلوم حضرت میرزا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کذا فرماد
 ہے کہ العلوم خمسة الفقہ للادیان والطب للابدان والفقہ لسان والنحو للسان
 والنجوم للزمان کذا فی مدینۃ العلم وقال الامام الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ العلم علما
 علم الطب للادیان علم الفقہ للادیان۔ سوال مذکور الصمد کا جواب آیات کلام عظیمہ و احادیث نبوی کریم
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشا میں کو ترتیب دینے سے بادی توجہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں اس علم سے مراد
 علم دین ہی ہے چنانچہ اسی پر مفسرین و محدثین کا اجماع۔ اور اگر جیسا کہ بعض ماولین معانی آیات و احادیث
 کہتے ہیں کہ علوم ادیان ہی اسی میں داخل ہیں تو بھی یہ امر یقینی ہے کہ علوم دینی کو ہر نوع علوم ایمان پر
 اولیت آن ماولین کے نزدیک بھی مسلم ہوگی اسلیے معاملات تعلیم و تعلم علوم پر غور کرنے والوں کے لیے
 منکھم ہونا ہی نہیں بلکہ لغزائے قامٹلو اهل الذکر انکنتو لا تعلمون اہل ذکر ہونا ایمان دین کا مورد
 یعنی کے لیے الذین امنوا کا ہونا نیز طلب علم کی فریضت کا حکم پانے والوں کے لیے مسلم و مسلمہ کا ہونا لازمی ہے
 اہل جہاں مسائل تعلم و تعلیم پر غور کرنے کے لیے اترے موجودہ کے وہ افراد جمع ہوں جو بدعون الی الخیر
 ویاصرون بالمعروف ویبھون عن المنکر اور اهل الذکر کے مصداق کہلائے جا سکیں اور تعلیم و تعلم
 یرفع الله الذین امنوا منکھم الذین اولوا العلم درجات کے متعلق بھی مشورہ کہیں من کے حصول سے دین میں نقصان آنے کا احتمال
 اصحت بھی نہ ہو تو ایسی انجمن محمود اور اس انجمن کی شرکت مسجد کسی جائے گی البتہ اگر اہل انجمن معرا
 عن الدین و اولیائہ ہوں اور بحث مشورہ تعلیم و تعلم علم عرب دین ایمان تو وہ انجمن یقیناً مردود اس کی شرکت
 سے اہل ایمان کے لیے ہر نوع گنہ گار ہے جیسا کہ اکابر علمائے فاضلہ سے یہ مناحت ثابت ہو چکا۔ عاصد تعالیٰ اعلم
 و علیٰ علیہ اکل و اتم۔ فقیر محمد عظیم رضا قادری غفرلہ

رسالہ الدلائل القاہرہ کے صفحہ ۳۵ کا عکس

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

مسلمانوں کو تمہاری دین دنیا کی بھلائی اور سچی حقیقی خیر خواہی کیلئے یہ مبارک فتوے امام
اہل سنت قانع برکت قانع مذہبیت و نچہریت مجددانہ حاضرہ مؤید طاہرہ علیہ السلام حضرت مولانا
مولوی مفتی احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی متع اللہ علیہم یطول بقائہم
دربارہ کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہجرت حسین بدلائل قاہرہ ثابت کیا گیا ہے کہ
اس میں شرکت اور کسی قسم کی امداد حرام اور سخت حرام ہے اس سے بغور پڑھو اور اپنا بھلا بچاؤ
تو اس پر عمل کرو نیز تمہارے مزید اطمینان کیلئے اس فتوے کی تائید و تصدیق میں مشاہیر علمائے
کے جلیل القدر فتوے دستیاب

الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة

مؤلف

حاجی سنت جناب حاجی قاسم میاں صاحب امام جامع کونڈل علاء کاٹھیاوار
حیدرآباد جناب منشی حاجی لعل خان صاحب کتب خانہ سنٹریٹ ۲۲۱ کلکتہ
جناب حکیم مولوی ابوالعلا محمد علی صاحب اعظمی قادری رضوی

مطبع اہل سنت و جماعت سیلی میں چھاپکری شائع کیا

پہلا... باب اول
عکس سرورق: رسالہ "الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة" مطبوعہ بریلی ۱۹۱۷ء

ملنے کا پتہ :- سید حسن خان قادری ضوی - ناظم کبیرا اہلسنت - محلہ بھوک خان - سیلی بھیت - یو۔ پی۔

پتہ :- سید حسن خان قادری ضوی - ناظم کبیرا اہلسنت - محلہ بھوک خان - سیلی بھیت - یو۔ پی۔

وَمَا عَلَيْنَا الْإِلْدَاعَ

سلمانو تقاری دین دنیا کی بھلائی اور سچی حقیقی خیر خواہی کیلئے یہ مبارک فتوے امام اہل سنت قانع یدعت قانع ندویت و تحریک مجددانہ حاکم بریلک طاہرہ العرفت مولانا مولوی مفتی احمد رضا خان صاحب قادری بکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دوبارہ کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہے جس میں بدلائل قاہرہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں شرکت اور کسی قسم کی امداد حرام اور سخت حرام ہے اسے بغور پڑھو اور اپنا بھلا چاہتے ہو تو اس پر عمل کرو تیز تمھارے مزید الطیمان کیلئے اس فتوے کی تائید و تصدیق میں مشاہیر علمائے ہند کے جلیل القدر فتوے مکتوبے مکتوبے

الدلائل القاهرة على الكفرة النباشرة

یعنی مسلم لیگ کی شرکت و رکنیت و امداد و اعانت کا حکم شرعی بھی واضح و آشکار
مؤلفہ

حاجی سنت جناب حاجی قائم میاں صاحب امام جامع گوندل علاقہ کاٹھیاوار
حرفے باش اراکین انجمن تبلیغ صداقت ممبئی

پرنٹر سلطان حسن شاہ نے مطبع سلطان شاہ قادیان پتہ دارکھانہ کبیرا میں چھاپا اور

پبلشر

نشی مصطفیٰ خان قادری فیض آبادی نے شائع کیا

میں مرتب کر کے یہ جاننا چاہا کہ مذکورہ تعلیمی کانفرنس کے اجلاسوں میں ان کی شرکت یا ان کی کسی قسم کی اعانت کے بارے میں کیا حکم ہے۔

وقت تفہیم کی راہیں بناتا ہے:

سن ستاون کے بعد (بالخصوص ۱۸۶۵ اور ۱۸۷۵ء کے درمیان) مغربی تعلیم کی ترقی پزیر حالت نے علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے درمیان خاصا اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ تعلیمی کانفرنس کے قائدین مذکورہ احوال سے ہرگز بے خبر نہ تھے۔ اس لیے وہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے پیدا شدہ خلیج کو پائنے کی کوشش کرتے رہے۔ امت مسلمہ کا اجتماعی مفاد ان کے پیش نظر رہا۔ یہ اختلاف بتدریج کم ہوا۔ ۱۹۲۵ء کے ایک اجلاس میں مولانا رحیم بخش اپنے خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں:

.....'فسوس ہے کہ اجتماعی حیثیت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے مسئلہ کی

اہمیت کا صحیح اندازہ کیا گیا اور نہ ابتدا میں ان دشواریوں کو حل کرنے کی کوشش کی گئی، جو مذہبی تعلیم کی راہ میں حائل تھیں۔..... ہر زمانہ کے لیے یکساں طریقہ تعلیم مفید نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے ہمیشہ بہ مقتضائے حالات تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آئندہ بھی ہوں گی۔ اس لیے ہم کو ان جدید مشکلات کے حل کرنے کے لیے بھی آمادہ ہو جانا چاہیے، تاکہ ہر جماعت اپنے دائرہ عمل کے اندر کام کرے اور قدیم و جدید تعلیم کے لیے جو نظام عمل مرتب کیا جائے وہ ایسا صاف و واضح ہو کہ اختلاف آرا کا اندیشہ کلیتاً زائل ہو جائے۔

مغربی تعلیم کی روز افزوں ترقی و اشاعت نے آخر کار مسلمانوں میں بھی

ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا، جس کی آزادانہ معاشرت و عقائد نے قدیم جماعت کے

لے در دل رکھنے والے علماء کرام اور ارباب دانش ہمارے علماء دین کی عمومی روش پر بجا طور پر دکھی اور رنجیدہ رہتے تھے۔

پروفیسر سید سلیمان اشرف اعلیٰ اللہ مقامہ اس ملتی مرض کہنہ کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک محکمہ سند پیش کرتے ہیں:-

”تغیر عالم کو دیکھتے ہوئے علماء کرام نے اپنے دل و دماغ کو سیاسیات کی فکر سے ایسا بے

نیاز کر لیا تھا کہ علامہ ابن خلدون کو اس مقدس گروہ کے حق میں یہ فیصلہ دینا پڑا کہ ابعدا الناس

عن السیاسیۃ ہم العلماء یعنی علماء کا دماغ سیاست کے سمجھنے سے بہت ہی دور ہے۔“

(بحوالہ: التور، ص ۱۹۱)

مذہبی جذبات کو اس حد تک برا بیچتے کر دیا کہ انہوں نے ان نوجوانوں کو ملحد و زندقہ قرار دیا۔ گویا مسلمانوں میں دو فریق پیدا ہو گئے جو مدت تک باہم دست و گریباں اور ایک دوسرے سے نا آشنا رہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب رفتہ رفتہ یہ بے گانگی کم ہوتی گئی، اور وہ وقت آ گیا کہ فریقین اپنی اپنی جگہ پر مسلمانوں کی مختلف تعلیمی ضروریات کا احساس کر کے ایک ایسا تعلیمی نظام مرتب کریں، جو مسلمانوں کی ہر قسم کی دنیوی و مذہبی ضرورتوں پر مشتمل ہوتا کہ آئندہ تصادم کا اندیشہ نہ رہے۔ اب وہ زمانہ آ گیا کہ نہ تو انگریزی پڑھنا کفر و الحاد خیال کیا جاتا ہے اور نہ مذہبی تعلیم کی ضرورت سے کسی کو انکار ہے، اس لیے کیوں نہ فریقین باہمی معاونت سے کام کریں تاکہ ایک طرف تو مسلمانوں میں جدید علوم و فنون کا رواج ہو اور دوسری طرف ان کا سینہ مذہبی علوم سے منور ہو، اور اسلامی تہذیب و شائستگی ان کا شعار ہو۔

علماء کو بھی اب جدید تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں ہے، اور ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر تو بارہا اس کا اعلان کیا گیا کہ وہ انگریزی تعلیم کو صرف تو لا ہی ضروری نہیں سمجھتا بلکہ اس نے اپنے دارالعلوم میں انگریزی کو بطور زبان ثانی داخل کر کے عملاً بھی اس کا ثبوت دیا ہے کہ علماء کے لیے بھی مذہبی نقطہ نظر سے انگریزی

۱۔ ۱۸۹۳ء میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم ہوا جس کا مقصد قدیم علماء اور علی گڑھ کے مدبرین کے انتہائی نقطہ ہائے نظر میں اعتدال اور توازن کا راستہ تلاش کرنا تھا اور اس کے ساتھ نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم دین کی ترقی، تہذیب اخلاق، شائستگی اطوار کا فروغ، علماء کے باہمی نزاعات کا رفع کرنا اور عام مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اس کے مقاصد تھے۔ اردو زبان کا سب سے بڑا اسلامی رسالہ 'معارف' ندوہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ (نجیب، جمال، ڈاکٹر: یگانہ۔ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔ ص ۴۴، ۴۵)

۲۔ ندوہ نے کلمہ علوم عربیہ و ہندیہ کے ساتھ تعلیم انگریزی بھی داخل نصاب کی تاکہ اس مدرسہ کا فارغ التحصیل طالب العلم اگر انگریزی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو پانچ برس میں گریجویٹ ہو جائے اور اگر مطالعہ و محنت سے کام لے تو اس قدر آستخداد اس میں موجود ہے کہ بغیر داخلہ کالج تو تو مطالعہ سے ہر طرح کا فائدہ کتب انگریزی سے حاصل کر سکے۔ ندوۃ العلماء کے سند یافتہ اس وقت ملک میں موجود ہیں ان کی لیاقت و فضل کا ثبوت ان کی مصنفہ کتابوں سے ملتا ہے۔ (محمد سلیمان اشرف: انور، علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۹۸)

ایسی ہی ضروری ہے جیسی عام مسلمانوں کے لیے، البتہ ندوہ کی یہ خواہش ضرور ہے کہ انگریزی تعلیم اسلامی تربیت کے ساتھ دی جائے، اور انگریزی خواں جماعت، اسلامی عقائد و روایات سے باخبر ہو، اس کا مقصد سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمان مسلمان رہ کر انگریزی حاصل کریں، اگر وہ ایسا کر سکیں تو اسلام ان کو کسی زبان اور کسی علم و فن کے سیکھنے سے منع نہیں کرتا، تاریخ اسلام میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم و فنون سیکھے بلکہ ان علوم میں یہاں تک کمال حاصل کیا کہ استاد اور امام کے درجہ تک پہنچے۔

سید سلیمان اشرف کا چشم کشا خطاب:

مذکورہ حوالہ کے بعد اگر الخطاب (۱۹۱۴ء) سے درج ذیل اقتباس کا مطالعہ کر لیا جائے، تو ناظرین کرام کو احساس ہوگا کہ وہ مسلمان جو علوم مغربی کو یعنی یورپ کا تمدن، سائنس سب کچھ کفر قرار دیتے (کہ مسلمانوں کو اسلام کے اساسی منابع کی طرف لوٹنا چاہیے) تھے، کہاں کھڑے تھے؟ سیدالعلماء مولانا سید سلیمان اشرف تمدن، سائنس اور قرآن مجید کے تحت فرماتے ہیں:

’پس اے عزیزو، کیا تمدن کی روح اس کے سوا اور چیز ہے؟ کیا سائنس الہی اس امر کو منکشف نہیں کرتا کہ کس چیز کو ہم کس طرح اپنے کام میں لائیں؟ اگر یہی بات ہے اور ضرور یہی ہے، تو میں ڈنکے کی چوٹ سے کہتا ہوں کہ تمدن و سائنس کی سنگ بنیاد قرآن کریم کی یہی تعلیمات ہیں۔ سائنس پڑھنا، اس میں

۱۔ صدارتی خطبہ الحاج مولانا سرجم بخش: اجلاس بستم (۲۰واں) ندوۃ العلماء لکھنؤ منعقدہ ۲۸ نومبر ۱۹۲۵ء بمقام انبالہ، بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء (حصہ دوم) مرتبہ: شمس تبریز، مولوی۔ طبع لکھنؤ، بار اول ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۳ و بعد۔

۲۔ مولانا سلیمان اشرف نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم کی مخالفت اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کے خیال میں ایک غیر ملکی اور غیر مسلم قوم کی زبان سیکھنا مذہباً جائز نہیں تو آپ نے مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کی، پرزور مضامین اور خطبات کے ذریعے ایسے اوہام و خیالات فرسودہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ ثابت کیا کہ مذہب علوم جدیدہ کا مخالف نہیں ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں سرسید کی تعلیمی کانفرنس کے خلاف نفرت میں کمی پیدا ہوئی اور تحریک علی گڑھ کو تقویت ملی۔

کمال پیدا کرنا، حقیقت میں مسخرہ مخلوق سے مستفید ہونا ہے، اور ان کے مسخر ہونے کو با معنی بنانا ہے۔ کوئی وجہ اس کی نہیں کہ قرآن ہمیں جن امور کی طرف رہنمائی کرے جن سے بہرہ مند ہونے کی ترغیب دلائے، ہم اُسے مذہب کے خلاف سمجھیں۔ پھر تو کھانا پینا، پہننا، رہنا سب ہی دشوار ہو جائے گا۔ رہی یہ بات کہ کون سی زبان میں ان علوم کو پڑھیں؟ اس تک وقت میں زیادہ بحث کا تو موقع نہیں لیکن اس قدر سمجھ لیجئے کہ اُردو، فارسی، پنجابی، پشتو، بنگلہ وغیرہ وغیرہ تو جائز ہوں مگر یورپ کی زبان حرام آخر اس کی وجہ؟ اگر آج تمام یورپ یا کوئی اُس کا حصہ دائرہ اسلام میں آجائے تو کیا اُسے اپنی مادری زبان کا بولنا یا اُس میں پڑھنا حرام ہو جائے گا؟ کیوں خدا کی رحمت کو اس قدر تک کیا جائے؟ اور ترجیح بلا مرجح دی جاوے؟ الحکمة ضالة المؤمن حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ اپنی چیز جہاں تمہیں مل جائے اُسے فوراً اٹھا لو۔

سخن کز بہر حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکان کز بہر او جوئی چہ جا بلقا چہ جا بلسا

ایک غلط فہمی کا ازالہ :-

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ بعض مسلم راہنماؤں کا خیال تھا اور بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ سید احمد خاں مشرقی علوم کے دشمن ہیں اور اپنی ہر قومی چیز کی قیمت پر غیر ملکی چیز کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ سید احمد خاں کی پوری زندگی، ان کی تصانیف کا ایک ایک حرف اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرق کی ہر عمدہ چیز کو باقی رکھا جائے لیکن مغرب کی بھی کسی اچھی چیز کے حاصل کرنے میں گریز نہ کیا جائے۔ امرتسر میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے ایک بار کہا تھا: 'مسلمانوں کو بھی یہ لازم ہے کہ عربی زبان کی تحصیل نہ چھوڑیں۔ یہ ہمارے باپ دادا کی مقدس زبان اور ہمارے قدیم ملک کی زبان ہے جو فصاحت و بلاغت میں سملک (Semitic) زبانوں میں لاطینی ہے مگر افراط و تفریط نہ ہو۔ اس زبان میں ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں لیکن جب کہ ہماری معاش، ہماری بہتری، ہماری

۱۔ الخطاب، ص ۲۲، ۲۳۔ ۲۔ آثار جمال الدین انغانی، ص ۱۳۶-۱۳۲۔ ۳۔ سای زبان۔ ذہالوں کے افریقہ کی قبیلے کی شاخ جس میں عبرانی، لٹینی، ارامی، اکادی، عربی اور حبشی زبانیں شامل ہیں۔

زندگی با آرام بسر ہونے کے ذریعہ بلکہ ہمارے اس زمانے کے موافق انسان بنانے کے وسائل انگریزی زبان سیکھنے میں ہیں تو ہم کو اس طرف بہت توجہ کرنی چاہیے۔^۱ الغرض بقول انور معین زبیری، متذکرہ دور میں مسلمان خود مغربی علوم و فنون کو اپنے لیے ایک زبردست خطرہ سمجھتے تھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے اداروں کو کم زور کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ حال آنکہ ان تعلیمی اداروں کا قیام اور علوم کا حصول مسلمانوں کے مفاد میں تھا، مولانا سلیمان اشرف رقم طراز ہیں:

’انگریزی سلطنت جب اپنے ساتھ علوم مغربیہ ہندوستان میں لائی تو ہندوستانیوں نے دیکھا کہ اب بقا اور نمود کی زندگی بغیر علوم مغربی حاصل کئے ناممکن ہے، تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوؤں نے بڑھ کر تعلیم انگریزی کا استقبال کیا اور خوش آمدید کا نعرہ بلند کیا۔ جب اس قوم کے ایک خاص حلقہ میں یہ تعلیم پھیل گئی اور انگریزی کے واقف کار کچھ ہندوؤں میں تیار ہو گئے تو ان میں احساس پیدا ہوا اور حکومت کے انداز فرماں روائی پر نکتہ چینی شروع کی اپنے حقوق کے باب میں صدائے احتجاج بلند کی ہونم رول سلف گورنمنٹ یا سواراج کا تخیل سب سے پہلے علم مغربی سے آشنا دماغ میں آیا۔ حکومت خود مختاری کی صدا جس نے اپنے منہ سے نکالی اور ہندوستان کے رہنے والوں کو یہ سامعہ نواز نغمہ جس نے سنایا وہ انگریزی دان ہندوستانی تھا۔ کانگریس جو سواراج کا سنگ بنیاد ہے اس کی تاسیس اور پھر اس عمارت کی تعمیر و تکمیل جن ہاتھوں نے کی ہے وہ سب انگریزی خواں اور انگریزی داں ہیں۔ مسلمانوں میں جب علوم مغربیہ کا آغاز ہوا اور پھر ان میں بھی ایک تعداد

۱۔ تقریر بمقام امرتسر بتاریخ ۲۹ جنوری ۱۸۸۲ء، ”لکچرڈوں کا مجموعہ“ ص ۱۸۳، بحوالہ سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے، طبع دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۸۷۔

۲۔ ماضی کے واقعات اس غرض سے فراہم کیے جاتے ہیں کہ آنے والی نسلیں ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی روشنی میں اپنے طرز عمل کو درست کر سکیں۔ ماضی کے واقعات قابل فخر بھی ہیں اور باعث عبرت بھی، جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ (ظہور الدین)

تعلیم یافتوں کی تیار ہوگئی تو احساس و تاثیر یہاں بھی ظاہر ہونے لگے لیکن افسوس

ہم ابھرتے ہوئے جھونکے میں خزاں کے آئے

(التور، علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۹۲، ۱۹۳)

ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان نے بھی اپنے مقالہ (تحریک علی گڑھ تاقیام پاکستان و قرارداد مقاصد) کے آغاز میں لکھا کہ: 'لیکن جو قوم یا قومیں تھکن، اضمحلال اور ناکامی سے صرف اس قدر سبق لیتی ہیں کہ زرا تھوڑا آرام کرنے کے بعد پھر تو آئے مضمحل کو تروتازہ کر کے اور پھر سرگرم عمل ہو جائیں وہ نہ مردہ ہوتی ہیں اور نہ گننام و بے صدا، بلکہ وہ اپنی تھکاوٹ اور پس ماندگی کے زمانہ تک آرام کر کے تروتازہ اور ہشاش بشاش ہو کر حوصلہ، عزم، استقلال، جرأت اور مردانگی کے ساتھ اٹھتی ہیں اور پھر اپنی عظمت رفتہ اور چھینے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔'

ایجوکیشنل کانفرنس کے حوالہ سے بات زرا آگے نکل گئی، تو یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ۱۸۹۰ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ہندوؤں کی کانگریس کی طرح مسلمانوں کی ایک اہم جماعت کے طور پر متعارف ہوگئی تھی، جس کی بدولت علی گڑھ مسلمانوں کی ہر طرح کی علمی، ادبی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی علم افروز سرگرمیاں اہل علم کی نظر میں:

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اسلامیان ہند کی پس ماندگی کا ادراک کرتے ہوئے ہندوستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں مسلم گریڈ اور مسلم بوائز اسکولوں کا جال بچھا دیا، اسلامیہ کالج بھی قائم ہونے لگے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تعلیمی میدان میں بھی مسلمان، ابنائے وطن سے بہت پیچھے تھے۔ جب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس وقت تک مسلمانوں کی حالت نہایت اتر تھی، کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند زوال پزیر ہونا شروع

.....
لے زوال پزیر قوم جبکہ وہ ناشی میں اقبال مند اور صاحب اقتدار و اختیار رہی ہو، تو انحطاط کے دور میں اس کی تمام تر علمی، فنی، صنعتی و حرفتی، سائنسی، زراعتی، تجارتی، معاشرتی اور معاشی اور دیگر اس قسم کی ترقی و خوشحالی مامد پڑ جاتی ہے، تو وہ مضمحل اور مایوس ہو کر دوسری اقوام کی ترقی و خوشحالی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ (ایچ۔ بی۔ خان، ڈاکٹر: 'تحریک علی گڑھ تاقیام پاکستان و قرارداد مقاصد' ص ۱۹۱)

ہو گئے اور اغیار کی محکومیت اختیار کر کے وہ بے شمار معاشی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی، ثقافتی، معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مرحوم ضیاء الدین اصلاحی، علی گڑھ تحریک پس منظر اور پیش منظر کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد جب مسلمان بے شمار مشکلات و مصائب میں گھر گئے تو انہیں تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے علی گڑھ تحریک وجود میں آئی۔ اس کا مقصد ان کی 'نشأۃ ثانیہ' اور ہر شعبہ زندگی میں اصلاح و انقلاب برپا کرنا تھا چنانچہ مسلمانوں کی مذہبی سیاسی، تہذیبی اور تعلیمی زندگی پر اس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ ۲

سر سید نے تعلیم کو ان تمام روگوں کا علاج سمجھا۔ مولانا سلیمان اشرف نے اپنے لکچر میں مسلم معاشرہ میں در آنے والی ان خرابیوں کا ذکر بھی کیا ہے اور علم کے اُجالے سے ان کے تدارک کی سعی انجام دی ہے۔ جناب آزاد بن حیدر 'تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سر سید سے قائد اعظم' تک میں محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے پس منظر میں یوں رقمطراز ہیں:

۱۔ ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جب زائل ہوئی اور ۱۸۵۷ء کے واقعہ نے ان کی آنکھیں کھولیں تو انہیں معلوم ہوا کہ سلطنت کے ساتھ کمالات و محاسن بھی ان سے رخصت ہو گئے۔ جب اپنی سلطنت علوم اسلامیہ کی حمایت و حفاظت کے لیے نہ رہی تو ترقی کے سارے ذریعے ٹوٹ گئے اور مسلمانوں کے علوم و فنون کی عمارت منہدم ہو گئی۔ جب سلطنت جاتی ہے تو محاسن و کمال صرف اُس قوم سے رخصت ہی نہیں ہو جاتے بلکہ کافی مدت کے لیے اُسے دام حیرت میں ایسا گرفتار کر جاتے ہیں کہ وہ قوم اس انقلاب کلی سے متاثر ہو کر عالم سرا سیمگی میں ششدر و حیران ہوتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا۔ "اقور" ص ۱۸۳، ۱۸۵)۔ ۱۸۵۷ء کا طوفان آیا تو یہ ریت کے تودے ذروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئے، نہ سیاسی وحدت کا وجود رہا اور نہ کوئی ملی جمعیت کا نشان، حکمراں طبقے انقلاب کی بھیٹ چڑھے، آبرو والے بے آبرو ہو گئے، دوسروں نے نئے آقاؤں کی غلامی کا بھو اپہنا، مسلمان قوم مر گئی گو مسلمان کروڑوں کی تعداد میں چلتے پھرتے نظر آتے رہے۔ سر سید احمد خاں نے نئے سرے سے قوم کو زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ کروڑوں مسلمان صرف بے جان اور بے روح ہی نہ تھے بلکہ ان میں کوئی جماعتی شعور بھی باقی نہ رہا تھا۔ (محمد سرور۔ 'مضامین محمد علی'؛ مقدمہ، صفحہ الف)

۲۔ معارف، اعظم گڑھ (بھارت) شماره ۵، جلد ۱۳۷۔ مئی ۱۹۹۱ء، مشمولہ: مقالہ 'سر سید اکادمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا سیمینار، ۲۹ اپریل تا یکم مئی ۱۹۹۱ء، ص ۳۸۳

بر عظیم پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے بعد سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے نو کے لیے علی گڑھ میں مچھن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا۔ اس کالج کے قیام کے پس پردہ یہ مقاصد تھے کہ یہ کالج مسلمان نوجوانوں کو جدید تعلیم و تربیت سے آراستہ کرے اور یہاں پر طلبہ کو ہر طرح کی سہولتیں میسر ہوں اور یہ کالج طالب علموں میں انقلابی اور سیاسی شعور پیدا کرنے میں بھی اپنا کردار ادا کرتا رہے۔ اس کالج کے قیام کے بعد انھوں نے مچھن ایجوکیشنل کانفرنس بھی قائم کی۔ اس کانفرنس کے ہر سال اجلاس منعقد ہوتے اور ان اجلاسوں میں وہ اپنے مسائل اور سیاسی صورت حال پر بھی بحث کرتے تھے۔ گویا مچھن ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانان بر عظیم کے لیے ایک موثر اور عمدہ اسٹیج تھا کہ جہاں سے وہ اپنے حقوق کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ ۲

مزید لکھا گیا ہے:

’ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیمی انجمن ’مچھن ایجوکیشنل کانفرنس‘ تھی۔ جبکہ تحریک علی گڑھ نے قوم میں جوش و خروش پیدا کیا جس کی مثال انیسویں صدی میں ملنا مشکل ہے۔ اس تحریک میں جن سربراہ آوردہ شخصیتوں نے سرسید کا ساتھ دیا، ان کے نام یہ ہیں: نواب محسن الملک (اصلی نام مہدی علی خاں

۱۔ ’آل انڈیا مچھن ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ کئی اجلاس منعقد ہوتے رہے ایک سالانہ اجلاس ہر ہائی لس سر آغا خاں کی صدارت میں دہلی میں ۲۷ دسمبر ۱۹۰۲ء سے ۴ جنوری ۱۹۰۳ء تک ہوا۔ اجلاس کے نمبروں کی تعداد ۱۰۳۶ اور وزیٹروں کی تعداد ۳۱۰ تھی جنہوں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ (ہنگامہ سالہ تاریخ، ص ۸۸-۸۹) اس وقت تک کانفرنس کے تین شعبے تعلیم نسواں، تعلیمی مردم شماری اور مدارس تھے۔ دہلی اجلاس میں تین مزید شعبے سوشل ریفارم، ادبی شعبہ، امور متفرقات شامل ہوئے۔ (محمد معروف، سید۔ مضمون انجمن ترقی اردو، مختصر تاریخی جائزہ، مشمولہ: رسالہ ادب و کتب خانہ، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص ۴۱)

۲۔ تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سرسید سے قائمہ عظیم تک: آزاد بن حیدر، طبع اول۔ کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۸

۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سرسید اور ان کے مصاحبین کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا: ’مرحوم سرسید اور ان کے ساتھیوں نے علی گڑھ میں صرف ایک کالج ہی قائم نہیں کیا تھا، بل کہ وقت کی تمام علمی اور ادبی سرگرمیوں کے (ہاتی برصغیر آئندہ)

(ہے) نواب وقار الملک، مولوی چراغ علی، مولوی ذکاء اللہ، نذیر احمد، مولوی زین العابدین، محمد اسماعیل خان، الطاف حسین حالی اور مولانا شبلی نعمانی۔

۱۸۹۸ء میں سرسید کے انتقال کے بعد ان کے ساتھی ان کے کام کو جاری رکھتے ہوئے آل انڈیا سیاسی تنظیم بنانے کی مسلسل کوششیں کرتے رہے جس کی وجہ سے مسلمان راہنما ایک دوسرے کے اور قریب آ گئے۔

سرسید کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مذکورہ بالا حضرات کی تحریریں، مضامین اور تقاریر جو تہذیب الاخلاق وغیرہ میں شائع ہوئیں وہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تعلیمی کانفرنس کے اجلاسوں میں پڑھے جانے والے خطبات (اور ان میں پاس ہونے والی قراردادیں) جو چالیس بیالیس سالوں پر محیط ہیں ۱۹۲۷ء میں مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی الخطاب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کی تحریک پر مولوی انوار احمد صاحب زبیری (مارہروی) نے خطبات عالیہ کے نام سے تدوین و ترتیب دیے۔ یہ خطبات علی گڑھ سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔ خطبات کے مقدمہ میں مولانا محمد اکرام اللہ خاں ندوی شاہجہانپوری (م: ۱۹۵۲ء) لکھتے ہیں: 'ابتدا میں لوگ زیادہ تر سرسید، نواب محسن الملک، مولانا حالی، مولانا نذیر احمد

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

لیے ایک ترقی پسند حلقہ پیدا کر دیا تھا۔ اس حلقہ کی مرکزی شخصیت خود ان کا وجود تھا اور ان کے گرد ملک کے بہترین دماغ جمع ہو گئے تھے۔ اس عہد کا شاید ہی کوئی قابل ذکر اہل قلم ایسا ہوگا جو اس مرکزی حلقہ کے اثرات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ جدید ہندوستان کے بہترین مسلمان مصنف اسی حلقہ کے زیر اثر پیدا ہوئے اور یہیں نئے قسم کی اسلامی تحقیق و تصنیف کی راہیں پہلے پہل کھولی گئیں۔ (حوالہ: سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے از پروفیسر خلیق احمد نظامی، طبع بھارت۔ ۱۹۹۳ء، ص ۳۰ اور ۱۲۷، ۱۲۸)

۱۔ تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سرسید سے قائد اعظم تک، ص ۸۳، ۸۴

۲۔ بقول مولوی انوار احمد زبیری، مولانا اکرام اللہ خاں ندوی عربی ادب کے ذوق آشنا اور زبان اردو کے پختہ کار ناثر (مضمون نگار) ہیں۔ مولانا سلیمان اشرف نے ۱۹۲۳ء میں جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب تعلیمات اسلامیہ کے لیے تجاویز مرتب کیں، تو ندوی صاحب موصوف نے اس کی تحسین کی اور عربی علم ادب کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے اُسے مفید و منفعت رساں قرار دیا۔ (الستبیل: ۳۰)

اور علامہ شبلی جیسے یگانہ روزگار مشاہیر کے دیکھنے اور اُن کا لکچر یا کلام سننے کے لیے آتے تھے.....
 ۱۸۹۳ء میں جب کانفرنس کا آٹھواں اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا اور نواب محسن الملک صدر منتخب ہوئے تو خطبہ صدارت میں ایک خاص وسعت و شان پیدا ہو گئی۔ یہ (گزشتہ اجلاسوں کی نسبت) سب سے پہلا خطبہ تھا جس میں زورِ بیان اور جوش پایا جاتا ہے اور انشا پر دازی کی ایک خاص جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً نواب صاحب ایک موقع پر نکتہ چینیوں کے جواب میں فرماتے ہیں:-

”مانا کہ ہم نے مغربی علوم کا شوق دلا کر مسلمانوں کو خراب کیا۔ مانا کہ ہم نے انگریزی تعلیم و تربیت کے جاری کرنے سے الحاد پھیلایا۔ مانا کہ ہم نے کانفرنس قائم کر کے مسلمانوں کو بہکایا، مگر ہم پر طعنہ کرنے والے خدا کے لیے یہ بتادیں کہ انھوں نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا، اور اس ڈوبتی ہوئی کشتی کے بچانے میں کون سی کوشش کی؟ اگر ہم نے مسلمانوں کے لیے دیر و کشت بنایا، مانا کہ گناہ کیا۔ مگر یہ فرمائیے کہ اُن کا بنایا ہوا بیت المقدس کہاں ہے جہاں جا کر ہم سجدہ کریں؟ اگر ہم نے اپنے بھائیوں کے واسطے ایک قومی کانفرنس قائم کی، ہم قبول کرتے ہیں کہ ایک بے سود کام کیا۔ مگر ہمارے دوست براہ مہربانی یہ فرمادیں کہ انھوں نے قوم کے حال پر مرثیہ پڑھنے، قوم کی مصیبت پر ماتم کرنے پر کون سی مجلس بنائی ہے کہ ہم وہیں جا کر نوحہ کریں اور سر پٹیشیں؟ ہم اگر مضر یا بے سود کام کرنے کے گنہگار ہیں، تو قوم کو مرتے دیکھنے اور کچھ نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے۔“

گر دُسر تو گشتن و مُردن گناہ من
 دین ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست
 کیرم کہ وقت ذبح طیدن گناہ من
 دانستہ دشتہ تیز نہ کردن گناہ کیست“

- محمد سرور مرحوم (استاذ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ) فرماتے ہیں:

۱۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ صدارتی خطبات (۱۸۸۶ء-۱۹۰۶ء) مرتبہ آغا حسین ہدانی۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد۔ ۱۹۸۶ء، ص ۸۳-۸۴

سرسید ہماری قوم کی ملتی زندگی کے خالق ہیں، ان کے جانشینوں نے اپنے
 مرشد کے بتائے ہوئے رستے پر بڑے خلوص اور سرگرمی سے قوم کو چلایا، محسن الملک
 اور وقار الملک نے مدرستہ العلوم اور ایجوکیشنل کانفرنس کے ذریعے ہم میں زندگی کا
 احساس اور جمعیت اور مرکزیت کا شعور قوی کیا۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے
 اسلامی ہند کے مردہ جسم میں تازہ خون زندگی دوڑا اور ملت اسلامیہ نے نیا جنم لیا، یکے
 مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام (آل انڈیا مسلم لیگ کی پیش رو):

سیاسی سطح پر مسلم لیگ کے قیام سے پہلے مسلمانان ہند بجا طور پر محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ہی
 کو سب سے بڑا سیاسی پلیٹ فارم سمجھتے تھے۔ مسلمان زعماء و اکابر اس کانفرنس کے مختلف اجلاسوں
 میں شامل ہوتے رہے اور اپنا عملی کردار بھی ادا کرتے رہے۔ بالفعل محمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے
 آل انڈیا کانگریس کے مقابلے میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں
 جب ہندی اردو تنازع شروع ہوا تو ایجوکیشنل کانفرنس کے زعماء نے مسلمانوں کے لیے ایک
 جداگانہ سیاسی جماعت بنانے پر غور و خوض شروع کر دیا تھا۔

۱۔ اگر سید احمد خاں مرحوم و منفقور مسلمانوں کو دوبارہ علمی ذوق اور جستجو سے آشنا کرتے تو یہ ملک جس میں ہم آزادی کا
 سانس لے رہے ہیں اس کا قیام ناممکن ہوتا۔ نہ ہمارے پاس اقبال ہوتے نہ جناح۔ نہ ہمیں اپنے ماحول کا فہم ہوتا نہ ہم
 بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کے تقاضوں کو سمجھ سکتے چہ جائیکہ اپنے ملی مفاد کا تحفظ کر سکیں۔ بالاکوٹ اور دہلی کی
 شکستوں کے بعد اگر کسی چیز نے ہماری گرتی ہوئی قوم کو سنبھالا تو وہ علی گڑھ کی تعلیمی تحریک تھی۔ علی گڑھ نہ ہوتا تو پاکستان
 بھی نہ ہوتا..... پاکستان کی بنیاد ایک تعلیمی تحریک پر ہے اور ایک تعلیمی تحریک ہی اسے قوت اور عظمت بخش سکتی ہے۔
 (ممتاز حسن، ڈاکٹر۔ مقالات ممتاز، مشمولہ "تعلیم: ایک ناگزیر فریضہ" ادارہ یادگار غالب، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۰)

۲۔ محمد سرور، پروفیسر۔ مقدمہ: مضامین محمد علی۔ مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۹۳۸ء، صفحہ ۱

۳۔ ہندوؤں کی جانب سے اردو کے خلاف یہ تحریک علمی و ادبی کے بجائے ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد وحید
 ہندوستان سے مسلم تہذیب کی تمام نشانیوں کو یکسر ختم کرنا تھا۔ مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کے ساتھ خود
 ہندو کانگریسی لیڈر مسٹر گاندھی کی دشمنی اس حد تک تھی کہ وہ کہتے تھے میں اردو بھاشا کا اس لیے مخالف ہوں کہ اس
 کے اکثر الفاظ قرآنی بھاشا میں ہیں۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھا کہ میں مسلم ایجوکیشنل کابینہ کا بیسواں سالانہ اجلاس نواب مشتاق حسین وقار الملک (۲۳ مارچ ۱۸۴۱ء - ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شرکائے کانفرنس میں بحث و مباحث کے بعد اجلاس کے مندوبین کی اس تجویز کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لیے ایک علاحدہ سیاسی جماعت ہونی ضروری ہے۔ لہذا اس اجلاس میں اتفاق رائے سے آل انڈیا مسلم لیگ قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے قیام یعنی دسمبر ۱۸۸۵ء کے بعد سے مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ نواب وقار الملک نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اولین تاسیسی اجلاس میں اپنے صدارتی خطاب میں یوں اظہار فرمایا:

”آزادی بل نواب خواجہ سلیم اللہ خان بہادر اور دیگر حضرات! آج جس غرض سے کہ ہم لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں، وہ کوئی نئی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان میں جس وقت سے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی ہے، اس وقت سے وہ ضرورت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ سرسید مرحوم و مغفور نے جن کی عاقبت اندیشی اور عاقلانہ پالیسی کے مسلمان ہمیشہ مشکور و ممنون ہیں۔ نیشنل کانگریس کے بڑھتے ہوئے اثر سے متاثر ہو کر نہایت زور کے ساتھ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی بہتری اور حفاظت اسی میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں شریک ہونے سے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

تاہم علی گڑھ تحریک سے بقول ضیاء الدین اصلاحی، علم و ادب کا فروغ اور اردو زبان کی مفید خدمت انجام پائی۔ سرسید، نواب حسن الملک اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اردو زبان کے تحفظ و بقا کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ ۱۹۰۳ء میں اردو کی ترویج و ترقی اور حفاظت کے لیے انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا۔ یہ انجمن، محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ہی کی ایک شاخ تھی، جو آگے چل کر خود ایک بار آوردرخت بن گئی اور تاریخ و تہذیب اور مسلم زبان اور کلچر کے ارتقا میں اس انجمن نے اہم کردار ادا کیا۔ (حصول پاکستان، ص ۵۱ اور ششماہی الایام، کراچی، جنوری۔ جون ۲۰۱۴ء، ص ۲۹)۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تصنیف ’ہندی اُردو تنازع (ہندو مسلم سیاست کی روشنی میں)‘ شائع کردہ نیشنل بک فاؤنڈیشن دیکھی جاسکتی ہے۔

باز رکھیں، اور یہ رائے اس قدر صائب تھی کہ گو جناب مرحوم آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی عام رائے اس وقت وہی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، ہم کو اس بات کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت میں بیش از بیش اہتمام کریں۔ ۲۷

پروفیسر احمد سعید نے اپنی کتاب ”انجمن اسلامیہ امرتسر“ میں آل انڈیا مٹن ایجوکیشنل کانفرنس کے باب میں لکھا ہے کہ مٹن ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم کا قیام اگرچہ خالصتاً تعلیمی مقاصد کے لیے عمل میں آیا تھا، لیکن اسی پلیٹ فارم سے سرسید نے کانگریس کے خلاف تقاریر کیں اور اسی پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی پہلی باقاعدہ سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ

۱۔ ”مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین شروع سے اب تک یہ اختلاف چلا آرہا تھا کہ کانگریس چاہتی تھی کہ پورے ہندوستان پر اس کا اقتدار ہو۔ وہ جس قسم کا قانون چاہے وضع کرے۔ تمام اقلیتیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ مسلم لیگ چاہتی تھی کہ دستور حکومت ایسا ہو جس میں مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان، تہذیب و تمدن، مذہب وغیرہ جیسے اہم معاملات میں پوری آزادی ہو اور وہ حکومت میں شریک ہو کر اپنی ملت کے حقوق پورے کرا سکیں۔“ (بدایونی، عبدالحمید قادری، مولانا۔ ”خطبہ صدارت۔ پاکستان کانفرنس“ مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۴۱ء منعقدہ رائے کوٹ ضلع لودھیانہ، مطبوعہ نظامی پریس۔ بدایوں، ص ۲۳)

۲۔ تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سرسید سے قائد اعظم تک مرتبہ آزاد بن حیدر، ص ۱۱۰۔

۳۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی کے بقول، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس دراصل کانگریس کا رد عمل تھی۔ سرسید احمد خان نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندوؤں کی طرح سے مغربی طرز سے اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں اور برطانوی حکام کے تحت سیاست میں حصہ لیں، کیونکہ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے یہ امتیاز کرنا مشکل تھا کہ سیاست میں کس طرح سے حصہ لیں، لہذا بہتر یہی تھا کہ سیاست میں حصہ نہ لیا جائے۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے قومی تقاضوں کے تحت مغربی تعلیم کا انتظام کیا۔ بنگال سے لے کر سرحد اور پنجاب سے دکن تک کے مسلمانوں کو اپنی قومی اور اجتماعی تعلیم و ترقی کا احساس ہو گیا اور اسی بیداری کے نتیجے میں آگے چل کر ملکی سیاست اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (ڈاکٹر محمد علی صدیقی کا انٹرویو بمقام ان کی رہائش گاہ، A-592, Block-J, North Nazimabad, Karachi بروز جمعرات مورخہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۲ء از کہکشاں ناز بحوالہ ششماہی الایام، کراچی، جنوری۔ جون ۲۰۱۲ء، مشمولہ: آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں سید الطاف علی بریلوی کی خدمات (۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۰ء)۔

معروض وجود میں آئی۔ ہمارے عہد کے مستند دانشور خواجہ رضی حیدر کی رائے ہے کہ مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کرنے میں آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس بہت مفید ثابت ہوئی۔^۱

مسلم لیگ کو بلاشبہ بہ حیثیت جماعت بلکہ تحریک، پاکستان بنانے کا منفرد اعزاز حاصل ہے، لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ نے بالفعل آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بطن سے جنم لیا، تو پھر اس کے فعال کردار کا اعتراف کیوں نہ کیا جائے۔

وابستگانِ علی گڑھ کا مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ساتھ والہانہ تعلق خاطر آج اگر مورخین اس حقیقت کے معترف نظر آتے ہیں کہ تحریک پاکستان کو عملاً دست و بازو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے عطا کیے تو اس کا کمال ادراک اس وقت بھی علی گڑھ والوں کو بصمیم قلب و جاں تھا۔ اور وہ بالفعل اپنے خون جگر سے اس ملی تحریک کی آبیاری میں جتے رہتے تھے۔

آئیے رسالہ سہ ماہی علی گڑھ جلد ۲۲، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۳۶ء کا ایک شذرہ ملاحظہ فرمائیے۔

”علی گڑھ ہندوستان میں مسلم قوم کا سرچشمہ، فکر و عمل اور ان کی ملی زندگی کا

آئینہ ہے۔ اس چند مربع میل سرزمین میں دس کروڑ انسانوں کی روح اور قلب و

ذہن کی پہنائیاں بند ہیں۔ یہیں پہنچ کر ہندوستان کے ”مرد بیمار“ کو پہلی بار امید کی

کرن نظر آئی اور ”خون صد ہزار انجم“ سے نمود سحر کے آثار پیدا ہوئے یہیں سے

تعلیمی اور مابعد معاشری اصلاح کا دور شروع ہوا اور یہیں سے اور یہیں کی

اصلاحات کے بطن سے ۱۹۰۶ء میں سیاست نے مسلم لیگ کی شکل میں جنم لیا۔

یہیں سے خلافت کی آواز اٹھ کر پورے ہندوستان میں گونجی اور یہیں کے مجاہدوں

نے اس نازک وقت میں جناح کے گرد جمع ہو کر مسلم قوم کو بچا لیا، جب کانگریس

اسے اپنے میں ضم کر لینا یا بالفاظ دیگر اس چراغ کو اپنے دامن میں چھپا کر گل کر دینا

۱۔ انجمن اسلامیہ امرتسر (۱۸۷۳-۱۹۳۷ء) تعلیمی و سیاسی خدمات از احمد سعید، مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان، وائس

گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۶۳۔

۲۔ قائد اعظم کے ۷۲ سالہ سوڑنی اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۷۔

چاہتی تھی۔ جہاں کی یہ تاریخ ہو وہاں یہ کس طرح ممکن تھا کہ قوم پر آزمائش کا وقت آ پڑے اور خاموشی رہے۔ چنانچہ جب ہنگامہ انتخابات شروع ہوا اور قوم کو ضرورت ہوئی تو یہاں کے فرزند قوم کے مفاد پر اپنے مفاد، اور قوم کے مستقبل پر اپنے مستقبل کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہزاروں اسرائیل لے کر اٹھے اور موت کی سی نیند سونے والوں کو بھی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ قریوں قریوں پھرے اور گلیوں گلیوں کی خاک چھانی کہیں صرف اپنی جیب کے چنوں پر گزارا کیا اور کہیں کڑکڑاتی سرد راتیں اپنی سیاہ شیر وانیوں کے سہارے گھلے میدانوں میں گزار دیں۔ مشکل سے ہندوستان کا کوئی ایسا مسلم آباد گوشہ ہو گا جہاں ان کے قدم نہ پہنچے ہوں اور موذن کی صداؤں سے آشنا کم ایسی بستیاں ہوں گی جہاں ان کی آواز نہ گونجی ہو۔ کہیں کہیں تیس تیس، چالیس چالیس میل کی مسافت بیک وقت پیادہ پا طے کی اور کہیں بیمار پڑے تو غربت و کس پرسی میں بھی اپنے رفیقوں کو حکم کار دے کر رخصت کر دیا۔ بالآخر اس جذبہ ایثار و خلوص عمل کو کامل فتح ہوئی اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ مسلم لیگ مسلم قوم کا پیکر اور پاکستان اس کی روح ہے۔“

علی گڑھ کا طلبہ محاذ قائد اعظم کی نظر میں

علی گڑھ والوں کی تحریک پاکستان اور قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ محبت یک طرفہ یا محض وقتی جذبات کی آئینہ دار نہ تھی۔ نہ ہی یہ چاہت اور خلوص یک طرفہ تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کو نوجوانان علی گڑھ کی محبت کا حد درجہ پاس تھا اور وہ اپنے ان جاں نثاروں کی دل جوئی اور سرپرستی کو اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔ ذیل میں ان کے خیالات کی ترجمانی کرتی ایک تحریر دیکھئے۔

”علی گڑھ میری تحریک کا مرکز ہے، یہیں سے میرے نوجوان سفیر براعظم ہندوستان کے ہر کونے میں جا کر مسلمان عوام کو مسلم لیگ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ ان کا مشنری

۱۔ سہ ماہی ”علی گڑھ میگزین“ ۱۹۴۶ء۔ ادارتی شذرہ بعنوان: نادر درس گاہ، صفحہ ۱ اور ۲۔

جذبہ اور تحریک سے بے لوث لگاؤ ہی میری ساری متاع ہے۔ میں علی گڑھ دس کام چھوڑ کر آتا ہوں اور ان بچوں کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان سے باتیں کر کے اپنے عزم اور ارادے میں تقویت حاصل کرتا ہوں۔“ ۱

تحریک پاکستان کے سنگ ہائے بنیاد

میں ایک اہم ترین نام آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

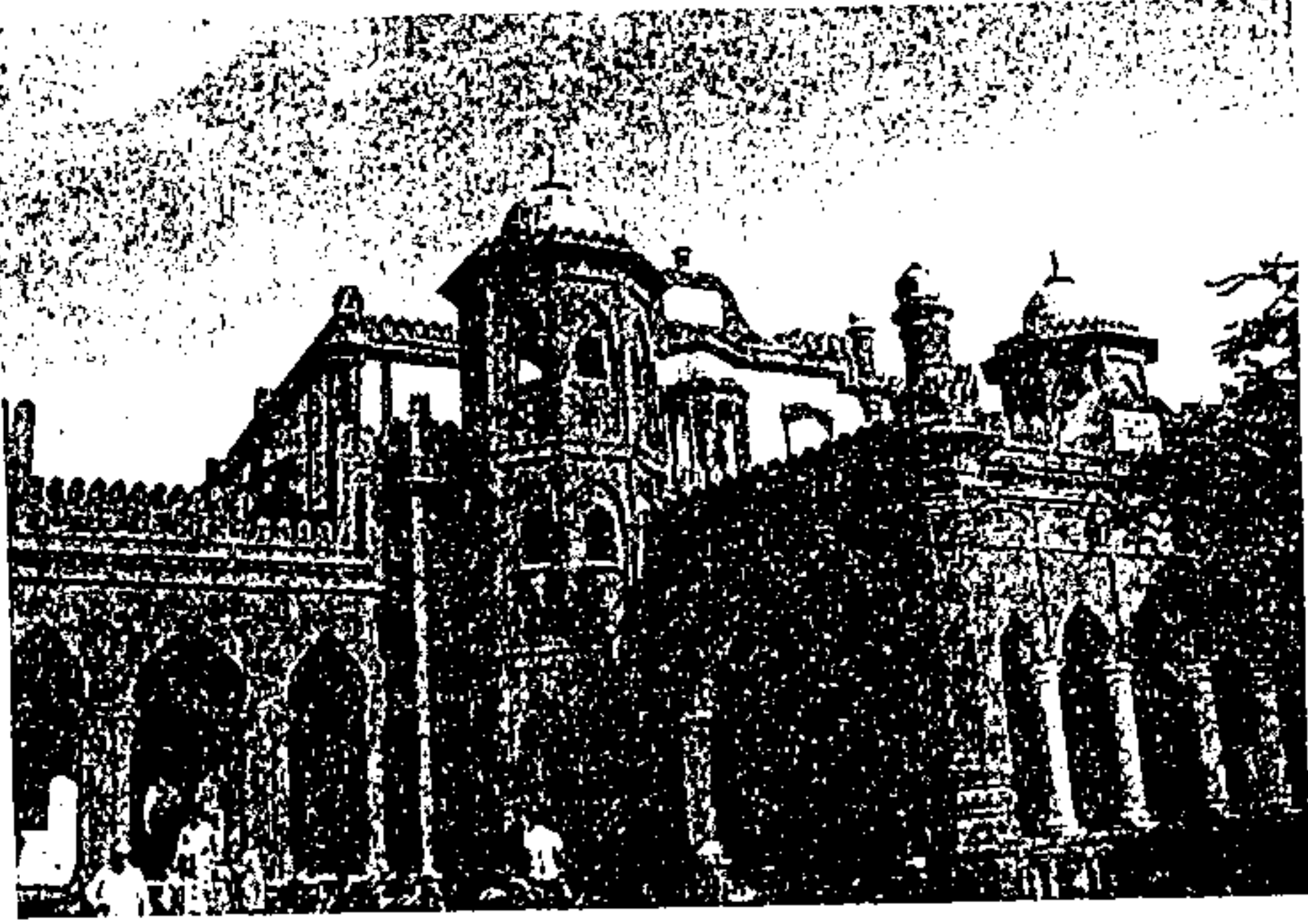
پاکستان کے تخیل کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لیے جو جاں نسل اور پیہم جدوجہد ہمارے اکابر نے کی، اس سعی جمیل میں ایک اہم ترین کارنامہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا وجود میں لانا ہے۔ اس کتاب کے مختلف ابواب میں انتہائی شرح و بسط کے ساتھ اس ادارہ کی اہمیت و افادیت اور گراں قدر خدمات کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جہاں جہاں سے بھی کوئی قابل ذکر اور قابل قدر مواد میسر آیا اسے کتاب کا حصہ بنایا گیا کہ قارئین کرام زیادہ سے زیادہ تاریخی حقائق تک رسائی حاصل کر سکیں۔

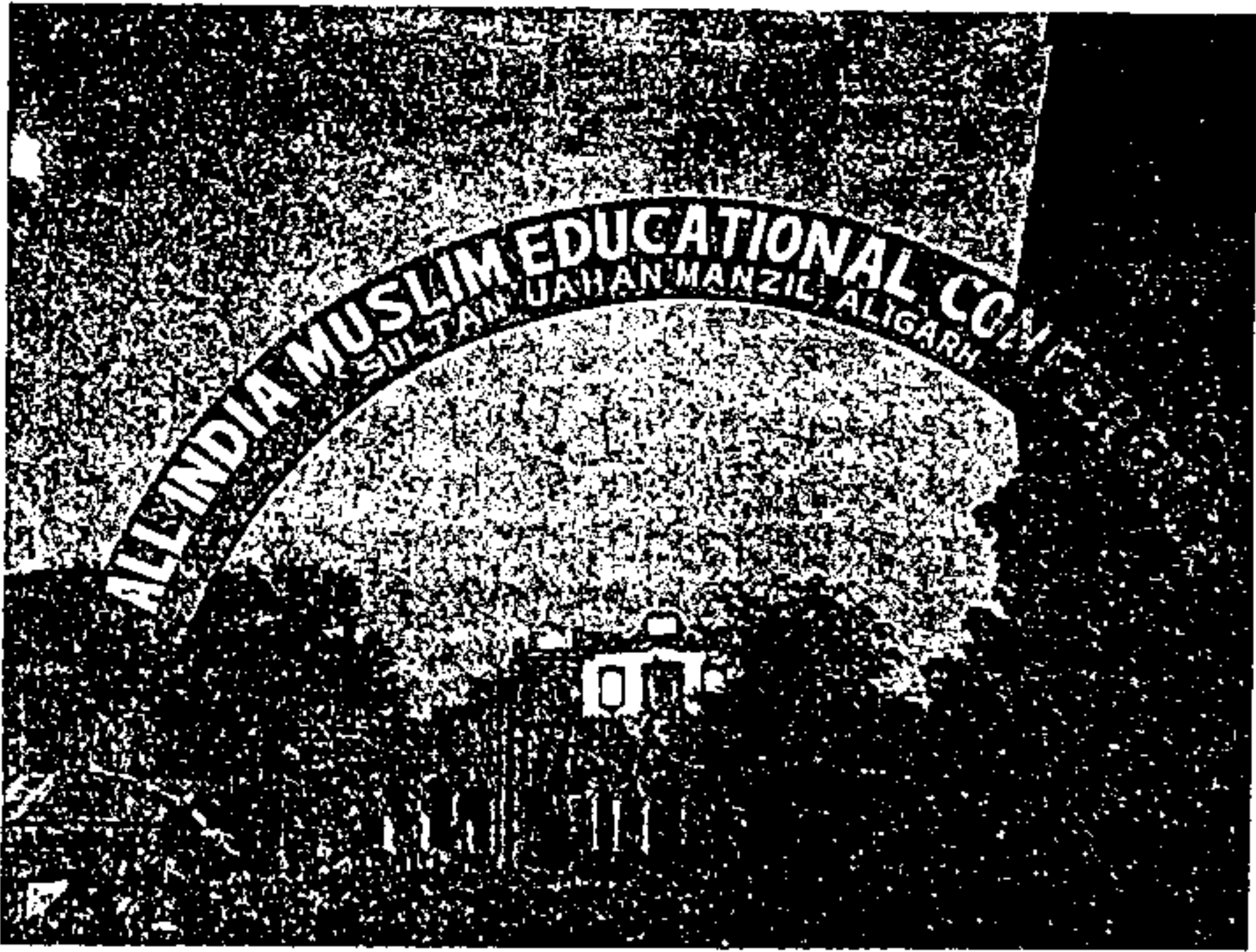
حسن اتفاق سے جناب افضل عثمانی کا ایک مفید اور مستند مقالہ ہمارے ہاتھ آیا، جو ہم سن و عن بزبان انگریزی ہی شامل کتاب کر رہے ہیں۔

۱ ”علی گڑھ اور تحریک پاکستان“؛ نواب مشتاق احمد خاں، ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، اگست ۱۹۶۹ء بحوالہ کرامت علی خاں: ”جہاد آزادی (منتخب مقالات)“ طبع لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۲۔

All India Muslim Educational Conference



سلطان جہاں منزل (مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس) کا اندرونی منظر



**All India Muslim Educational Conference Head Office
(Sultan Jahan Manzil, AMU Aligarh India)**

By Afzal Usmani

All India Muslim Educational Conference (AIMEC), a Non-political organization which brought Muslim rulers of remaining princely states of undivided British India, social and political leaders, intellectuals and distinguished people from all of walks of life onto one platform for educational empowerment of Muslims of India and transformed the dimensions of Aligarh Movement and fulfilled the dream of its founder, Sir Syed Ahmad Khan by converting Muhammadan Anglo Oriental College (M.A.O. College) to Aligarh Muslim University. The Conference also became championing the cause of Women's education and gave birth to one of the oldest and biggest women's educational institution, Women's College of Aligarh. This non-political, All India Muslim Educational Conference which was started for educational empowerment of Muslims of India also gave birth to largest Muslim political party "Muslim League" which still has roots in all the 3 countries of British India, Pakistan, Bangladesh and India. This one time conglomerate of Muslim Intelligentsia of British India has lost its glory and living or dying quietly in a monumental and historical building

"Sulatan Jahan Manzil" in Aligarh Muslim University campus. The only time we hear its name when it sends 5 representatives to Aligarh Muslim University supreme governing institution AMU Court or get a peek into its symbolic lowest possible subscribed Journal, "Conference Gazette". Let's have a look, what was All India Muslim Educational Conference.

The inauguration of first Session of Indian national Congress at Bombay on 28-31 December 1885 by Allan Octavian Hume was a turning point in social and political movements of British India. Indian National Congress chooses a path of confrontational politics with the rulers of British India which was against the philosophy of Sir Syed Ahmad Khan, who was a strong supporter of Co operational Politics with British Empire. This lead Sir Syed to establish Mohammadan Educational Congress on 27th December, 1886 at Aligarh. By this time Sir Syed was undisputed well wisher of Muslims of India and had unquestioned secular credentials. Sir Syed's decision not to participate in Indian National Congress surprised a lot of intellectuals of the time. But Sir Syed was very clear in his mission of Muslim upliftment and at any cost he did not wanted to see the wrath of British Empire on Muslims of India which he had himself witnessed after 1857 revolt and so he choose the path of Co operational Politics with the rulers of India. This Congress became Mohammadan Educational Conference in the annual session of 1890 at Allahabad. This organization was a key element of Aligarh Movement and played an important role in taking the Aligarh Movement across the Indian Sub-continent and the establishment of Aligarh Muslim University. It is an established fact that the foundation of AIMEC was to keep Muslims of India away from a confrontational politics of Indian National Congress against British Empire and to do so it was made very clear that AIMEC is socio-political group to promote education among the Muslims of Indian subcontinent. One of the demands of the INC was to have open competition for Civil Services. Sir Syed was convinced that Muslims of India are educationally not at par with their fellow countrymen and so can not compete in open competition with their fellow countrymen. Sir Syed and leaders of AIMEC made it very clear that AIMEC is neither against INC or other political groups of India nor intended to alienate Indian Muslims from main stream political process but to promote education among the Muslims of Indian subcontinent to bring them at par with their fellow countrymen. In the Inaugural session of Muslim Educational Conference on 27th December, 1886 at Aligarh, Sir Syed emphasized his philosophy of co operational politics with the rulers of India and put forward the need of educational

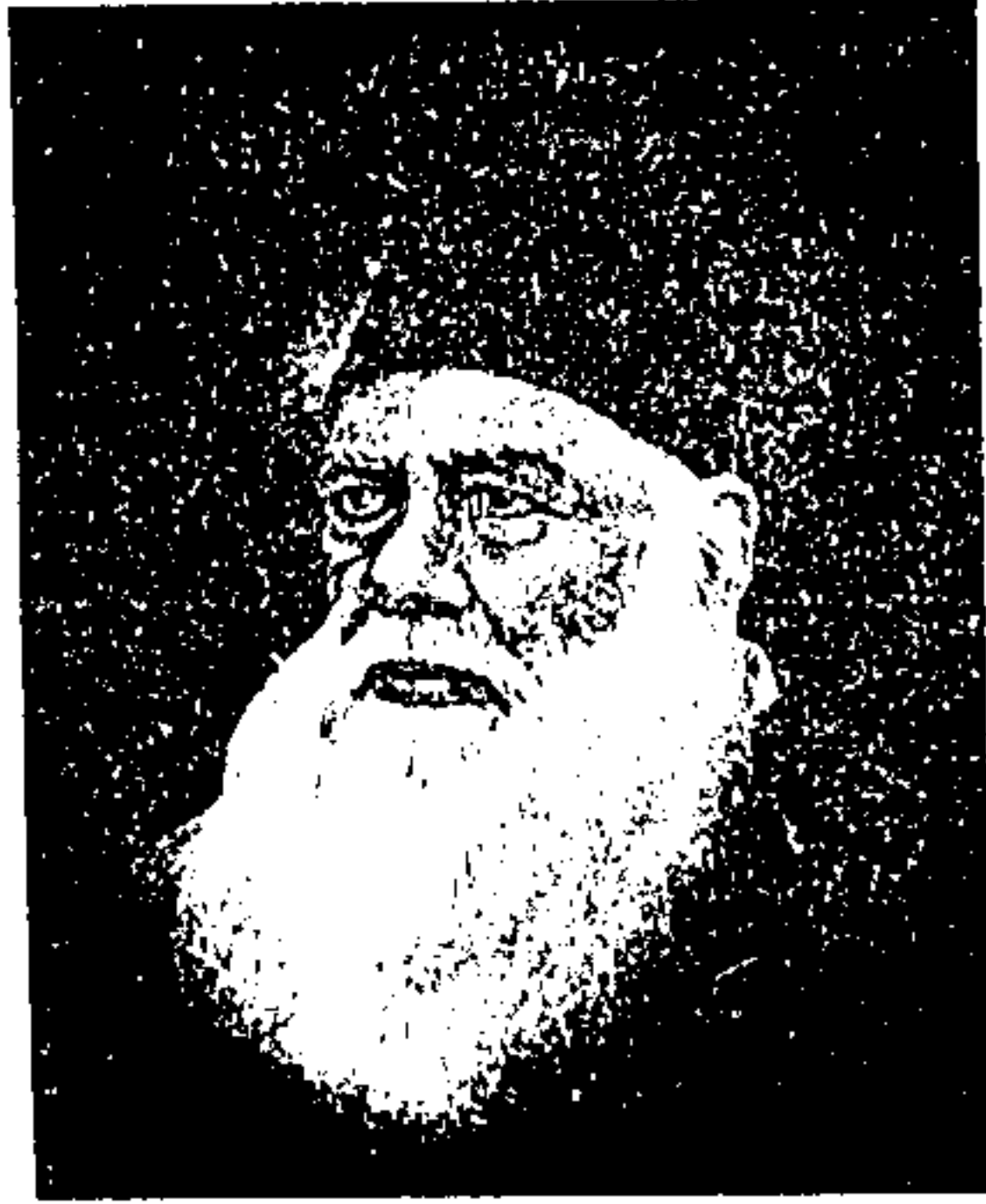
empowerment for the Muslims of India. Indian National Congress leaders were not very happy with the formation of Muslim Educational Conference.

Muslim Educational Conference was concern primarily with Muslim education. It kept a vigilant eye on the spread of modern education among Muslims and passed resolutions and took steps to deal with the factors which were hindering its progress. Muslim Educational Conference became a platform for Indian Muslim Intelligentsia to mobilize Indian Muslim masses to promote education and specifically modern and western education and clear their doubts and misconception about the western and modern education. The Conference was much more than a gathering of Muslim Educationist and gave an opportunity to Aligarh Movement leaders to promote Aligarh Movement. Principal Theodore Beck and Prof. Theodore Morrison also took keen interest in Conferences activities. Sir Syed Ahmad Khan was elected as Secretary of the newly formed organization. The Conference was a powerful instrument of Intellectual awakening and general spread of knowledge amongst the Muslims of India.

The life of All India Muslim Educational Conference can be broadly divided in five phases or periods;

1. 1886-1898 : Sir Syed Period
2. 1898-1907 : Mohsinul Mulk Period
3. 1907-1917 : Sahabzadah Aftab Ahmad Khan Period
4. 1917-1947 : Nawab Sadar Yar Jang Period
5. 1947-till date : Post Independence period

1886-1898: Sir Syed Period:



Zahoor

The Beginning a new Conglomerate of Muslims of India:

The first session of Muslim Educational Conference (AIMEC) was held at Aligarh. This inaugural session was presided over by none other than close friend of Sir Syed and one of the strongest supporters of Aligarh Movement, Maulvi Samiullah Khan. In this session, Sir Syed Ahmad Khan was elected as Secretary of the newly formed organization. The Inaugural session at Aligarh adopted the following resolutions;

1. Establishment of "AIMEC" and to hold its annual session in different parts of the country.P
2. British Government should only take care of modern and western education. Muslims will take care of Oriental studies.
3. Promote publications of journals and special attention should be paid for memorization of Quran (Hifz-e-Quran)
4. The Head Office of Muslim Educational Congress will be at Aligarh.

The second session of The Congress was held at Lucknow and was presided over by Mr. Imtiyaz Ali Khan of Kakori. The session adopted the following resolutions;

1. Scholarships will be awarded to Muslim students for higher education.
2. Local Educational Committees were formed.

The first two sessions of The Congress were focusing on education but the Third session which was held at Lahore in 1888 focused on social issues of Muslims of India. The session was presided by Sardar Muhammad Hayat Khan and the following resolutions were adopted;

1. Voice was raised against some heinous and Non-Islamic traditions among the Muslims and solutions were discussed to curb these Non-Islamic and heinous traditions from the Muslim societies.
2. Request was made to the government for concessions and exemptions on tuition fees for poor Muslim students.
3. Oriental and religious education should be started in Government Schools.
4. An extra effort needs to put for promotion of women's education.

The Fourth session was held at Aligarh in 1889 and was presided over by Sardar Muhammad Hayat Khan and following points were discussed;

1. A passionate appeal was made to donate Zakat Money for the education of poor Muslim students.
2. Demands were made to remove derogatory and anti-Islamic contents from History course books.
3. Proposals were made to establish separate technical institutes.
4. Special attentions were paid towards the need to develop curriculum for toddlers and kids.

The Fifth session was held at Allahabad in 1890 and once again it was presided by Sardar Muhammad Hayat Khan. The major attraction of this session was the renaming of All India Mohammadn Educational Congress to All India Muslim Educational Conference. The other focus of this session was translation of literary works of different languages into Indian languages. The marching mode of this caravan of Muslim intellectuals of India was well received by the Indian Muslims and its resolutions and

proposals started showing some results. The Sixth session at Aligarh recognized and appreciated the efforts of Shamsul Ulema, Allama Shibli Nomani for his writings "Al-Jizya (Security Tax for Non-Muslims in Islamic State), Al-Mamoon (Biography of Khalifa Mamoon Al-Rasheed) and Seeratul-Noman (Biography of Imam-e-Azam, Abu Hanifa)". This session also recognized the need of women education for the overall development of Muslims of India. Some concrete steps were proposed to promote women education. Publication of "Conference Journal" was a baby of this Aligarh session. This historical session at Aligarh was presided over by Nawab Ishaq Khan, who later served as Secretary of Mohammadan Anglo Oriental College Management. The Sixth session was held at Delhi in 1892 and faced some stiff resistance from some local theologians. This session was presided over by Maulvi Hashmatullah Khan. This session was also addressed by M.A.O. College Principal, Prof. Theodore Beck and M.A.O. College Professor and well known Orientlist, Prof. Thomas Walker Arnold. The session of 1894 at Aligarh also made a passionate appeal to support the newly formed organization "Nadwatul Ulema".

In 1896, the annual last executive session of Muslim Educational Conference in Sir Syed Ahmad Khan's lifetime, made a proposal to start a women education section in Muslim Educational Conference was accepted and Justice Karamat Hussain was appointed as its Founding Secretary. Nawab Mohsinul Mulk, Sahabzada Aftab Ahmad Khan, Janab Sultan Ahmad and Haji Ismail Khan were asked to assist Justice Karamat Hussain. In the annual session of Muslim Educational Conference of 1898 in Lahore, a separate department of women's education was established and Sahabzada Aftab Ahmad Khan was elected its Secretary. This started a wrath from the traditional Muslims of India but a dedicated team of Janab Ummid Ali, Ghulam-us-Saqlain and Haji Ismail Khan wrote several letters and articles in Aligarh Institute Gazette and other reputed journals to defend the decision of Muslim Educational Conference to start a women's educational movement. Justice Amir Ali presided over the annual session of AIMEC in 1899 at Calcutta and the idea to start girl's schools in all of the state capital was accepted. It was also agreed that the Ulema will be consulted to develop the curriculum of the schools and the modern subjects of Science and Social Science will also be included in the syllabus. In the session of December 1902 in Delhi under the leadership of H.H. Sir Agha Khan, young Shaikh Abdullah was appointed as Secretary to look into the women's educational project and was asked to start the activities very aggressively. The year 1897 was a bit tough on AIMEC as could not hold the annual session due to poor

health complication with Sir Syed Ahmd Khan and finally Sir Syed Ahmad Khan died on 27th March 1898 and the rein of All India Muslim Educational Conference were transferred to Saiyad Mehdi Ali, Nawab Mohsinul-Mulk. By this time AIMEC had become an effective and established platform and even the opponents of Sir Syed including Justice Amir Ali, Justice Badruddin Tayabji and many more had joined the AIMEC and had started attending AIMEC sessions in different parts of the Country. The British staff of MAO College including Principal Theodore Beck, Prof. T. Morrison, Prof. T.W. Arnold and others started supporting the AIMEC in India and started a campaign to generate support in England too.

1898-1907: Mohsinul Mulk Period:

The Beginning of Movement for a Muslim University and Birth of Muslim League:

The death of Sir Syed was a tragic event for Aligarh Movement and its leaders but to fulfill the mission of Sir Syed, his close confident and friend and one of the strongest supporter of Aligarh Movement, Saiyad Mehdi Ali, Nawab Mohsinul Mulk was "elected as Secretary of M.A.O. College Management Committee as well as Honorary Secretary of All India Muslim Educational Conference. Colleges everywhere were feeling the pinch of the government's demands for higher fees and harder examinations. At Aligarh, the number of students fell from 595 in 1895 to 323 at the time of Sir Syed's death on 27 March 1898, and by the following July had plummeted to 189; and the situation was made worse by an embezzlement scandal in 1895, and by renewed attacks from Sir Syed's old collaborators who had broken with the college in 1889. The college accounts were in disorder, and as a result of embezzlement, the suspension of grants from a number of benefactors, and the fall in income from fees, the institution was heavily in debt. [6].

This was a very tough time for MAO College and Aligarh Movement but after taking over the rein of Aligarh Movement, Nawab Mohsinul Mulk gave a big boost to fulfill the dream of Sir Syed Ahmad Khan to convert M.A.O. College into a Muslim University and in the first session during his Secretaryship in 1898 at Lahore, he pushed forward the proposal of Muslim University. The proposal was prepared by Prof. T. Morrison and Maulvi Badrul Hasan. This session of AIMEC also put emphasis on moral education for youth and special attention were paid to promote women's education

The following proposals were made in the 12th session of AIMEC at Lahore, which was first session after the death of Sir Syed Ahmad Khan.

1. Proposal for a Muslim University.
2. Promotion of Women's Education.
3. Promotion of moral education for youths
4. Establishment of Muslim Hostels at Public or Private Institutions.

This session at Lahore was presided over by Nawab Fateh Ali Khan Qazalbash. The proposals for a Muslim university were fully discussed at this session at Lahore in December 1898. About 900 people attended and the Conference showed a new spirit of enterprise. Prof. T. Morison proposed that a Muslim university should be founded, observing that it would really be no more than an expanded version of Aligarh College. Beck reminded the audience that the University would be the Indian Muslims' passport to office. Badruddin Tyabji of Bombay, Sir Syed's old political antagonist, subscribed Rs. 2,000 to the university, and, from Calcutta, Syed Amir Ali pledged his support. In December 1899, the conference moved out of upper India and met in Calcutta under the presidency of Amir Ali. The Sir Syed memorial fund started a Bengal branch. The 1901 session of the conference took place in Madras. The following year, the Aga Khan presided over the meeting in Delhi, and in 1903 the Conference was held in Bombay under Badruddin Tyabji. Badruddin Tyabji, speaking as president of the 1903 Muhammadan Educational Conference, described the plans for a university as premature. Muslims should first lay a strong foundation of local Muslim schools and colleges which, initially at least, could be affiliated to the existing government universities.⁴⁹ Akbar Hydari, Tyabji's nephew, spoke out against the whole idea of a Muslim university.⁵⁰ Hydari argued that for secular advancement Muslims would be better off at the existing universities. Serious theological training was adequately provided in existing madrasas. Moreover, it would be foolhardy to bring the doctrines of different Muslim sects into open rivalry at one centre. At a regional meeting of the Educational Conference in Ahmadabad in October 1904, Muhammad Ali, younger brother of Shaukat Ali, replied to Hydari in an eloquent restatement of the Beck-Morison concept of a Muslim university.⁵² He called upon his experience at Aligarh and Oxford to argue for 'the expansion of Aligarh'. Muhammad Ali projected a bold view of India as a 'federation of religions'; only if Muslims and Hindus were allowed to cultivate their distinctive cultural traditions could they live together amicably. Therefore both the Muslim university at Aligarh and the Hindu university at Benares, proposed earlier in the year by Pandit Madan Mohan Malaviya, should be encouraged.

Professing 'no concern with politics, and certainly no desire to confound it with education', Muhammad Ali none the less warned that government educational policy must respond to the wishes of the people. The idea of a Muslim university had been generated by a popular movement: 'Aligarh is the people's very own.' Wider participation, however, also meant a greater variety of ideas about the university; if Aligarh was to ask for money from such far-off places, it had to offer something in return. To scores of meetings Mohsin ul-Mulk and others held out the image of Aligarh as the best hope of the Indian Muslims, the restorer of past greatness. The university was becoming a symbol of a reviving Islam. [6].

The other sessions were held at Rampur (1900, Maulvi Syed Husain Bilgrami), Lucknow (1904- Prof. T. Morrison) and Aligarh (1905- Khalifa Mohd. Hussain). The major highlights of these different sessions were promotion of Science, law and other modern education at M.A.O. College and promotion of Women's education and establishment of Girls School at Aligarh and establishment of Fund for M.A.O. College. MAO College affairs as well as AIMEC were demanding more time and resource and it became tough for Secretary of MAO College management Nawab Mohsinul Mulk to do a balance of commitment for MAO College and AIMEC, than a staunch supporter of Aligarh Movement Sahebzadah Aftab Ahmad Khan was appointed as founding Jt. Secretary of AIMEC in the annual session of 1905 at Aligarh.

Dhaka Session of 1906 and Birth of Muslim league:

Even though the official publication of All India Muslim Education Conference "Muslim Educational Conference kay 100 Saal " does not talk about the this session due to one or the other reasons but it is almost very clear that the 1906, Dhaka session of All India Muslim Educational Conference was the birth place for "All India Muslim League". In the early October 1906 All India Muslim Educational Conference leaders and few others met Viceroy of India at Shimla and discussed some of their concerns. Nawab Khwaja Salimullah of Dhaka could not join the deputation due to his cataract operation [2]. The omission of Division of Bengal issue from the discussion or unsatisfactory response from the Viceroy made young Nawab Khwaja Salimullah unhappy and he proposed an All India Muslim Educational Conference to be held in Dhaka, capital of the then East Bengal and Assam Province in the year 1906. The conference was inaugurated on 27

December 1906 and continued till 29 December 1906 as Conference on Education. The inaugural session was chaired by Nawab Justice Sharfuddin, the newly appointed justice of Calcutta High Court. On 30 December 1906 political session of the conference took place. It was chaired by Nawab Viqar-ul-Mulk. In this session a motion to form an All India Muslim League (AIML) was proceeded. Initially a party styled as All India Muslim Confederacy was discussed. But, in the process the name All India Muslim League, proposed by Nawab Khawaja Sir Salimullah Khan Bahadur and seconded by Hakim Ajmal Khan, was resolved in the meeting. All delegates were registered as members of the proposed party led by Janab Muhsin-ul-mulk and Janab Viqarul Mulk, who were Joint Conveners. AIML was first Muslim political party in the history of India. A total of 1955 delegates attended the event. The conference was attended by most of the Muslim zamindars, educationists, pleaders, and other leaders of the community.

1907-1917: Sahabzadah Aftab Ahmad Khan Period:

AIMEC and Muslim University Movement

Sahebzadah Aftab Ahmad Khan was officially Joint Secretary of All India Muslim Educational Conference and Secretary of M.A.O. College management Committee, Nawab Mohsinul Mulk, Nawab Viqarul Mulk and Nawab Ishaq Khan remained Secretary of AIMEC during this time of 1905-1917 but their pre-occupation with MAO College affairs gave young and energetic Aftab Ahmad Khan almost absolute freedom to give AIMEC a new direction. This 12 year reign of Sahebzadah Aftab Ahmad Khan gave AIMEC a new direction and took it to a new peak and AIMEC became a reckoning force of Muslims of India. It also took interest in local issues of the place where annual session is held and attentions were paid to help and support local community to over come their social and educational problems. He also expanded the perimeter of AIMEC and its annual session was held even in Rangoon in 1909. During this time the annual sessions were held at Karachi (1907- Altaf Hussain Hali), Amritsar (1908- Sir Khawaja Salimuddin of Dhaka), Rangoon (1909- Sir. H.H. Nawab Mohd. Ali, raja of Mahmudabad), Nagpur (1910- Abdullah Yusuf Ali, Principal of Islamia College of Lahore and famous English translator of Quran), Delhi (1911 - Emadul Mulk Syed Hussain Bilgirami), Lucknow (1912- Major Syed Hasan Bilgirami), Agra (1913- Justice Shah Deen), Rawalpindi (1914, Maulvi

Rahim Bakhsh), Pune (1915, Justice Abdul Rahim), Aligarh (1916- Miyan Mohd. Shafi), Calcutta (1917, Nawab Sir Haider Nawaz Jang Bahadur Mohd Akbar Ali).

The plan for the Muslim University had by 1910 taken on the complexion and force of a national movement. The session of the All India Muslim Educational Conference at Nagpur in December, 1910 was presided by Abdullah Ibn Yusuf Ali Khan. In his address Sir Aga Khan gave the signal for a concerted, nation-wide effort to raise the necessary funds for the projected University. In moving the resolution on the University, the Aga Khan III made a stirring speech. He said, "This is a unique occasion as His Majesty the King-Emperor is coming out to India. This is a great opportunity for us and such as is never to arise again during the lifetime of the present generation, and the Muslims should on no account miss it. We must make up and make serious, earnest and sincere efforts to carry into effect the one great essential movement which above all has a large claim on our energy and resources. If we show that we are able to help ourselves and that we are earnest in our endeavors and ready to make personal sacrifices, I have no doubt whatever that our sympathetic government, which only requires proper guarantees of our earnestness, will come forward to grant us the charter. 'Now or never' seems to be the inevitable situation." To make a concerted drive for the collection of funds, a Central Foundation Committee with the Sir Aga Khan III as Chairman with Maulana Shaukat Ali (1873- 1938) as his Secretary; and prominent Muslims from all walks of life as members was formed at Aligarh on January 10, 1911. The Aga Khan III accompanied by Maulana Shaukat Ali, who was still in government service and had taken a year's furlough, toured throughout the country to raise funds, visiting Calcutta, Allahabad, Lucknow, Kanpur, Lahore, Bombay and other places. Willi Frischauer in his book, *The Aga Khans* writes, "His campaign for the Aligarh University required a final big heave and, as Chairman of the fund raising committee, he went on a collecting tour through India's main Muslim areas: 'As a mendicant', he announced, 'I am now going out to beg from house to house and from street to street for the children of Indian Muslims.' It was a triumphal tour. Wherever he went, people unharnessed the horses of his carriage and pulled it themselves for miles"[4]. The response to the touching appeal of the Sir Aga Khan III was spontaneous. On his arrival at Lahore, the daily "Peace" of Punjab editorially commented and called upon the Muslims "to wake up, as the greatest personality and benefactor of Islam was in their city." The paper recalled a remark of Sir Syed Ahmad Khan prophesying the rise of a hand from the unseen world to accomplish his

mission. "That personality" the paper said, "was of the Sir Aga Khan III." On that day, the "London Times" commenting upon the visit, regarded him as a great recognized leader of Muslims. Allama Shibli Nomani was with Sir Aga Khan in the delegation for fund raiser to Lahore. Shibli recited a very passionate Persian poetry to motivate the audience for fund raiser. The significant aspect of the Aga Khan's fund collection drive was not the enthusiastic welcome accorded to him, but the house to house collection drive. Qayyum A. Malick writes in his book "Prince Aga Khan" that once the Aga Khan on his way to Bombay to collect funds for the university, the Aga Khan stopped his car at the office of a person, who was known to be his bitterest critic. The man stood up bewildered and asked, "Whom do you want Sir?" "I have come for your contribution to the Muslim university fund," said the Aga Khan. The man drew up a cheque for Rs. 5000/-. After pocketing the cheque, the Aga Khan took off his hat and said, "Now as a beggar, I beg from you something for the children of Islam. Put something in the bowl of this mendicant." The man wrote another cheque for Rs. 15000/- with moist eyes, and said, "Your Highness, now it is my turn to beg. I beg of you in the name of the most merciful God to forgive me for anything that I may have said against you. I never knew you were so great." The Aga Khan said, "Don't worry! It is my nature to forgive and forget in the cause of Islam and the Muslims." The drive received further great fillip from the announcement of a big donation of one lac rupees by Her Highness Nawab Sultan Jahan Begum of Bhopal. The Aga Khan III was so moved by her munificence that in thanking her, he spoke the following words:

Dil'e banda ra zinda kardi,
 dil'e Islam ra zinda kardi,
 dil'e qaum ra zinda kardi,
 Khuda'i ta'ala ba tufail'e Rasul ajarash be dahad"

It means, "You put life in the heart of this servant; you put life in the heart of Islam; you put life in the heart of the nation. May God reward you for the sake of the Prophet!". In sum, Sir Aga Khan collected twenty-six lacs of rupees by July, 1912 in the drive and his personal contribution amounted to one lac rupees.

The Major resolutions and achievement of this period were;

1. AIMEC received a generous donation from ruler of Bhopal, Begum Sultan Jahan and built its head office building at Aligarh. The building is known as "Sultan Jahan Manzil" and even today it holds the office of AIMEC.
2. Movement for Muslim University was primary attention of AIMEC. A National Campaign was in full swing to raise money for Muslim University.
3. Foundation Committee was established under the Chairmanship of Sir Agha Khan.
4. Special attentions were paid to local social and educational issues.
5. Proposal for 1% educational tax to landlords from their agricultural produces.
6. Maharaja Kashmir was requested to pay attention to the educational issues of Kashmiri Muslims. A delegation was sent to Maharaja Kashmir to pursue him to pay attention to the educational issues of Muslims of Kashmir. Arabic Teachers were appointed in Schools of Kashmir
7. Schools at Aligarh will have a Kinder Garden (KG) educational system
8. Urdu should be a medium of instruction in educational systems in Urdu speaking areas like Punjab.
9. Committee was formed to revise schools curriculum in Bengal
10. State Governments needs to grant some financial assistance to M.A.O. College and Schools.
11. A special fund was established to support the cost of Conferences for teachers and professors.
12. A sub-Committee was formed to help Burma's (Myanmar) educational development.
13. Special scholarship was instituted for meritorious students of Medical and Engineering Colleges.
14. Recommendations were made to have at least one Muslim Members in every state and University Text Book Committee.
15. Efforts were made to start a 'Yateem-Khana" in Burma
16. The need of a Islamia College in every state and secondary school for Muslims in every district was realized and efforts were made to have a Islamia College in every state and a Secondary school for muslims in every district.
17. Efforts were made to bring Islamic Scholars (Ulema) into AIMEC's fold and efforts were made to clear existing confusions from the minds of Ulema.
18. Muslim University Fund Committee was established to raise funds for Muslim University.
19. Muslim students were Encouraged to receive Medical education.
20. A state Educational Conference in Punjab was established.
21. Scholarships were instituted for technical educations for Muslim-

students.

22. A Movement was started to promote Madarsah of Calcutta to a Islamia College.

23. Protests were made when University of Calcutta dropped Arabic and Persian from their curriculum.

1917-1947: Nawab Sadar Yar Jang Period:

AIMEC under the umbrella of Aligarh Muslim University

In 1917, Sahabzadah Aftab Ahmad Khan was nominated into the British Council in the Ministry of Indian Affairs and he moved to England. AIMEC elected Maulana Habibur Rahman Khan Sherwani, Nawaba Sadar Yar Jang as its Joint Secretary. In 1920, when M.A.O. College became Aligarh Muslim University, at Amrawati, AIMEC made a constitutional amendment and AMU Vice-Chancellor became President of AIMEC and elected Maulana Habibur Rahman Khan Sherwani, Nawaba Sadar Yar Jang as Honorary Secretary and so he served to position till 1947. In his leadership, the first session was held in 1918 at Surat (Bombay State- now in Gujarat). The session was presided over by Sir Ibrahim Rahmatullah. The session appreciated the efforts of Bombay State Government for starting Urdu Medium Schools. A committee was formed under the leadership of Dr. Ziauddin Ahmad to promote a similar concept of Urdu Medium schools in other states. Fund was raised to establish a Muslim hostel in Surat. Proposal was adopted to start a Training College for the teachers of Arabic Schools/Madaris. The annual session of 1923 at Aligarh adopted the proposal to rename All India Mohammad Educational Conference to All India Muslim Educational Conference.

After the establishment of Aligarh Muslim University, the All India Muslim Educational Conference could not work with the same pace as it worked for the establishment of Aligarh Muslim University. At the same time division of Aligarh Movement leaders and establishment of a new University Jamia Millia Islamia took some of the resources of AIMEC. Even though the sessions of AIMEC used to held annually at Khairpur-Sindh (1919- Maulvi Rahim Bakhsh), Amrawati (1920 – H. Ibrahim Haroon Jaffer), Aligarh (1922- Miyan Fazal Hussain), Aligarh (1923- Sahabzadah Aftab Ahmad Khan), Bombay (1924-Ibrahim Rahmatullah), Aligarh (1925 – Sahabzadah Abdul Qayum), Delhi (1926- Abdul Rahim), Madras (1927 – Shaikh Abdul

Qadir), Ajmer (1928- Sir Shah Sulaiman), Banaras (1930 – Sir Ross Masood), Rohtak (1931 – Sir Syed Raza Ali), Lahore (1932 – Col. Maqbool Hussain Quraishi), Meerut (1934 – Sir Shaikh Abdul Qadir), Agra (1936- Sir Ziauddin Ahmad), Rampur (1936 – H.H. Sir Agha Khan) and the 50th anniversary session of AIMEC was held at Aligarh in 1937. In 1938, the annual session was held in Patna and Maulvi Fazal Haq presided over the session. The next sessions were held at Calcutta (1939–Nawab Kamal Yar Jang), Pune (1940, Maulvi Fazal Haq), Aligarh (1943 – Nawab Zaheer Yar Jang), Jabalpur (1944 – Sir Azizul Haq). The last session of All India Muslim Educational Conference in British India was held at Agra 1945 and was presided over by Nawabzadah Liyaqat Ali Khan. These sessions were focusing on growth of Muslim University and other social and educational issues faced by Muslims of India. During the peak of freedom of India movement, AIMEC sessions were not very regular as the major energy of masses was used in freedom movement.

1947-till date: Post Independence period

On 14th & 15th August 1947, British India became 2 independent countries India and Pakistan and due to Aligarh's geographical location, of course All India Muslim Educational Conference became an organization of India. An All Pakistan Educational Conference was formed in Pakistan by Mr. Syed Altaf Ali Bareilvi. The detail of All Pakistan Muslim Educational Conference can be found in "History of the Conference" by Mr. Syed Altaf Ali Bareilvi. The subsequent few years were very tough for the Indian sub-continent and hence even at Aligarh, it took time to bring things in order. Dr. Zakir Hussain was appointed as first Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University in independent India. The Ministry of Educational affairs started looking into affairs of Aligarh Muslim University.

Secretary : 1949 - 1992

In the mean time in 1949, AIMEC elected Alhaj Obaidur Rahman Khan Sherwani as its Honorary Secretary. Alhaj Obaidur Rahman Khan was son of Maulana Habibur Rahman Khan Shrwani. This started a new chapter in the history of AIMEC. After his election as Honorary Secretary, the first session was held in 1952 at Aligarh. The session was chaired by AIMEC President and Vice-Chancellor of AMU Aligarh. After the Aligarh session, the last regular session of AIMEC was held in 1955 in Madras (Chennai) under the

leadership of Dr. Zakir Hussain. After 1955 session, no session of AIMEC held. After a gap of 38 years, a session of AIMEC was held in 1993 in Delhi under the Chairmanship of Prof. Rasheeduz Zafar, the then Vice-Chancellor of Jamia Hamdard. This is the last known AIMEC function.

As per Dr. Mohsin Raza, former president of AMU Students Union and a faculty at Jawaharlal Nehru Medical College at AMU Aligarh, a session of AIMEC was also held in 1969 at Aligarh. This session was presided over by Mr. Badruddin Tayyabji, the then Vice-Chancellor of AMU and president of AIMEC. Here is the narration of Dr. Mohsin Raza on 1969 session of AIMEC;

“One session that I attended was held in 1969, Late Badruddin Tayyabji attended this session. Several members assailed the inactivity of the AIMEC, Maulana Saeeurrehman Zaini was extra loud on which Mr. Badruddin Tayyabji took an exception and got angry”. In the same meeting the Sultan Jahan Manzil Hall was officially allotted without rent to the Muslim Social Uplift Society's Medical Coaching Centre.”

The official publications of AIMEC do not have any account of this session of 1969.

Till 1972, Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University used to be President of AIMEC. In 1972, AIMEC made an amendment in its constitution and elected Industrialist Mr. Mustafa Rasheed Sherwani, Founder & Chairman of Jeep Flashlight. This marked a new start in AIMEC and now AMU does not have any association with AIMEC. In the meantime Mr. Ammar Ahmad Khan was elected as Honorary Secretary in 1958 and served till 1964, and then Prof. Anwarul Haq Haqqi was Honorary Secretary from 1964 to 1970. Once again Alhaj Obaidur Rahman Khan Sherwani got elected as Honorary Secretary and he served till his last breath in 1992 and then his son Prof. Reyazur Rahman Khan Sherwani got elected as Secretary of AIMEC and Mr. Amanullah Khan Sherwani as Joint Secretary and they are serving till date. AIMEC elected Mr. Ammar Ahmad as its President in 1992 and had served till his last breath in 2004. After his sad demise, no news about any President of AIMEC. As a principal organ of Aligarh Movement, AIMEC found 5 permanent births in AMU Court. Here is the list of MEC representative in AMU Court in the last session; Mr. Asad Yar Khan, New Delhi, Mr. Kh. Mohd. Shahid, New Delhi, Mr.

or

Munawwar Haziq, New Delhi, Dr. Shahid Qamar Qazi, Aligarh and Prof. Akhtarul Wasey, New Delhi.

All India Muslim Education Conference had played a key role in the establishment of Aligarh Muslim University and had always supported AMU for its progress. Even after 1920, when Aligarh Muslim University was created, AIMEC generated funds to start different courses at AMU and helped in promoting the cause of Aligarh Movement. But for one or the other reasons, AIMEC stopped playing its role in independent India. The geo political situation of Independent India is totally different than British India but this does not prevent to work for the upliftment of social and educational problems of Muslims of India. Different Muslim Social and Educational organizations got started in independent India and flourished in their respective mission like Anjuman Islam and Anjuman Khairul Islam in Maharashtra, Al-Amin in Karnataka and many more in different parts of the country and they had established schools and colleges in their respective area of operation whereas AIMEC became extinct.

To know more about Muslim Education Conference, please refer to;

1. Muslim Educational Conference kay 100 Saal By Amanullah Khan Shrwani
2. Education of Indian Muslims: a study of the All-India Muslim Educational By Akhtarul Wasey, All-India Muslim Educational Conference
3. "Separatism among Indian Muslims" by Francis Robinson, "
4. The All India Muslim educational conference: its contributions By Abdul Rashid Khan
5. The Muslims of British India By Peter Hardy
6. Campaign for Muslim University- David Leylyveld & Gail Minault

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اثرات

سید احمد خان کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو ماضی کے بندخول سے باہر نکالنے اور جدید تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی بھرپور جدوجہد کی نتیجتاً وہ معاشی ترقی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ کانفرنس نے ابتدائی بیس (۲۰) سالوں (یعنی اپنے قیام سے ۱۹۰۶ء تک) میں نہ صرف اپنی بنیادیں مضبوط کیں، بل کہ برعظیم میں مسلمانوں کی تمدنی زندگی کے مختلف تعلیمی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں دور رس اثرات مرتب کیے اور اس طرح ہماری ملٹی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تعلیمی اثرات:

یہ کانفرنس سید احمد خان کے تصورِ تعلیم کا نتیجہ تھی۔ آپ کی بے لوث اور مثالی کاوشوں کے ثمرات یوں مرتب ہوئے:

- کانفرنس نے مسلمانوں کو چار دانگ ہند میں تعلیم کی طرف راغب کیا۔
- قوم کے ہونہار بچوں کے لیے وظائف کا انتظام کیا، قومی تعلیم گاہیں قائم کیں، تعلیمی مصارف کی بہم رسانی کی سبیلیں نکالیں۔
- مسلمانوں کو تعلیم نسواں، مدارسِ شبینہ، صنعت و حرفت، اسلامی علوم و فنون، تجارت و زراعت اور دیگر پیشوں کی تعلیم و تربیت جسمانی کی جانب توجہ دلائی۔
- حکومت کو مسلمانوں کے ہر قسم کے جائز تعلیمی حقوق و ضروریات کی جانب متوجہ کیا یہاں تک کہ بعض دیسی ریاستوں کے دروازوں پر بھی دستک دی۔
- کانفرنس کی تحریک سے اردو لٹریچر میں معقول اور قابل قدر اضافہ ہوا۔
- مسلمانوں کی علم و فن میں دل چسپی بڑھنے سے ان میں حکمت اور دانائی کی اقدار کو راسخ کر دیا۔
- کانفرنس کے خطبات، تقاریر اور قراردادیں آج بھی مسلمانوں کی ترقی کے لیے منار نور ہیں۔

معاشی اثرات:

۱۸۵۷ء کے سانحہ نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور انگریزی ملازمت سے متنفر کر دیا تھا،

لیکن اب صورت حال بدلی:

- سرسید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ نے جب مسلمانوں کے قلوب و افکار، علم و فن کی روشن خیالی اور وسعت کو اجاگر کیا، تو ان کے لیے ملازمتوں کے حصول کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں۔
- یہاں کے فارغ التحصیل نوجوانوں نے سرکاری و نیم سرکاری ملازمتوں میں شمولیت اختیار کر کے حتی المقدور مسلمانوں کی ترقی کے سامان پیدا کیے۔ قوم کے یہ سپوت سرسید احمد کے خوابوں کی تعبیر ثابت ہوئے۔

○ مسلمانوں نے کانفرنس کی جدوجہد سے صنعت و حرفت، زراعت، تجارت، وکالت وغیرہ میں کافی ترقی کی۔

○ مسلمانوں کی معاشی بد حالی ختم ہونے سے وہ اس قابل ہوئے کہ برعظیم کی دوسری اقوام خاص کر ہندوؤں کے مد مقابل نیا مقام پیدا کر لیا۔

معاشرتی اثرات:

حصولِ تعلیم کے شوق اور مسلمانوں کی معاشی حالت کی بہتری نے ان کی معاشرتی زندگی میں بھی انقلاب برپا کر دیا:

- منزل اور حصولِ منزل کی جدوجہد سے اتحاد و یگانگت کا درس ملا۔
- مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت کو قومی تعصبات کی بیڑی اور ملکی رسم و رواج (جو ان میں ہمسایہ قوم سے تمدنی میل جول کے باعث در آئے تھے) کی غلامی سے بالکل آزاد کر دیا۔
- سرسید احمد خاں کے مشن کو کانفرنس نے ان کی رحلت کے بعد نہ صرف آگے بڑھایا، بل کہ

۱۔ ”سرسید احمد خاں کے جانشینوں میں بھی چند ایسے لوگ تھے جن کے دل دو عالمی ملکی اور ملی جذبے سے سرشار تھے۔ وہ اپنے مقصد کے پیش نظر کام کی لگن کا جذبہ بدرجہ اتم رکھتے تھے۔ پھر نہ وہ رات کو رات بچھتے تھے اور نہ دن کو دن۔ انہیں لوگوں میں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، قابل ذکر ہیں۔“ (عثمانی، امیر احمد، پروفیسر حکیم۔ مشمولہ، مضمون: ”میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ڈاکٹر ہادی حسن“۔ کراچی، العلم سہ ماہی جنوری تا مارچ و اپریل تا جون ۱۹۸۸ء، جلد نمبر ۳۶ شماره نمبر ۱۲، ص ۸۱)۔

ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں انقلاب آفریں کردار ادا کیا۔

سیاسی اثرات:

مسلمانوں میں شعور جاگا رہنے پر انہوں نے ملت کی بقا و ترقی کے لیے تدابیر بھی سوچیں:

- معاشرے میں بیداری کے باعث مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی بحالی اور حصول کے لیے کوششیں عمل میں آئیں۔

- کانفرنس نے مسلمانوں میں قومی و اجتماعی تعلیم و ترقی کے احساس کو ہمیز لگائی جس سے آگے چل کر ملکی سیاست اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

- آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی توجہ اور کوشش سے مسلم لیگ معرض وجود میں آئی، جس کے جھنڈے تلے برعظیم کے مسلمان جمع ہوئے اور یوں آزادی کا قافلہ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوا۔

- اسی تنظیم نے سرسید احمد کے دو قومی نظریے کو اپنے منشور کی بنیاد بنا کر نہ صرف مسلم قومیت کو اجاگر کیا، بل کہ مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑی اور تمام تر دشواریوں کے باوجود مسلمانوں نے متحد ہو کر قائد اعظم کی قیادت اور بے مثال رہنمائی میں ۱۹۴۷ء میں مملکت پاکستان حاصل کی۔

- تحریک علی گڑھ سے قیام مسلم لیگ تک کی تاریخ، مسلم تحریک آزادی کا ایک اہم باب ہے، جس پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدارتی خطبات (۱۸۸۶-۱۹۰۶ء) شاہد عادل ہیں۔

۱۔ ”یوں تو تحریک پاکستان تقریباً ایک صدی سے چل رہی تھی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قیام ایک چھوٹے سے پاکستان کا سنگ بنیاد تھا۔“ (زاہدی، سید مسعود۔ مضمون ”قائد اعظم! ہم شرمندہ ہیں!“، ہفت روزہ استقلال، لاہور، ۱۲/۱۸ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۱۹)۔ نیز بقول یاسمین خان، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو دہلی سے چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے، اسے قیام پاکستان کی نظریاتی جنگ کے مرکزی حیثیت بھی حاصل تھی۔ (عظیم بنو ارا۔ پاکستان اور ہندوستان کا قیام)

○ بیسویں صدی کے آغاز میں کانفرنس کی اگلی صف میں شریک مسلم زعماء مسلم سیاست میں بھی پیش پیش تھے۔ بقول محترمہ ممتاز معینؒ، یہ کانفرنس مسلم لیگ کے قیام (۱۹۰۶ء) تک ہندوستان میں مسلمانوں کے مفادات کی نگہداشت کرتی رہی۔

الغرض ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام اسی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا توسیعی عمل تھا۔

ظہور الدین خاں امرتسری

.....
۱۔ مسز ممتاز معین ایم اے، سابقہ پرنسپل اسلامیہ کالج، کراچی، مصنفہ دی علی گڑھ مودرنٹ۔

پروفیسر سلیمان اشرف اکابرین ملت کی نظر میں

مولانا سلیمان اشرف صاحب کی تقریر، جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے نشر ہوئی۔ بعد میں 'الخطاب' کے عنوان سے ۱۹۱۵ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

مولانا سید سلیمان اشرف کو اللہ تعالیٰ نے جہاں گونا گوں کمالات اور خوبیوں سے نوازا تھا وہاں ان کو تقریر و خطابت کا بھی بڑا ملکہ عطا کیا تھا، ان کی ہر تقریر کی طرح یہ تقریر بھی نہایت موثر، ولولہ انگیز اور از دل خیزد بردل ریزد کا مصداق تھی۔ دیکھیے مولانا کا یہ خطاب جہاں بہت سی مفید معلومات لیے ہوئے ہے وہیں اسلامی علوم و فنون کی اجمالی تاریخ بھی سامنے آ جاتی ہے۔ نیز ان کی تصانیف آج بھی ایک زندہ رہنما کی طرح ہیں۔

ماننا پڑتا ہے کہ مولانا سلیمان اشرف تقریر و تحریر میں 'علمہ البیان' کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز تھے۔ بقول آل احمد سرور، مولانا کی شخصیت میں علم کی ریسا نہ شان ہے۔ ان کی عظمتوں کے علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد، خواجہ حسن نظامی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور نواب حبیب الرحمن خاں شروانی جیسے اہل علم معترف رہے ہیں۔ ممتاز ادیب اور تذکرہ نگار طالب ہاشمی (۱۹۲۹ء۔ ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء) رقمطراز ہیں۔

”حضرت مولانا سید محمد سلیمان اشرف کا شمار اپنے دور کے سرآمد روزگار علما میں ہوتا تھا۔ وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ اسلامیات کے صدر تھے اور قریب قریب ساری عمر انہوں نے علی گڑھ ہی میں گزار دی۔ ان کا وجود علی گڑھ یونیورسٹی کے

۱۔ ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف کے درس قرآن میں شامل ہو کر ان سے کسب فیض کرتے۔ آپ کی مولانا سے عقیدت و محبت کس درجہ کی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کوٹھی 'ذکا منزل' کا سنگ بنیاد پروفیسر سلیمان اشرف کے ہاتھوں رکھوایا۔ (زبیری، محمد امین۔ 'ضیائے حیات' ص ۲۶۴۔ طبع دین محمدی پریس کراچی۔ سنہ ندارد)

لیے آئیے رحمت کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ علم و فضل کا بحرِ زخار اور ظاہری و باطنی خوبیوں کا پیکرِ جمیل تھے۔ ہزاروں تشنگانِ علم ان کے فیضانِ علمی سے بہرہ یاب ہوئے اور پھر اپنے اپنے دوار میں ان کے نام کو روشن کیا۔“ لے

علامہ شبیر احمد خاں غوری فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا سلیمان اشرف کی ذاتِ گرامی مرتب اکابر و اعیان تھی، ان کی بارگاہ میں نہ صرف یونیورسٹی کے اکابر بل کہ ضلع علی گڑھ کے رؤساء عالی مقام اور شہر کے عمال و اعیان (امراء و وزراء) حاضر ہوتے تھے۔ یہ قول ڈاکٹر طلحہ رضوی ان کا آبائی نسب حضور غوثِ اعظم رضی عنہ اور مادری نسب حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ سے منسلک تھے۔

مولوی عبدالرزاق یلیح آبادی اور مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ مولانا سلیمان اشرف بلاشبہ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے اور رموزِ خطابت سے بھی آشنا..... جبکہ یہ قول رشید احمد صدیقی، سید صاحب کوفین خطابت میں کمال حاصل تھا:-

”آواز میں کڑک اور لچک، دھمک تھی..... خطابت پر آتے تو معلوم ہوتا صفیں الٹ دیں گے۔“

خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۲۳ء کی ’درویش جنتری‘ میں سید صاحب کی قادر الکلامی اور شگفتہ بیانی کا ذکر بڑے ہی دل نشیں اور دل کش انداز سے کیا ہے:-

۱۔ ماہنامہ نیا نئے حرم۔ لاہور، جنوری ۱۹۸۷ء، ص ۸۱

۲۔ ’عام خلقت کو متاثر کرنے کے لیے نصاحت و بلاغت سے زیادہ کارگر حربہ اور کوئی نہیں۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی تحریکیں ہمیشہ عامۃ الناس کے دلوں میں جگہ کر کے ابھرتی رہی ہیں، جب کسی قوم پر تباہی کی گھنائیں منڈلا رہی ہوں تو اس وقت صرف جذبات کی کڑکتی ہوئی بجلی میں ہی یہ طاقت ہوتی ہے کہ ان بادلوں کو چاک کر دے۔ یاد رہے کہ صرف وہی لوگوں دوسروں کو جوش میں لا سکتے ہیں، جن کے اپنے دل سینے میں درد سے تڑپ رہے ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے لیڈروں کے الفاظ میں لوگوں کے دلوں کو موم کی طرح پگھلا کر جس طرف وہ چاہیں ادھر موڑ لینے کی تاثیر ہوتی ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر جذبات کی بھٹی بھڑکا لینے کی استعداد رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے انقلابات صرف قوتِ تقریر سے برپا ہوتے ہیں۔‘ (ہٹلر، ایڈولف۔ ’تربہ ہٹلری‘ (مترجم)؛ چشتی، محمد ابراہیم علی۔ گلشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۸ء۔ ص ۱۶۵)

”تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای-آئی-آر کی ڈاک گاڑی۔ دورانِ تقریر صرف درود پڑھنے کے لیے تھوڑی تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے، ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھارا نکلی ہے، جو ہر دو ارتک کہیں رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں۔ لے گی۔ بیان کی ایسی روانی آج کل ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علمیت کا انداز ہوتا ہے۔“

جناب سید امیر الدین قدوائی مرحوم تحریر کرتے ہیں:

”حضرت مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف صاحب قبلہ بڑے جید عالم اور مرتاض درویش تھے۔ وہ اپنی طرف سے تفسیر کا درس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مسجد میں دیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ اس میں شرکت کرتے تھے صرف اُن ہی کو شاگرد تسلیم کرتے تھے، وہ فیض کا دریا تھے۔ جس نے حسبِ ظرف جو کچھ اُن سے حاصل کر لیا اُس کی برکت اسی نے نہیں بلکہ دُنیا نے بھی دیکھی اور اُس سے نفع پایا۔“

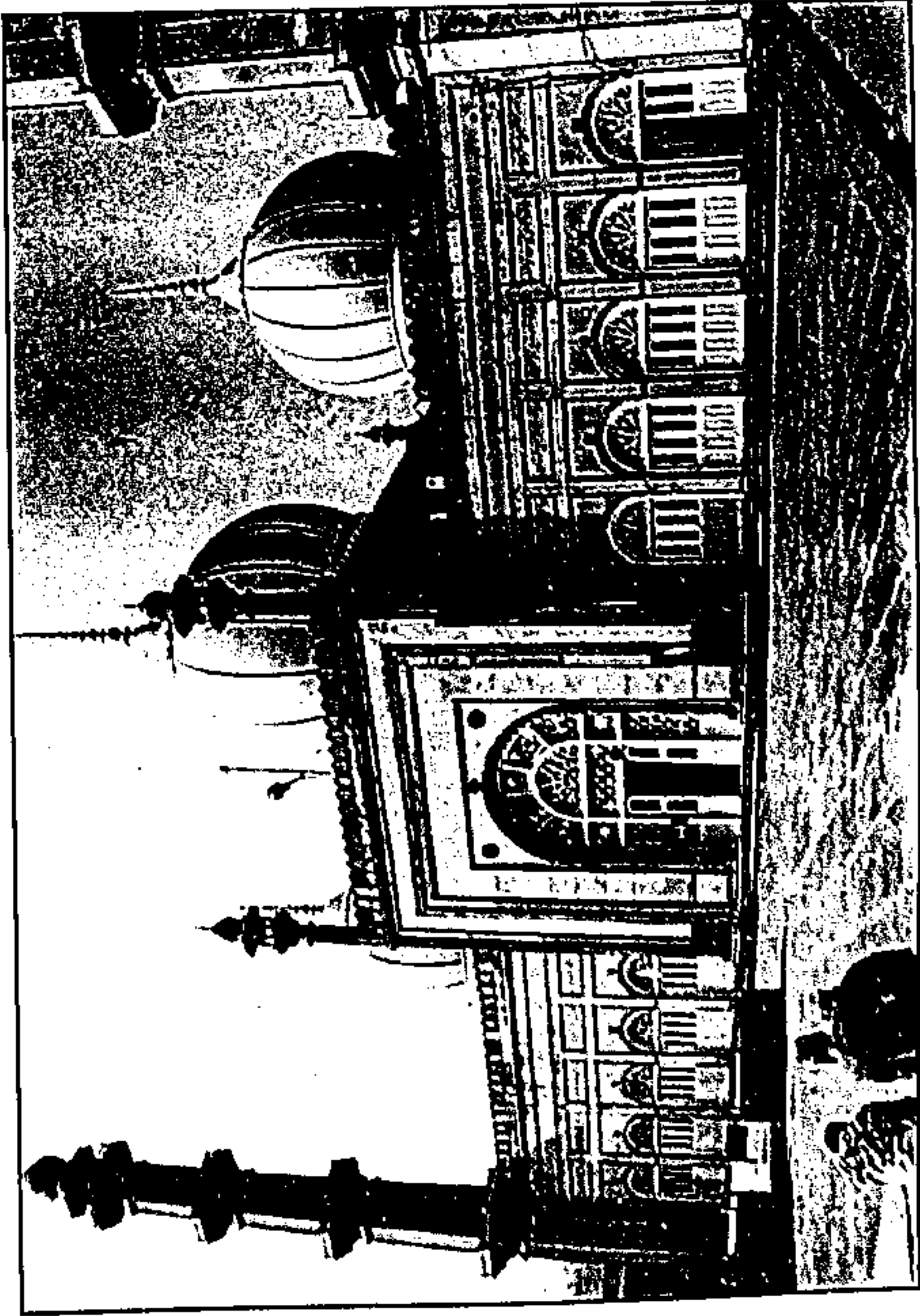
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (۱۹۱۶ء-۱۹۹۵ء) سابق سربراہ شعبہ اُردو، جامعہ کراچی ”رفت

و بود“ کے زیر عنوان رقم طراز ہیں:

”میں نے بہت سی یونیورسٹیاں دیکھی ہیں، بڑے بڑے علما کو دیکھا اور قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، لیکن سلیمان اشرف جیسا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ میں جب اقبال کے مردِ مومن کا تصور کرتا ہوں اور اپنے آس پاس اسے تلاش کرتا ہوں تو مولانا سلیمان اشرف کا پاکیزہ اور روشن چہرہ میرے سامنے آ جاتا ہے۔“

۱۔ ماہنامہ ”تاج“ کراچی، نمبر، جلد ۱۲، شمارہ ۸، ص ۱۱۲

۲۔ روزنامہ جسارت کراچی، ۲۰ جون ۱۹۸۰ء، ص ۶



جامع مسجد یونیورسٹی

مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح

مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح بھی تھے، اس لیے انھوں نے اپنے لیکچرز اور تحریروں کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں در آنے والے بگاڑ اور مختلف خرابیوں کی نشاندہی کر کے اصلاحی احوال کی پوری کوشش کی۔ آئیے ان کی کچھ تصانیف سے ایسی مساعی کی چند مثالیں دیکھتے ہیں۔

غیر محرم مرد کے ہمراہ حج و عمرہ:

”آج کل یہ مسئلہ بنا لیا گیا ہے کہ اگر عورت کسی ایسی عورت کے ساتھ حج کے لیے جائے جس کے ساتھ اُس کا محرم ہو تو سفر جائز ہوگا۔ ہرگز یہ مسئلہ احناف کے نزدیک مقبول نہیں۔ ایسے مفتی جنھیں اپنے مذہب کے لطائف و نفائس کی خبر نہیں، اُن کے فتاویٰ سے احتراز چاہیے۔ عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم قابلِ اطمینان نہ ہو سفر حرام ہے۔ اگر کرے گی حج ہو جائے گا، مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔ محرم وہی ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ ہمارے ائمہ احناف کی یہی تحقیق ہے اور یہی مسئلہ حق ہے۔“

آغاز سفر کے لیے بعض دنوں کا نخس خیال کرنا:

”یہ خیال محض عامیانہ ہے کہ بدھ کا دن منحوس ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت محبوب الہی سیدنا نظام الدین اولیا قدس سرہ کی اس دن کے ساتھ عجیب خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ولادت چہار شنبہ کو ہوئی، آپ کی بیعت کا دن چہار شنبہ ہے، شیخ نے جس روز خرقہ خلافت عطا فرمایا وہ چہار شنبہ کا دن تھا، آپ نے جس روز رحلت فرمائی وہ چہار شنبہ تھا۔“

۱۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا: الحج، طبع مسلم یونیورسٹی پریس۔ علی گڑھ، ۱۹۲۸ء، ص ۳

۲۔ یہ کیسا اتفاق ہے کہ مولانا سلیمان اشرف کی وفات بھی چہار شنبہ کے روز ہوئی۔

۳۔ الحج: ص ۳۲

کم خوابی و کم خوری:

اطبا متفق ہیں کہ کم کھانا اور کم سونا انسانی صحت کے لیے مفید ہے۔ بسیار خوری اور گھنٹوں لمبی تان کر سونا اگر صحت کے لیے مضر ہے تو نام نہاد ڈاکٹنگ سے جسم کو اتنا کمزور کر لینا کہ بیماری کو دعوت دینے کا باعث بنے دونوں انتہا پسندی کا مظہر ہیں۔ اسلام اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”شریعتِ محمدی نے مسلمانوں کو کم کھانے اور کم سونے کی طرف بہت ہی رغبت دلائی ہے تاکہ قوائے حیوانیہ کا ایسا غلبہ نہ ہونے پائے جو قوائے ایمانیہ کو مغلوب کر لیں۔“

شرعی لباس کیا ہے؟:

یہ ایک بے نتیجہ اور خواہ مخواہ کی بحث ہے۔ لباس ستر کے لیے ہے اس کا صاف ستھرا اور پاکیزہ ہونا شرط اول ہے۔ مولانا اسلام کی مرضی و منشا بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”اسلام نے لباس کے باب میں اس قدر ضرور اصلاح کی ہے کہ متکبرانہ و بے ستر و بے حیائی کا جامہ نہ ہو۔ اور یہ ایک کامل مذہب کا فرض تھا۔ باقی کسی خاص شخص کو لباس میں کچھ بھی دخل نہیں دیا۔ ہاں شارع علیہ السلام کا لباس بے شک مسنون و موجب اجر۔ عبا، جبہ، تہم و قمیص عربی مسنون و محبوب مگر فرض و واجب نہیں۔“

مولانا مرحوم کو کیا خبر تھی کہ دین کے علمبردار حضرات مخصوص ٹوپوں اور عماموں کے ساتھ اپنے گروہ کو دوسروں سے الگ اور نمایاں کرنے کا عجیب و غریب و طیرہ اختیار کریں گے اور رنگ برنگے پہناوے کی بدولت بلت کو ٹکڑیوں میں بانٹنے کا (غیر ارادی طور پر ہی سہی) ناپسندیدہ کارنامہ انجام دیں گے۔

محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا: الحج، طبع مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۲۸ء، ص ۲۳

سید سلیمان اشرف بہاری، پروفیسر مولانا: البلاغ، طبع مطبع احمدی، علی گڑھ، ۱۹۱۴ء، ص ۱۵

مسلمانوں کی سیاست دین سے جدا نہیں:

کم فہمی اور لاعلمی کی بنا پر بعض حضرات اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط کرنے سے گریزاں ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ اسلام کو صرف عبادت تک ہی محدود رکھا جائے، یہ طرز عمل نہایت ہی خطرناک ہے کہ سیاسی اور معاشرتی معاملات میں لوگوں کی راہ نمائی کرنے کے بجائے انہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اگرچہ ”دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دین و دنیا کا ہر پہلو انسانی حیات اور ضروریات کے لیے ایک مکمل ضابطہ پیش کیا، کوئی ایک بھی گوشہ حیات ایسا نہیں جسے اسلام واضح سے واضح شکل میں پیش نہ کرتا ہو، جہاں وہ روحانی اخلاقی تعلیم دیتا ہے وہیں تمدنی، معاشرتی، تعلیمی، صنعتی، اقتصادی، تجارتی، سیاسی مسائل پر مکمل اصول پیش کرتا ہے، دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلتا ہے، وہ دوسرے مذاہب کی طرح رہبانیت نہیں سکھاتا۔“ مولانا سلیمان اشرف نے اپنے رسالہ البلاغ کے حصہ اسلام و خلافت میں اسلام..... اصول تمدن اور اسلام..... اسلام اور سیاست..... اسلام اور حرب..... خلافت..... جیسے عنوان قائم کر کے انسانی ضابطہ حیات کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلام نے ایسی ضروریات زندگی جو انسانی حیات کے لیے جزو لاینفک ہیں مثلاً تمدن، سیاست، حرب۔ اس کو خوب حل فرما دیا۔ اور یہ ایک کامل و صادق مذہب کا فرض تھا۔

مولانا ان عناصر سے بھی مخاطب ہوتے ہیں جو اپنی دعوت و تبلیغ میں اسلام کے قانون، اس کے اجتماعی عدل، معاشی مساوات، معاشرتی اور سیاسی نظام کی بات نہیں کرتے، انہوں نے اپنے اجتماعات اور پروگراموں کو محض چند مذہبی مسائل اور وعظ و نصیحت تک محدود کیا ہوا ہے جبکہ قرآن اور کتب حدیث اور فقہ کی کتابوں میں زندگی کے جملہ پہلوؤں پر جامع ہدایات ملتی ہیں، مگر عبادات اور انسان کے تعلق باللہ کی نسبت مجموعہ ہائے حدیث کا بہت بڑا حصہ اجتماعی اور معاشی مسائل، حقوق انسانی، مملکت کے انتظامی امور اور قیام امن و انصاف کے لیے دیوانی اور فوجداری قوانین

۱۔ فلسفہ عبادت اسلامی از مولانا محمد عبدالحمید قادری بدایونی، ادارہ پاکستان شناسی۔ لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۲

پر مشتمل ہے۔ مذکورہ رسالہ میں مولانا سلیمان اشرف فرماتے ہیں:

”احکام شرعیہ سے جو حضرات کہ ناواقف ہیں۔ اور انھیں توفیق اس سے آگاہی کی بھی نہیں ہوتی۔ وہ برہنائے جہل مرکب^۱ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام صرف تزکیہ نفس سکھلاتا ہے باقی اُسے دُنیاوی اُمور میں کوئی دخل نہیں۔ اس تیرہ صدی میں جبکہ الحاد و جہل کی گھٹا مسلمانوں پر اُن کی بد نصیبی کی طرح چھائی ہوئی ہو اس طرح کی آوازیں اور بھی اسلام سے بے پروا کرنے والی ہیں۔ لہذا یہ بتلا دینا کہ اسلام ہی ہے جس نے تمدن و سیاست و حرب تمام دنیا کو سکھلایا۔ ایک نہایت ضروری بات ہے۔“

چنانچہ خالق کے عطا کردہ کامل نظام..... دین حنیف کو من چاہے خانوں میں بانٹنے کی جاری عمومی روش کو ڈاکٹر محمد ارشد (جامعہ پنجاب) نے اپنے مقالے ’اسلامی ریاست کی تشکیل جدید میں بے بصیرتی، کوتاہ اندیشی اور خود غرضی سے تعبیر کیا ہے کہ کسی قوم کے اجزائے ترکیبی میں جہاں تہذیبی، ثقافتی، سماجی، مذہبی اور روحانی عوامل بے حد اہمیت کے حامل ہیں، لیکن سیاسی شعور سے عاری انسانوں کا کوئی گروہ دیگر تمام تر خصوصیات کے باوصف ایک قوم کہلانے کا مستحق ہرگز نہیں ہے۔ بقول غلام غوث صدیقی علیگ:

خواہی از سیاست دین جدا
ای ز دین بیگانہ و حق ناشناس

دای بر تدبیر طبع نارسا
دینت الحاد و سیاست بے اساس

۱۔ جہل مرکب (ع) مذکورہ نمونہ۔ ڈہری نادانی، نادان ہونے پر اپنے آپ کو دانا جاننا، کسی چیز پر خلاف واقع اعتقاد کرنا۔ مثلاً سونے کو چاندی اور چاندی کو سونا جاننا۔ دو جہلوں میں گرفتار ہونا، یعنی عدم علم اور ناواقفیت عدم علم، غلط واقفیت (۲) جو علم نہ ہونے کے باوجود خود کو عالم سمجھے۔

آئینس کہ نداند و بدانند کہ داند
در جہل مرکب ابدال دہر بماند

حیاتِ مولانا سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں **

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بلاشکِ حقیقی و قیوم کے خاص بندے، موت کو اگلے مراتب کے لیے زینہ اور فتح باب بناتے ہیں، بوسیدگی، شکستگی اور بربادی ان کی موت کا دوسرا نام ہے جو چھٹی و ممیت سے کٹ گئے اور فنا کے گھاٹ اتر گئے۔

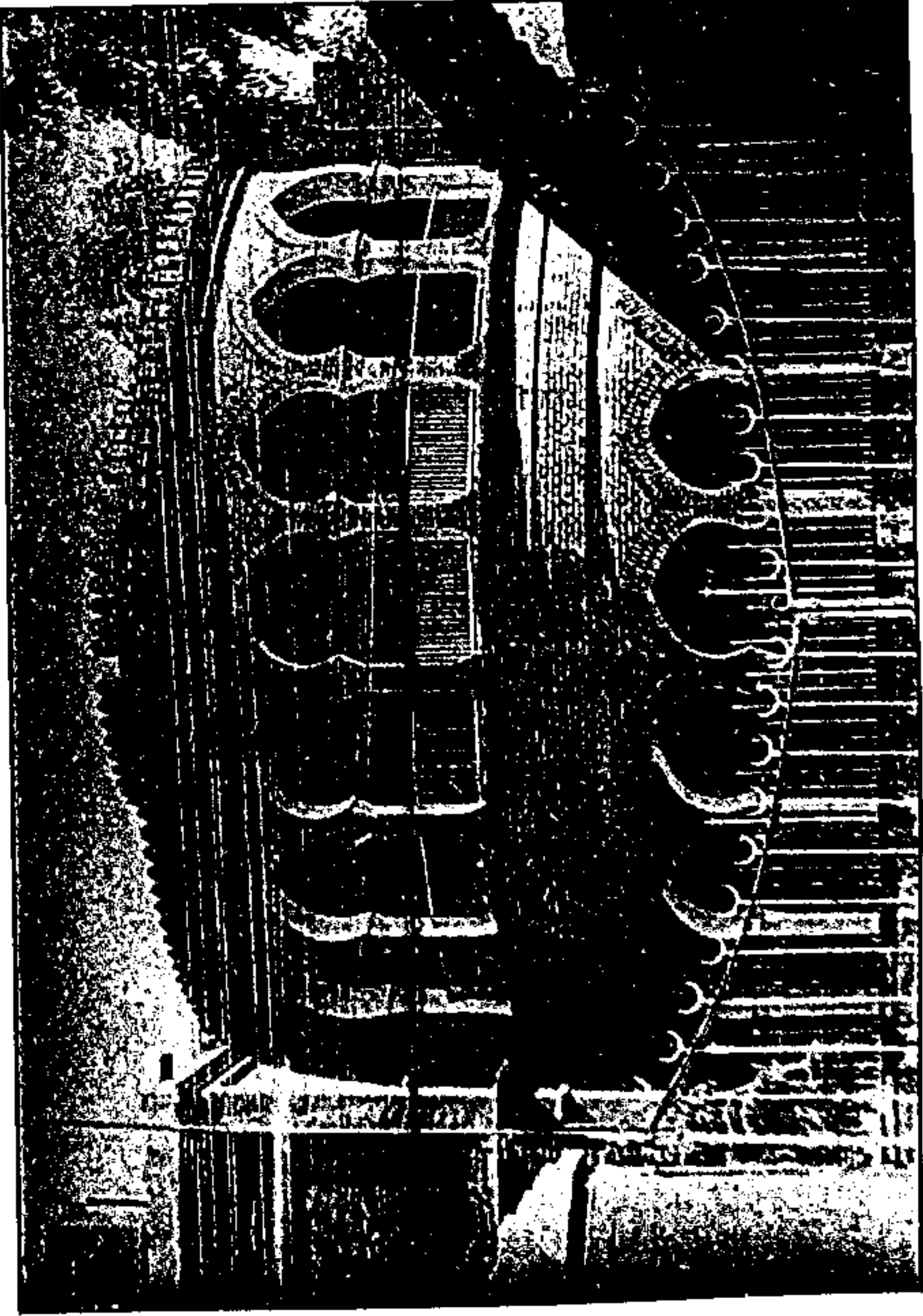
بقول ڈاکٹر طلحہ رضوی، آپ کا آبائی نسب حضور غوث اعظم رضی عنہ تک اور مادری نسب حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رحمہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ سے منسلک تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کانپور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا احمد حسن رحمہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچ کر کسب علوم دین کی خواہش ظاہر فرمائی۔ استاذ وقت پہلے حدیث اور پھر منطق کی تعلیم دینا چاہتے تھے، لیکن سید صاحب پہلے منطق اور بعد میں حدیث کی تحصیل پر مُصر تھے۔ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے جون پور حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رحمہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا رحمہ تعالیٰ نے سید زادہ کی ہر خواہش پر سر تسلیم خم کرنے کو خوش نصیبی سمجھتے ہوئے ہر بات بہ طیب خاطر قبول فرمائی اور اس طرح ایک جوہر شناس ماہر کو ایک گوہر بے بہا مل

* سابق ریڈر طبیہ کالج۔ علی گڑھ

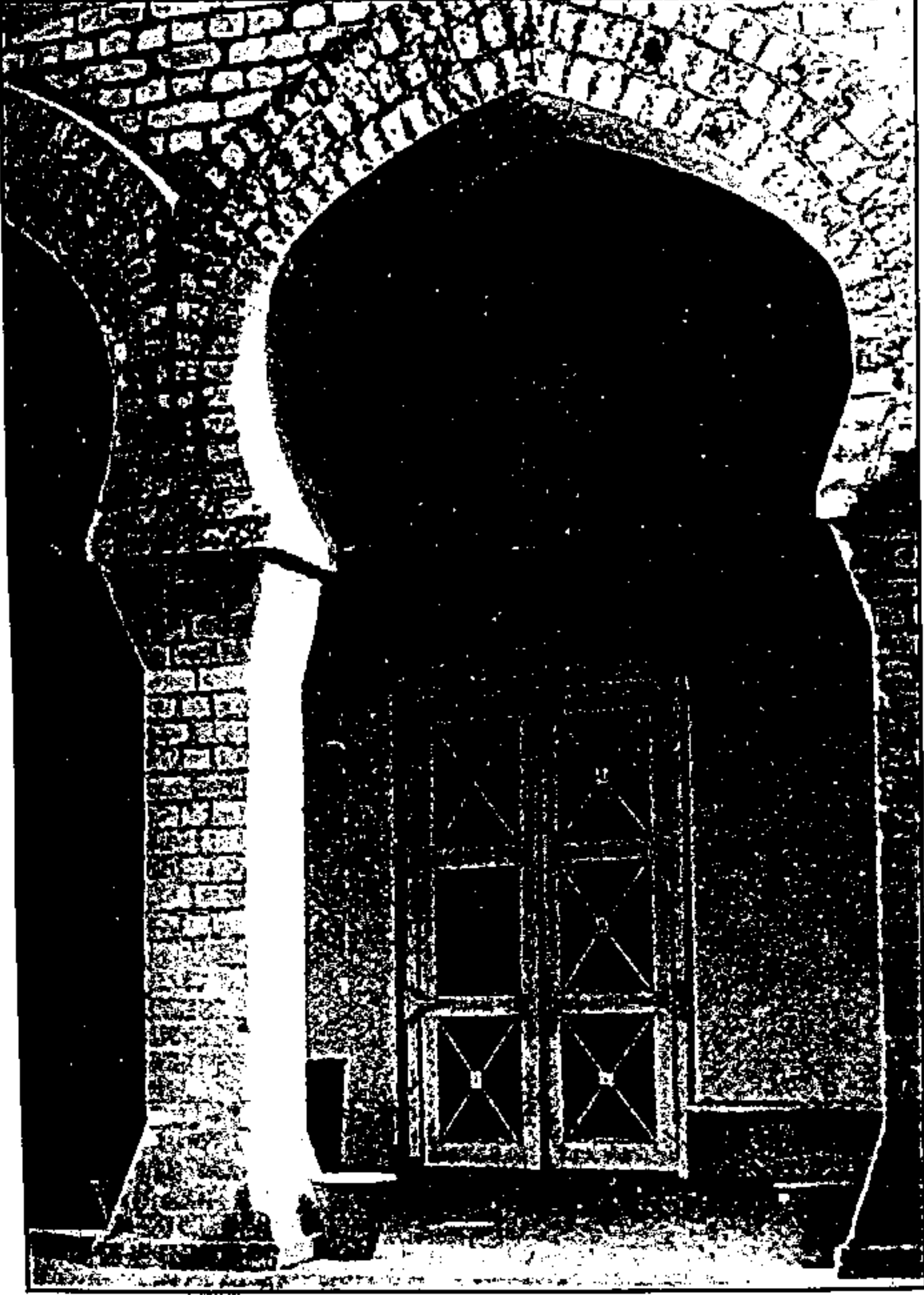
** مضمون موصولہ ہمراہ گرامی نامہ ہنام ظہور الدین خاں از بیت النور، سرسید نگر۔ علی گڑھ مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۸۶ء

گیا۔ آپ نے لمحہ بہ لمحہ اپنی ذہانت و صلاحیت کے خیرہ کن جواہر ریزے بکھیرنا شروع کر دیے، اور آخر کار آپ کی جلالت، علم و فضل اور عشقِ رسول نے آپ کی شخصیت کو ایسا تراشا کہ خود جوہری اپنے گوہر کی آب و تاب سے خیرہ ہو کر اس کا عاشق ہو گیا۔ چنانچہ ایک بار جون پور میں ایک محفل میلاد مقدس میں سید صاحب علم و حکمت اور عشقِ رسول کی فضا کو معنبر و معطر فرمانے میں مجھو تھے کہ ایک مرقعِ علم و حکمت نے منبر پر پہنچ کر وفورِ محبت سے سرشار اور وارفتہ سید صاحب کو سینہ سے چمٹا لیا اور پیشانی کو بوسہ دینے لگے۔ یہ تھے آپ کے استاذ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رضی عنہما۔ سید صاحب بھی اپنے استاد کے پروانہ تھے۔ آخری سانس تک استاد پر جان نچھاور کرتے رہے اور جب استاذ نے اپنے خالق کے حکم کو لبیک کہا، تو آپ نے ہوش و حواس کھو دیا۔ عرصہ تک کھوئے کھوئے سے رہے۔ آخر کار اسی مدرسہ میں تدریس اور استاد مرحوم کی نیابت کے فرائض کو قبول فرما لیا۔ ایک مناسب موقع پر سید صاحب کے عقیدت مند مولوی جواد علی صاحب نے آپ کے علم میں لائے بغیر علی گڑھ کالج کے شعبہ دینیات کے استاذ کی ایک جگہ کے لیے درخواست دے دی۔ پھر انھی کے اصرار پر ۱۹۰۸ء میں آپ بحیثیت استاذ شعبہ دینیات علی گڑھ تشریف لائے۔

آپ کے حاسدین و مفترین نے آپ کے قیام علی گڑھ کے دوران جو جو گل کھلائے اس کا تذکرہ کئی مستند مضامین میں آچکا ہے۔ یہاں بسلسلہ تقرر ایک واقعہ پیش کر رہا ہوں، جو بورڈ اس جگہ کے استاذ کے انتخاب کے لیے مقرر کیا گیا تھا اس میں ایک اہم رکن نواب منزل اللہ خان صاحب رئیس بھیکم پور بھی تھے۔ تقرر کے لیے غور و خوض اور فیصلہ کے وقت نواب صاحب موجود نہ تھے اور ان کی شخصیت کے پیش نظر ان کی رائے بہر حال قابلِ اعتنا اور ناگزیر تھی۔ نواب صاحب نے حضرت کے تقرر کے لیے یہ شرط پیش کی کہ مولوی حسین احمد صاحب مدنی ان کی قابلیت کی تصدیق کر دیں، جو اتفاقاً علی گڑھ ہی میں موجود تھے۔ نواب صاحب نے شب میں دعوت اور دوسرے دن جلسہ سیرت پاک کا پروگرام مرتب کیا۔ اب حضرت کی جلالتِ شان، صلابتِ ایمان، کمالِ جرأت و استغنا کی ایک جھلک قارئین ملاحظہ فرمائیں۔ شب کی دعوت میں حضرت مدعو تھے، وہاں پہنچ کر کھانے سے لے کر نشست و برخاست تک فریقِ مراتب دیکھ کر آپ کی رگ



آدم جی پیر بھائی منزل کا سامنے کا منظر



آدم جی پیر بھائی منزل کے اندر یادگار پتھر

ہاشمی پھڑکی اور سخت ناراضگی و ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کھانے میں شرکت کیے بغیر اپنے دوست نواب صدر یار جنگ کے یہاں واپس آ گئے۔ واقعہ سن کر صدر یار جنگ آپ کے تقرر کے سلسلہ میں بے حد متفکر ہوئے، لیکن آپ سر اپنے استغنا اپنے معمولات میں مصروف رہے۔ صبح حسب پروگرام نواب صاحب کی کوٹھی پر جلسہ سیرت پاک میں آپ کی تقریر ہوئی۔ آپ کے بحر، جوش بیان اور قوت استدلال نے عوام تو عوام خواص کو بھی متحیر کر دیا حتیٰ کہ مولوی حسین احمد صاحب مدنی حضرت کی مدلل تقریر سے مبہوت ہو گئے۔ سید صاحب سے عرض کر دیا گیا تھا کہ مدنی صاحب سلام و قیام کے قائل نہیں ہیں، آپ نے اسی کو اپنا موضوع تقریر بنایا اور آیات و احادیث کی ایسی بوچھار کی کہ خود مولانا نا دوران تقریر تصویر حیرت و حیران بنے رہے، اور جب سید صاحب صلوٰۃ و سلام کے لیے کھڑے ہوئے، تو مولانا مدنی بھی بے ساختہ اور موڈ بانہ کھڑے ہو گئے۔ پھر جب سید منبر سے اترے تو مولانا مدنی نے والہانہ انداز میں اٹھ کر انھیں سینہ سے لگایا اور کہا کہ میرا تو خیال تھا کہ مولانا ہدایت اللہ خاں کے یہاں منطق و فلسفہ ہی کا شور و شورہ ہے، آج معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے بحرِ خار کی شنواری میں ان کے شاگرد تک (نہایت) مہارت رکھتے ہیں۔ مولانا مدنی نے یہ تک کہہ دیا کہ اب میں قیام کا قائل ہو گیا۔ نواب صاحب نے اشارہ کیا کہ سید صاحب اس داد پر مولانا کا شکریہ ادا کریں۔ آپ نے برجستہ فرمایا۔ ان دادوں کی کیا حیثیت ہے؟ مجھے داد اس بارگاہ سے ملتی ہے جو اپنے محبت و مولیٰ کی عنایت سے قاسم بھی ہے مختار بھی۔

آپ کی شخصیت عزت نفس، غیرت علم، قلندریت اور دانش وری کا مرقع تھی۔ ”آدم جی پیر بھائی منزل“ کے ایک حصہ کو اپنا بسیرا بنا لینے والے اس مرد مومن اور صوفی باصفانے زندگی کی وہ طرح ڈالی جس سے ہزاروں زندگیوں نے روشنی لی اور خود بھی منارہ علم و عمل بنے۔ وائس چانسلر سر ضیاء الدین آپ کے حضور میں حاضری کو باعثِ فخر سمجھتے تھے اور اہم مسائل میں آپ کی اصابت رائے سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہتے تھے۔ ریاضی کی چند گتھیوں کو سلجھانے کے لیے حضرت ہی کے مشورہ پر انھی کی معیت میں سفرِ جرمنی کو بریلی کی طرف موڑ دیا اور چٹکیوں میں حل ہونے والی گتھیوں کے واقعہ پر پر عظیم کے عظیم ماہر ریاضیات ہمیشہ کے لیے نہ صرف حضرت بلکہ امام اہلسنت

کی غلامی کا دم بھرنے لگے۔ پروفیسر ظفر الحسن کے تحقیقی مقالہ کے اصل روح رواں سید صاحب ہی تھے۔ علم دین کی حرمت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کانووکیشن میں شریک نہیں ہوئے۔

عربی، فارسی اور منطق و فلسفہ کے پروفیسران اپنی گتھیوں کو لے کر طالب علمانہ آتے اور نئی روشنی و نئے عزم کے ساتھ کلاس جاتے۔ گفتگو میں علم و فضل کی جلالت و متانت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی اور مزاح لطیف کی کلیاں بھی کھلتی رہتیں۔ خود فراموشی اور قلندریت نے اگر ایک جانب سادگی اور سادہ مزاجی کا سبق آموز نقشہ پیش کیا، تو دوسری طرف نزاکتِ طبع نے رؤساءِ وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔ گرمی کی آگ، سردی کی برفانیت، برسات کا طوفانِ باد و باراں، ہمیشہ ایک ہی جگہ پر آپ کے قیام گاہ کی استقامت کو چومتی اور آگے بڑھی ہیں۔ صدر یار جنگ جو خود بھی تبحر عالم اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے لوگوں سے مراسلانہ ربط رکھتے، ہمیشہ عصر و مغرب کی نماز آپ کے فقیر کدہ پر آپ کی امامت میں پڑھتے۔ اور گھنٹوں علمی پیاس بجھاتے رہتے۔ سید صاحب کی مرقدِ انور اور قیام گاہ کے سنگِ مرمر پر کندہ کتبے سید صاحب کے حضور آپ کی عقیدت بلکہ والہانہ عشق اور کمالِ علم و فضل کے آئینہ دار ہیں۔ سید صاحب کی تنہا ”المبین“ ایک دائرۃ المعارف یا انسائیکلو پیڈیا ہے جو ایک نئے فن کی ایجاد کا سرچشمہ اور حضرت کے لسانی اور ادبی نابغیت کی زندہ تصویر ہے۔ اگر آپ اسی پر بس کرتے تو اس سے ہزاروں کتابیں وجود میں آسکتی اور جنم لے سکتی تھیں۔

آپ نے تصنیفی زندگی میں مقدار، حجم اور تعداد کو نہیں بلکہ ضرورتِ وقت، مسائل کی اہمیت کو فوقیت دی۔ دینی علمی، سیاسی سماجی وغیرہ موضوعات میں جب بے راہ روی، گم رہی اور اسلام و جمہور کو نشانہ بنتے دیکھا فوراً آپ کے قلم نے پتھر کی لکیر کھینچ دی اور زبان و بیان، سلاست و فصاحت کے ساتھ دلائل و براہین کے وہ انبار لگا دیے کہ مخالف بھی سوچنے اور ماننے پر مجبور ہوا۔ المبین، الثور، البلاغ، الانہار، السبیل، الخطاب، الحج وغیرہ آپ کے اس نظریہ تصنیف کے ترجمان ہیں۔

آپ کے مزار مبارک پر یہ زندہ کرامت دیکھنے میں آئی کہ کھجور کا جو درخت مزار انور پر سایہ فلگن ہے اس کی تمام شاخیں مردہ اور خشک ہو چکی ہیں، لیکن وہ شاخیں تروتازہ اور شاداب ہیں،



مزار مبارک کے مقابل لوح پر منظوم تاریخ وصال



مرقد مبارک کا کتبہ

جنہیں خاص مزار انور (یعنی لوح مزار یا تعویذ قبر) پہ سایہ فگنی کا شرف حاصل ہے۔
ذیل میں لوح مزار کی منظوم تاریخ وصال اور قیام گاہ کی تحریر کی نقل درج کی جا رہی ہے۔

مرقد

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نظامی فخری میر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی

تاریخ رحلت ۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ روز چہار شنبہ

سلیمان اشرف بر اہل تقوے

بہ علم و عمل والیہ دین اشرف

چو نفس شنید ایہ ارجعی را

بہ جنت شد از قربت حق مشرف

سنش از دل پاک حسرت نوشتہ

بہ جنات عدن سلیمان اشرف

۱۳۵۷

۱
۱۳۵۸ھ

از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

المخلص بہ حسرت

سید صاحب کا مزار مبارک قبرستان مسلم یونیورسٹی کے شرقی غربی گوشہ میں قبرستان (جس کو منشور کل بھی کہتے ہیں) کی چہار دیواری کے اندر ایک چھوٹی چہار دیواری میں واقع ہے، جو

۱۔ ”قبرستان کے شمالی حصے میں ایک چار دیواری کے اندر چند قبریں نظر آتی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں قبر مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم کی ہے۔ مولانا شعبہ دینیات کے سربراہ تھے اور میلاد خوانی کی محفلوں میں خاص طور پر مدعو کیے جاتے تھے۔ ان کا سال وفات ۱۳۵۸ھ ہے۔ ”بہ جنات عدن سلیمان اشرف“ سے ۱۳۵۷ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ماہرین فن تاریخ نے ایک عدد کی رعایت دی ہے۔“ (محمد اسلم، پروفیسر۔ ”سفرنامہ ہند“، ریاض برادرز۔ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۷) ناشر

نواب صدر یار جنگ کی خصوصی عقیدت کی نشانی ہے۔ اس چہار دیواری میں نواب فیملی کے علاوہ اور بھی قبریں ہیں جن کی کثرت اگر ایک طرف و فور عقیدت و حصول فیوض و برکات کی مظہر ہے تو دوسری طرف زائرین کی حاضری میں سدراہ بن گئی ہے۔ نیز قبرستان ایک دوسرے عقیدہ کے فرد کے انتظام میں ہے اس لیے مناسب دیکھ بھال اور حفاظت (یعنی Maintenance) کے نہ ہونے سے مستقبل میں بوسیدگی بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔

حضرت قدس سرہ کی قیام گاہ پر سنگ مرمر پر کندہ حسب ذیل تحریر ہے:

۷۸۶

بیادگار

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم و مغفور

صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ متوطن بہار شریف (بہار)

جنھوں نے

تیس (۳۰) سال مسلسل ”آدم جی پیر بھائی منزل“ کے اس حصے میں

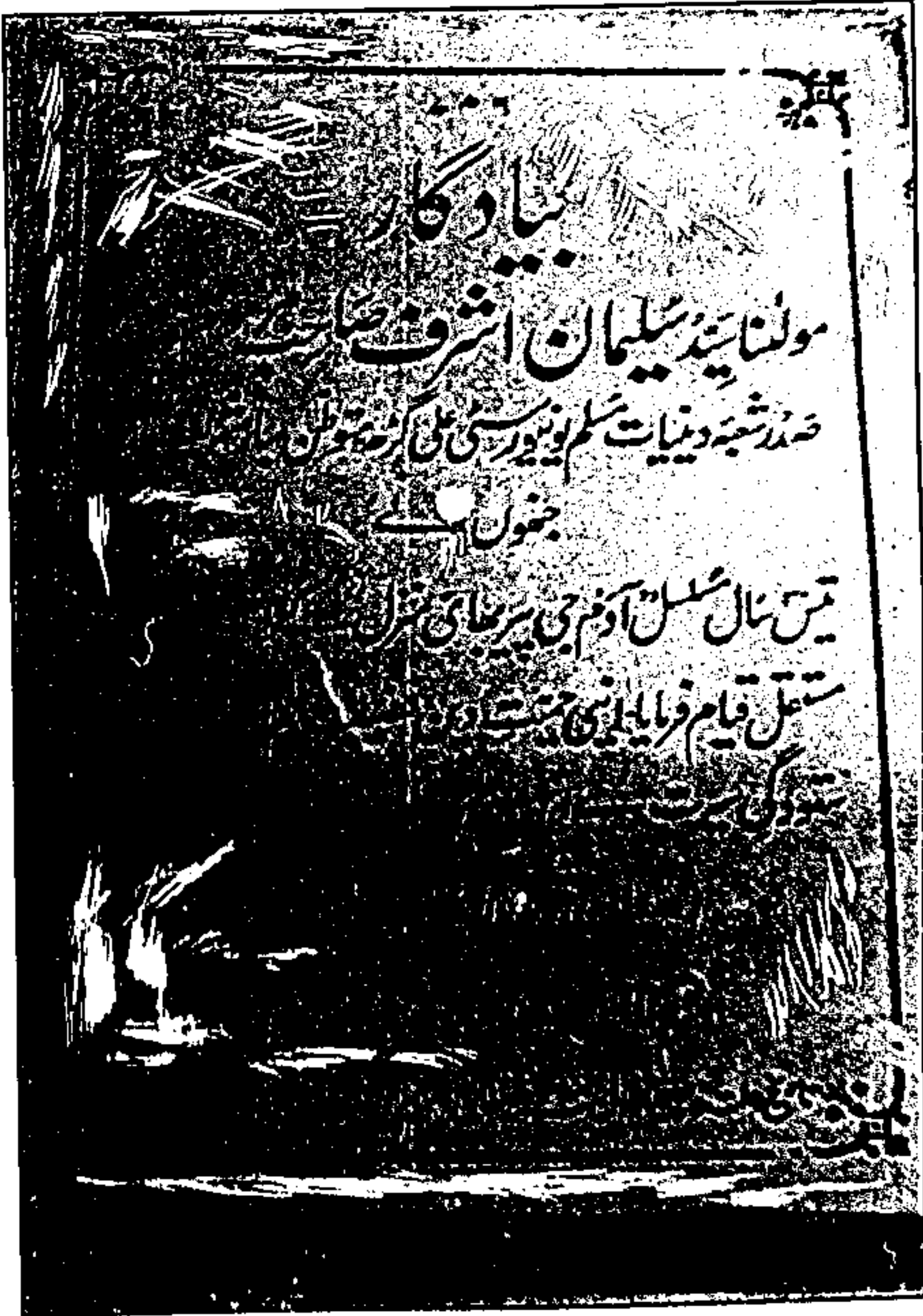
مستقل قیام فرمایا۔ اپنی حمیت دین، فضیلت علم، اصابت فکر اور

ستودگی سیرت سے اس درس گاہ کو سر بلند رکھا اور سر بلند تر ہے

راہ روان شوق ازما سألها آرنند یاد

نقشہا انگنخت در راہ محبت گام ما

تاریخ رحلت ۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۳۹ء (حسرت شروانی)



یادگار پتھر کا واضح منظر

سخن ہائے گفتنی

مولانا سید سلیمان اشرف گزشتہ صدی کے ان علمائے ذی اکرام میں سے ہیں جن کی ذات علم و عمل کی جامع تھی۔ انھیں علوم شرعی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے بھی طبعی مناسبت تھی۔ فلسفہ و معقولات کے ماہر تھے تو لسانیات پر بھی عبور تھا۔ مولانا سلیمان اشرف تقریباً ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں محلہ میرداد (پٹنہ، بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبداللہ اپنے عہد کے فاضل طبیب و عالم تھے۔ ان کا سلسلہ نسب مخدوم سید اشرف سمنانی کچھوچھوی کے بھانجے سید عبدالرزاق جیلانی سے جا ملتا ہے، تاہم اس خانوادے کے اراکین مخدوم سمنانی کی طرف منسوب ہو کر اشرفی کہلاتے ہیں، خود مولانا کے نام کے ساتھ اشرف کا لاحقہ اسی نسبت سے ہے۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے اعمام محترم سے حاصل کی۔ مولانا کے چار چچا تھے۔ مولانا عبدالقادر، مولانا عبدالرزاق، مولانا عبدالغنی اور مولانا عبید اللہ۔ چاروں ہی سے مختلف اوقات میں مختلف کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران مولوی رمضان علی سے بھی کسب علم کرتے رہے۔ اس کے بعد بہار اسکول میں داخلہ لیا۔ دسویں کلاس تک پہنچے تھے کہ طبیعت دینی تعلیم کی طرف شدت سے مائل ہوئی۔ اسکول کو خیر باد کہا اور مولانا نور محمد اصدقی (خلیفہ اعظم شاہ قیام اصدق، پیر بگہہ جموانواں) سے عربی و فارسی کی تعلیم لی۔ اسی دوران ان کے دامن عقیدت سے وابستہ ہوئے اور اخذ طریقت کیا۔ اس کے بعد مولانا مولانا حکیم سید وحید الحق استھانوی (م: ۱۳۱۵ھ) کے قائم کردہ ”مدرسہ اسلامیہ“ استھانواں (قیام ۱۳۰۱ھ) میں مولانا سید محمد احسن استھانوی بہاری سے اخذ علم کیا۔ یہ مدرسہ بہار میں دیوبندی احناف کا پہلا نمائندہ مدرسہ تھا۔ یہاں یہ دلچسپ امر بھی لائق ذکر ہے کہ

اس مدرسے کے بانی مولانا سید وحید الحق اور اس کے اولین مدرس مولانا سید محمد احسن مشہور اہل حدیث عالم سید نذیر حسین محدث دہلوی (م: ۱۳۲۰ھ) کے تلمیذ رشید تھے۔

مدرسہ اسلامیہ کے بعد مولانا نے اپنی تعلیمی زندگی کا کچھ عرصہ مولانا احمد حسن کان پوری کی درسگاہ اور ”دارالعلوم ندوہ“ میں بھی بسر کیا۔ اس کے بعد ”مدرسہ حنفیہ“ جون پور میں مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری سے اخذ علم کیا۔ مولانا ہدایت اللہ منطق و معقولات میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا نے منطق و معقولات میں اسی خیر آبادی سرچشمہ علم سے فیض اٹھایا۔ ان کے اساتذہ عالی مرتبت کے علاوہ مولانا کے اساتذہ میں ایک قابل ذکر نام مولانا یار محمد بندیا لوی (م: ۶ دسمبر ۱۹۳۷ء) کا بھی ہے۔

مولانا سلیمان معقولات کے عالم، لسانیات کے ماہر، فقیہ و مدرس اور ادیب تھے، لیکن طبعاً وہ اول تا آخر ایک صوفی تھے۔ ان کے تصوف کی سب سے بڑی خوبی ان کی سلامت روی اور وسیع الشربتی تھی۔ یہاں اس غلط العام خیال کی تردید ضروری ہے کہ مولانا سلیمان اشرف، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ تھے۔ بعض اہل علم نے بر بنائے عقیدت مولانا سلیمان اشرف کو فاضل بریلوی کے اجلہ خلفا میں محسوب کیا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مولانا سلیمان کو فاضل بریلوی سے شدید عقیدت تھی مگر یہ تعلق عقیدت و ارادت تلمذ و خلافت کی نسبت کے بغیر تھا۔ خود مولانا بریلوی نے ”ذکر احباب و دعاء احباب“ کے عنوان سے اپنے خلفا کے ناموں کو منظوم کیا ہے جس میں اپنے چودہ (۱۴) اکابر خلفا کے نام درج کیے ہیں ان میں مولانا سلیمان کا نام شامل نہیں۔ اسی طرح جب مختلف حضرات نے خود کو مولانا بریلوی کا تلمیذ رشید و خلیفہ ارشد باور کرانا شروع کیا، تو مولانا بریلوی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان جعلی خلفاؤں سے اظہار برأت کی جائے لہذا انہوں نے ضروری اعلان کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے پچاس (۵۰) خلفا کے نام درج کیے ان میں بھی مولانا سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں۔ اگر مولانا سلیمان، فاضل بریلوی کے خلیفہ ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ انہیں نظر انداز کر دیا جاتا؟ مولانا نے مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ جیسی مرکزی درسگاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس و تدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر ان کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے انہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا حتیٰ کہ مولانا سلیمان کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب ”حیات و کارنامے۔ سید سلیمان اشرف بہاری“ میں مولانا بریلوی سے ان کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر ان سے نسبت تلمذ و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

مولانا سلیمان کی وسیع المشربی نے انہیں ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ ان کے مراسم اپنے نقطہ نظر کے مخالف علما و اہل علم کے ساتھ بھی بڑے خوشگوار تھے۔ مولانا کا دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے باوجود انہوں نے دوسرے مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ احترام کا رشتہ کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ان کی تحریر و تقریر میں کبھی سوویت طاری نہیں ہوئی۔ اسی طرح اپنے نقطہ نظر کے مخالف علماء، اشخاص و اداروں کے محاسن کا ذکر کرنے سے مولانا کے قلم نے بخل سے کام نہیں لیا۔ عربی مدارس میں اصلاح اور انگریزی کی شمولیت کا خیال سب سے پہلے مولانا ابو محمد ابراہیم آروی (م: ۱۳۱۹ھ) کے دل میں آیا تھا جسے انہوں نے عملی شکل (مدرسہ احمدیہ آرہ) میں مرتسم کیا۔ عام طور پر موزن خین اس کا ذکر نہیں کرتے۔ مگر مولانا سلیمان اشرف نے باوجود اختلاف مسلک و مشرب تسلیم کیا کہ:

”اگر خصوصیت ملی اور امتیاز قومی کی حیات تشنہ آب علوم اسلامیہ تھی تو قوام جسم کا نظام اپنے بقا اور نمو کے لیے انگلش زبان کا بھوکا تھا حکماء امت کی دور بین نگاہوں نے اسے دیکھا اور عربی مدارس کے اصول تعلیم میں تغیر و تبدل کے لیے آمادہ ہو گئے خالص مدارس عربیہ میں کچھ انگریزی کی تعلیم داخل کی گئی نیز طریقہ تعلیم میں بھی سہولت کی راہ پیدا کی گئی۔ فقیر کے علم میں سب سے پہلے مدرسہ احمدیہ آرہ نے اس کی بنیاد رکھی۔ صرف دعو کی بعض کتابیں سہل اصول پر تصنیف ہو کر وہاں سے شائع ہوئیں اور کچھ انگریزی کا سیکھنا لازم قرار دیا گیا۔“ (السبیل: ۲۰)

اسی طرح جب ایک ملحد کی تردید مسئلہ ڈاڑھی پر ”نزہۃ المقال فی لمحیۃ الرجال“ لکھی تو اس میں مولانا ابو محمد ابراہیم آروی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا ابو عبدالرحمن عبداللہ ہزاروی ثم گیلانی وغیرہم کے فتوے بھی درج کیے۔ یہ مولانا سلیمان کی وسعت قلبی کی واضح دلیل ہے۔

مولانا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لائق تکریم استاد تھے جہاں مختلف الخیال علما و اہل علم موجود رہتے تھے۔ مولانا بھی اس بزم کے ایک رکن تھے۔ مولانا کو ارباب دولت سے کبھی سروکار نہیں رہا۔ اللہ نے انھیں غنائے قلب کی دولت سے نوازا تھا۔ انھوں نے تازیست کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور نہ ہی کسی سے اپنے جاہ و مرتبے کی امید باندھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”مرحوم خوش اندام، خوش لباس، خوش طبع، نظافت پسند، سادہ مزاج اور بے تکلف تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی، ان کی خودداری اور اپنی عزت نفس کا احساس تھا، ان کی ساری عمر علی گڑھ میں گزری، جہاں امر اور ارباب جاہ کا تانا بانا رہتا تھا مگر انھوں نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور نہ ان میں سے کسی سے دب کر یا جھک کر ملے، جس سے ملے برابری سے ملے اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر علی گڑھ کے سیاسی انقلابات کی آندھیاں بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلانہ سکیں۔

علی گڑھ کے عشرت خانہ میں ان کی قیام گاہ ایک درویش کی خانقاہ تھی، یہاں جو آتا، جھک کر آتا، اگر مجلس سازگار ہوئی تو دعائیں لے کر گیا ورنہ اٹے پاؤں ایسا واپس آیا کہ پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔“ (یاد رفتگان: ۱۸۹-۱۹۰)

مولانا نہایت نیک نفس تھے، دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ اپنے استاد کے داماد کو ملازمت دلوائی۔ اور ان کے بیٹے کے تعلیمی اخراجات کے کفیل ہوئے۔ پڑھا لکھا کرا نہیں یونیورسٹی میں ملازمت کے قابل بنایا لیکن پھر اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتے رہے۔ اپنے ایک بھانجے سید معین کی کفالت کی۔ مولانا کے ایک بڑے بھائی سید انیس اشرف جو محکمہ پولیس میں آفیسر تھے ان کا دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔ انھیں اپنے پاس رکھا اور جس جانفشانی سے ان کی

خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی:

”اپنی ضعیف والدہ کی اطاعت اور اپنے ایک دیوانہ بھائی کی رفاقت اور خدمت

میں عمر اس طرح گزاری کہ اس کی نظیر مشکل ہے۔“ (حوالہ مذکور)

مولانا مدت العمر شادی سے گریزاں رہے۔ اپنی والدہ مکرمہ کے شدید اصرار پر آخری عمر

میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔

مولانا کے علم و فضل اور ان کے طرز خطابت و وعظ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ابرار حسین

فاروقی لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم و مغفور کے علم و فضل کا اندازہ وہ

لوگ خوب کر سکتے ہیں جنہوں نے مدوح سے درس لیا یا ان کے مواعظ حسنہ سنے۔

ان کا وعظ سیدھے سادے الفاظ میں تصنع، تکلف اور لفاظی کے بغیر بڑا دلکش ہوتا

تھا۔“ (ماہنامہ ”معارف“، اعظم گڑھ۔ فروری ۱۹۷۵ء)

مولانا اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑے جری و بیباک تھے۔ کسی مخالفت کی پروا نہ کرتے

تھے، جب ہندوؤں کے سیاسی اثر سے مسلمان زعماء بھی ذبیحہ گاو کو مصلحتاً ترک کر دینے پر آمادہ

ہو گئے تو مولانا سید سلیمان اشرف نے اس کی سختی سے تردید کی۔ اپنی گراں قدر کتاب ”الرشاد“

میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی۔ مولانا سلیمان اشرف کے علاوہ بہار کے جن علمائے ذبیحہ گاو

کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا ان میں مولانا حکیم محمد ادریس ڈیانوی اور مولانا محمد شموئیل عظیم

آبادی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر کی کتاب ”عید المؤمنین“ کے عنوان سے پٹنہ سے طبع ہوئی

جس پر اول الذکر کی تقریظ ہے۔

مولانا سلیمان کی زندگی کا ایک قیمتی اور روشن پہلو ملت اسلامیہ کے لیے دل دردمند رکھنے

والے غم خوار کا تھا۔ ان کا سینہ امت مسلمہ کی زبوں حالی سے غم زدہ تھا اور ان کی آنکھیں زوال

امت پر اشکبار تھیں۔ وہ دین اور سیاست کی تفریق کے سخت مخالف تھے۔ خود فرماتے ہیں:

”جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اور اپنی مامون زندگی کے لیے طاقت روا

نہیں رکھتا ہے اُس کا وجود محالاتِ عادیہ میں سے ہے اور وہ ایک فلسفہ خیالی سے زائد

مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ہاتھ جس میں اخلاقِ حسنہ کی کتاب ہو نہایت ہی مقدس و واجب

التعظیم ہے اُس کو بوسہ دیجئے آنکھوں پر رکھئے۔ لیکن سلامت وہی ہاتھ رہ سکتا ہے جس

میں خونچکاں شمشیر کا قبضہ دکھلائی دے۔“ (البلاغ، اسلام و خلافت: ۲-۳)

وہ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کو ناپسند کرتے تھے اور استعمار کے ہاتھوں کھلونا بننے کو

انتہائی معیوب سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی طاقت کو جب ضعف و اضمحلال نے آلیا

تو استعمار کو دراندازی کا موقع ملا۔

مولانا نے کئی کتابیں تالیف فرمائیں۔ عربی زبان کی اہمیت و افادیت پر ان کی ایک کتاب

”المبین“ ہے جس پر ہندوستانی اکیڈمی نے انھیں ایوارڈ اور پانچ سو روپیہ نقد انعام دیا۔ ”النور“،

”البلاغ“، ”الرشاد“، ”الحج“، ”السبیل“ اور ”نزہۃ المقال فی لحيۃ الرجال“ بھی ان کے تحریری

ذخیرے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ”ہشت بہشت“ پر ان کا فاضلانہ مقدمہ موسوم بہ ’الانہار‘ فن

شاعری میں ان کے درک کا مظہر ہے۔ ”الخطاب“ ان کا لکچر ہے جو کتابی شکل میں شائع ہوا۔

”مسائل اسلامیہ“ کے عنوان سے ان کے مختلف مواعظ کا ایک مجموعہ ان کے تلمیذ مولوی عبدالباسط

نے جمع کیا۔ خیال ہے کہ ان کے لکچر کے اور مجموعے بھی شائع ہوئے ہوں گے، تلاش و جستجو کی

جائے تو مزید مل سکتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان اشرف اپنے عہد کے کثیر الدرس مدرس اور وسیع المشرب عالم تھے۔

انھوں نے پوری زندگی اس شان سے گزاری کہ علما کے وقار کو مجروح نہ ہونے دیا۔ تا آنکہ ربیع

الاول ۱۳۵۸ھ / ۲۷ اپریل ۱۹۳۹ء میں اس عالم رفیع القدر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا لله وانا

الیہ راجعون۔

مولانا کی وفات پر ”علی گڑھ میگزین“ نے اپنی جولائی ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں ان

”یہ ہماری بید نصیبی ہے کہ ہم میں جو ہر قابل اول تو پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر شاذ و نادر پیدا بھی ہوتے ہیں تو ان کی ہستی زیادہ پابندہ نہیں ہوتی۔ گزشتہ چند سالوں میں مسلمانوں کو بعض ممتاز ہستیوں کی اچانک موت سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ انھیں میں ایک وہ گوشہ نشین فاضل اجل تھا جس کی ذات سے علی گڑھ میں فیض کا ایک چشمہ جاری تھا۔ الحاج مولانا سید سلیمان اشرف صاحب جو شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی کے صدر تھے تھوڑے عرصہ علیل رہ کر رحلت فرما گئے۔ مرحوم مسلسل تیس سال تک تفسیر قرآن کا درس دیتے رہے۔ اس طویل مدت میں مولانا سے جو فیض ان کے شاگردوں نے پایا اسے انھیں کا دل محسوس کر سکتا ہے۔ مرحوم صوفیانہ وضع کے پابند تھے اور علمائے سلف کا صحیح نمونہ۔ انھوں نے دولت، امارت، حکومت اور شوکت سے مرعوب ہو کر کبھی علم کی توہین نہیں کی۔ مولانا کے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ بغیر کسی پس و پیش و تردد کے اپنے خیال اور رائے کا ہر موقع پر اظہار کر سکتے تھے۔ لوگوں کو مولانا سے جو جو فیض پہنچے ان کی داستاں تو بڑی طویل ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ مولانا کی وفات سے ہم میں جو کمی ہو گئی اس کے پورا ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نظر نہیں آتی۔

خداوند! بیا مرز آں شہید امتحانے را“

یہ جو دو ان سے دوچار نظر آتے ہیں ان میں بھی کچھ صاحب اسرار نظر آتے ہیں ایسے ہی دیوانوں میں ہمارے معاصر دوست جناب ظہور الدین امرتسری کا شمار ہوتا ہے۔ وہ تاریخ بر عظیم کا کتابی ذوق رکھتے ہیں۔ کتاب سے محبت ان کی ذاتی علامتوں میں سے پہلی علامت ہے۔ مولانا سلیمان اشرف سے ان کو گہری قلبی وابستگی ہے۔ یہ مولانا سلیمان کی ”روحانی

جلالت“ ہی کہیے کہ اپنے روحانی استاد کی طرح ان کا مسلک بھی صلح کل ہے۔ وہ اپنے مسلک پر سختی سے کار بند رہنے کے باوجود دوسرے مسالک کے اہل علم سے دوستانہ مراسم رکھتے ہیں، جن میں یہ خاکسار بھی شامل ہے۔

ظہور امرتسری صاحب نے اپنے وسیع المشرقی کے باوجود اپنے مسلک کی بذریعہ قلم و قرطاس جیسی خدمات انجام دیں وہ قابل قدر ہے۔ مولانا سلیمان اشرف کی کتابوں کی ازسرنو طباعت کر کے انھوں نے مولانا کو ایک نئی علمی زندگی دی ہے۔ اگر یہ کتابیں وہ شائع نہ کرتے تو مولانا سلیمان کا نام تو یقیناً زندہ رہتا مگر ان کے کام سے لوگ واقف نہ ہو پاتے۔

بر عظیم میں ان کے مسلک کے نمائندہ علما کی تاریخ و سوانح اور ان کی مساعیٰ حسنہ کی جستجو ظہور امرتسری صاحب کا خاص موضوع ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دیوانگی اپنے طبقے کے اہل علم کی فرزانگی پر فضیلت رکھتی ہے۔

بائیں ہمہ، ”الخطاب“ کی نقل کے ساتھ یہ چند صفحات میں نے ان کی خواہش پر تحریر کیے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ان کے نیک جذبات کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور وہی بہتر اجر دینے والا ہے۔

والسلام مع الاکرام

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

۷ اکتوبر ۲۰۱۳ء

کراچی

آئینہ الیوم کے صفحہ و فصل

الخطاب

تقریر فقیر محمد سلیمان اشرف

بموقع اجلاس بست و ہوم کانفرنس

منعقدہ راولپنڈی

باہتمام محمد مصدق خان شروانی

عقیدہ انیسویں صدی کی اصلاحی
منظور

۱۹۱۵ء

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷	اسلاف اور اخلاف	۱	بشارت فتح مبین
۲۰	اصول ترقی اور قرآن کریم	۳	فلسفہ عملی و نظری
۴۱	انسان اور کائنات عالم	۳۰	مشاہدہ اشیاء سے سبق
۲۲	بیماری تھوڑی سیبت کی غایت تھکن و سائنس اور قرآن	۵	قرآن اور فلسفہ عملی و نظری
۲۳	قابل گریہ نظارہ	۷	قرآن کا طرز استدلال
۲۴	شذوذ پریشان خواب من از کثرت تعبیر	۶	حامیان علوم عقلیہ کا ایک مثالہ
۷	معیار صداقت و نبوت	۹	فیثاغورث کی حکایت
۲۷	ایک غور طلب مسئلہ	۷	لمعات کلام ربانی
۵	ایک اور واقعہ	۱۰	مسئله رسالت
۲۸	بہترین قانون معاش و معاد	۱۱	اصطیاج معلم
۳۰	خلاف نظری آزادی	۱۱	حاشیہ رسالت و نبوت
۳۱	تعلیم نبوی کا معجز ثنائیہ	۱۲	کامل دستور العمل کا معیار
۳۲	اصطیاج نص العین	۷	حقیقی حیات اور حقیقی علم
۷	ایک جامع کمالات ذات	۱۳	حالات عرب قبل بعثت اور اس کا علاج
۳۵	غایت کمال انسان	۱۵	
۳۸	ختم کلام		

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مَحَلِّمَاتٍ مَّصَلِّیًّا

خطبہ مسنونہ و صلوات سبحان و تعوذ و تمیہ کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی۔ **هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ**
رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰی وَاَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُنظِرَ قَوْمًا لَّیْسَ لَیْلُهُمْ اَعْلٰی وَاَلْیَوْمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۗ

یہ آیت کریمہ آخر کریمہ سورہ فتح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کی ایک جماعت
بشارت فتح مبین | ہے جو حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں سعادت کو زمین کی گت

کوئی ہوتی دینیہ طلبتہ واپس جا رہی ہے۔ بغرض پھر رسول کریم علیہ الواف الصلوٰۃ والسلام چودہ سو مسلمانوں
کو لیکر عازم مکہ معظمہ ہوئے تھے۔ کفار مزاحم ہوئے اور حذیبیہ سے آگے بڑھنا نہ ہوا۔ وہاں واقعہ طویل ہے۔ مختصراً
یوں سمجھیے کہ ایک صالح نامہ لکھا گیا جس کے شرائط مسلمانوں پر شاق تھے۔ لیکن شرکار دو عالم کی متابعت
اسی میں تھی لہذا بے چیم منظور تھا۔ مگر اس طرح کی مراجعت نے دلوں کو اس کیفیت کو جس میں ایک سوزش
اس سوزش میں اخلاص اس اخلاص میں عبودیت کامل موجود تھی ذرا چمکا دیا تھا۔ اس پر منافقین کے ہستہ
و طعن تشنیع اور بھی تک چھڑکتے جاتے تھے۔ پس کمال نیاز مندی، اتہام سے نڈال و انکسار سے قلوب مبین

اپنے اس قادرِ قیوم کے جناب میں جس کی ہستی دیکھائی کا کلمہ ٹپہ چکے تھے بلکہ تھے کہ خداوند اپنے اس
 سچے دین کو غلبہ عطا فرما اور کفر و شرک سے اپنے اس بیتِ منظم و مکرم کو جس کی بنیاد تیرے خلیل نے اپنے اس
 سے ڈالی تھی پاک فرما۔ یہ ان سوختہ دلوں کی آرزو نہیں تھی جنہیں جنیاد مرنا خدا کے لیے سکھایا گیا تھا۔
 جن کی نگاہوں نے وہ کچھ دیکھ لیا تھا جس کے دیکھنے کے بعد تمام فانی زینتیں اور منعدم ہونو والی لذتیں
 بیخ ہو جاتی ہیں۔ ان کی نگاہوں کے لگے جو کچھ تھا سویمان و سلام تھا۔ اس کی عزت عزت تھی،
 اسی کی زینت زینت اسی کا بقا بقا، دیگر بیخ۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ رحمت رحمن و رحیم ان کی مثالوں
 کو لبیک نہ کہتی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِذَا دَعَاكَ رَیْسِیْہِم دَعَا مَانِکَہُ وَاَسَہُ کِی دَعَا کُو قَبُو ل
 کرتے ہیں، کا ظہور نہوتا۔ دریاے رحمت اسی موجزن ہوا۔ غبارِ ملال خاطرِ آشفگان سے دھلنے لگا،
 مجروح دلوں پر مرہم کا نور رکھا جانے لگا۔ ہنوز مدینہ طیبہ پہنچنے ہی نہ پائے تھے کہ جبریل امین خاتم النبیین
 صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور یہ مژدہ جانفرا اور کلامِ روح پرور سنا۔ ”اِنَّا فَتَحْنَا
 لَکَ الْبَابَ فَتَحْنَا مَیْدَانَہُ“ اے میرے حبیب کھلی اور روشن فتح کا تھے مالک بنا دیا نعمائے الہی کا ہر طرح تجھ پر
 انجام ہوا۔ ذرا الفاظِ قرآنی کی طرف غور فرمائیے کہ کیسے زور دار لفظوں میں یہ خوشخبری پہنچائی گئی۔ پھر یہ
 بھی غور کرو کہ مستحکم کی صفت مبین فرمائی یعنی روشن اور واضح تاکہ دوست دشمن موافق و مخالف سبھی
 جان لیں کہ سراجِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اور لفظ فتح کو نکرہ لایا تاکہ ہر طرح کی فتح بالعموم
 رسول کی ملکیت سمجھی جائے۔ علمی، اخلاقی، صنعتی، سیاسی دینی وغیرہ۔ اللہ اللہ ایک ہ نفوس قدسیہ کی
 جماعت تھی جن کے غبارِ خاطر کو اس طرح رب العزّة نے دور فرمایا۔ ایک ہم ہی کلمہ گو ہیں کہ جن کے دل سے
 صدق و صفا ہی سلب ہو گیا ہے جیسا صحابہ کے قلوب سے مصیبت و عصیان۔ پھر جو کچھ ہوا وہ اسی خلاص
 کا نتیجہ تھا اور جو کچھ اب ہو رہا ہے یہاں سے افعالِ زشت کا مژدہ ہے۔

چوں برآری از میانِ جاں خروش اندر آید بجز تباشیرش بہ جوش
 تانہ گریہ ابر کے خند و چمن تانہ گریہ طغش کے جوشد لبین ۹
 بہر حال یہ اللہ کا وعدہ تھا جس کا ایک ایک حرف ان مخلص نیاز مندوں کے حق میں صادق ہو کر ہا جنوں
 نے رضائے الہی کے لیے اپنی ہستی، اپنے جذبات، اپنی تمنائیں سب کی سب گم کر دیں اور پھر وہ سب
 کچھ پایا جو پانے کے قابل تھا۔ اَللّٰہُمَّ اَرْحَمِہُمْ اَرْحَمِہُمْ اَسِیْہِہُ کِی مَضِیْمِہُمْ کِی مَضِیْمِہُمْ

۱۔ سچی۔ التجا کرنے والا، درخواست کرنے والا، مثنوی، آرزو مند، مستدعی (۲) منت سماجت کرنے والا، عاجزی کرنے والا (۳) پناہ دہن کرنے والا
 ۲۔ سوختہ۔ جلا ہوا (۲) سنجیدہ، موزوں ۳۔ البقرہ: ۱۸۶ ۴۔ غبارِ خاطر۔ رجش، ملال خاطر، طبیعت کی کدورت (۲) طبیعت کا اکتا جانا۔
 ۵۔ آشفگان (آشفقت کی جمع) پریشان، سرسیمہ، پراگندہ، بدحواس (۲) دیوانہ (۳) حیران ۶۔ اللج: ۱ ۷۔ نکرہ۔ ناشناس (۲) آشفگان
 (۳) معرفت کی ضد، اسم عام ۸۔ زشت۔ بُرا، خراب، زبوں، بھونڈا، بد نما، بد شکل ۹۔ (مثنوی معنوی۔ روحی) ”جب تمہارے دل سے نالہ و فریاد

ایک مختصر تہذیبی جس میں اس سورۃ مبارکہ کا شان نزول بھی مذکور تھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہو گئی ہوگی کہ ہنسی کا میاں کا کیا راز ہے اور کامیاب زندگی کے کیا معنی ہیں۔ لیکن مختلف طبقات کے اشخاص کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر واضح تفسیر اس آیت شریفہ کی کی جائے۔

حضرت اب العزت جل جلالہ نے اس آیت کریمہ میں اپنی توحید والوہیت اور نبوت و رسالت کو دلائل قاطبہ بیان کرتے ہوئے اس دین الہی کے متعلق جس کی ابتدا حضرت آدم سے اور انتہا حضرت خاتم النبیین سے ہوئی حالت بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد ان خوش نصیبوں کا ذکر اور ان کے حالات جمیلہ کی طرح فرماتا ہے جنہوں نے نہایت استقامت سے اس دین الہی کو لیبیک کہا تھا۔ مبارک ہیں وہ بندے جو مصداق اس آیت کریمہ کے ہوئے اور قابل تقلید ہوئے وہ حالت جس کی طرح سرائی کلام الہی میں ہوئی۔ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَبَّهْوا فَاَسْمٰوٰتِمْ اَرۡسٰتۡمْ لَیۡسَ كُرۡنًا جَآئِیۡمًا۔ (آیت کریمہ کے حصہ اولیٰ توحید والوہیت) کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر مقدمہ کی ضرورت ہے۔ پہلے اس پر اجمعی طرح غور فرمائیں۔

حضرات! عالم میں جس قدر چیزیں کہ پائی جاتی ہیں خواہ جو ہر ہر سوس فلسفہ عملی و فلسفہ نظری | یا عرض وہ دو حال سے خالی نہیں بعض تو ایسی ہیں جن کا وجود ہماری قدرت

واجباً ہے جیسے علم صدق یا نیت وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض ایسی ہیں جن کا وجود ہماری قدرت اختیار میں نہیں جیسے آفتاب زمین، سورج، شمس و قمر وغیرہ وغیرہ۔ پہلے قسم کے علم کو فلسفہ عمل اور دوسرے قسم کے علم کو فلسفہ نظری کہتے ہیں۔ پہلے قسم کو فلسفہ عمل اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں مجرّد علم کمال انسانی کے لائق کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس پر عمل ہونا بھی شرط ہے۔ مثلاً ایک شخص اتفاق کے معنی جانتا ہے اور اس کے فوائد کا بھی اسے علم ہے لیکن اس پر عمل آ نہیں ہوتا تو عمر بھر اسے وہ فوائد حاصل نہ ہونگے جو اتفاق سے وہبستہ ہیں اور یہ علم قطعاً اس کے نفس کو منہذب نہ بناوگا۔ پس حکمت عملی کے لئے ضرور ہے کہ اولاً اجمعی باتوں کا علم حاصل کیا جائے اور بعد علم کے اس پر عمل کی عادت ڈالی جائے تاکہ نفس اور پاکیزہ عادتوں پر نکلے ہو جائے۔ فلسفہ نظری سو یہاں صرف علم موجب کمال نفس ہوتا ہے یعنی ایسے موجودات جن کا وجود ہماری قدرت اختیار میں نہیں ہے۔ ان کے حقائق کا عملی قدر طاقت بشری جاننا کمال نفس کے لیے کفایت کرتا ہے۔ آج دنیا میں انہیں حقائق کے اکتشافات کا نتیجہ جو میر العقول کرشمے تم دیکھ رہے ہو۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِیۡ عَلَّمَ الرِّسَالٰتَ مَا لَیۡسَ یَعْلَمُ رِیۡسَ پَاکِ ہر وہ ذات جس نے انسان کو وہ باتیں سکھلا دیں جنہیں وہ نہ جانتا تھا۔

۱. تفسیر: ۲۶: ۲ مجرّد۔ اکیلا تھا (۲) دوشے جو مادہ سے پاک ہو، جسے روح پر مشتمل ہے۔ عمل بہر ارادت چلا: دراج حکمت عملی۔
پالیسی، کام کرنے کی حکمت، دراندیشی ۵ موجودات (موجود کی جمع) مخلوقات، دنیا، امکانات، وہ تمام چیزیں، جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، انہیں
۶ اکتشافات (اکتشاف کی جمع) دریافت (۲) کھانا، ظاہر ہونا کے قول تعالیٰ: عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمُ (علق: ۵)

تو بڑی حرکت والا ہے اللہ نہایت خوب پیدا کرنے والا ہے
 (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر)
 (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر) (مفسر)

بعد اس کے کہ فلسفہ سن و فلسفہ نظر کی تعریف و غایت معلوم ہو چکی ہیں آپ سے یہ پوچھا ہوں کہ جس نے اپنے آپ کو فلسفہ عقل سے متصف کیا ہوگا کیا اس کی نظر سے یہ بات چھپی رہ سکتی ہو کہ جس نے اس سے کہ پیدا کیا اور ان صفات و اخلاق سے نفس کو متصف کر سکی ہدایت فرمائی بیشک وہ ایک بڑا حکیم و علیم ہے۔ ہاں یہ امر بھی یہاں پر سمجھ لینے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں جب قدر جذبات و قوتیں کہ ولایت فرمائی ہیں ان میں سے ہر ایک ضروری و انتہائی درجے کی مفید ہے۔ ان کا سجا استعمال بے محل صرف اللہ ہی نہیں مذموم بنا دیتا ہے۔ مثلاً ایک جذبہ غیرت ہے کہ جب تک اس جذبہ کو اس صحیح دائرہ تک رکھئے محمود ہے لیکن افراط کے مرتبہ میں تھیکر غضب جنوں کہا جاتا ہے اور تفریط میں اگر بے غیرتی و بے ہمتی۔ جب قدر غور کر کے اسی قدر یہ مسئلہ واضح ہو جائیگا کہ افراط و تفریط سے اگر کام نہ لیا جائے تو پھر انسان میں کوئی جذبہ و قوتہ مذموم نہیں اور جذبات کو اعتدال پر قائم رکھنا اصل کمال انسانی ہے۔ اب کیا وہ شخص جسکی زندگی کا دستور العمل فلسفہ عقل ہو گیا اس امر کا اعتراف نہ کریگا کہ جس نے ان جنبات و قوتوں کو پیدا کیا وہ ایک عجیبے مثل ذات ہے اور اس کی حکمت کی حقیقت تک پہنچنے سے انسان عاجز ہے۔ اسی طرح جس کا کائنات کے صحائف کا مطالعہ کیا ہوگا اور جادویات حیوانات ان میں سے کسی کی صنعت کی طرف غور و فکر سے کام لیا ہوگا تو قدرہ کے عجائبات نے اس کی عقل کو متحیر فکر کو مضطرب بنا دیا ہوگا۔ اور یہی ہے اس کے منہ سے یہ نکل گیا ہوگا۔ فَبَارِكِ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۹

مشابہ اشیاء سے سبق | صبح کے وقت کسی عین میں دو وہاں کا سماں دیکھو سبزیوں کا منہا نا بیخوں کا شگفتہ ہونا مختلف ہونے مختلف رنگت ہوگا یا جاننا کیا یہ سب تمہیں اس طرف رہ سب ہی نہ کریں گے کہ عالم کا کوئی صانع ہے۔ ایک گلاب کے پھول کیلو۔ اس کی زراکت اس کی بائیں اس کی رنگت، اس کی پنکھڑیاں ان پنکھڑیوں کے ریتے کیا اپنے خالق پر ہوتے نہیں دیتے ہیں یا اس کے کمال صنعت کو اپنے وجود سے ثابت نہیں کرتے صَنِعَ اللَّهِ الَّذِي أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۱۰ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم بنایا ہی کیا کسی نے آج تک ایک معمول بھی یہاں بنایا جو ان تمام صفات ظاہری و باطنی میں گلاب کے مانند ہو اور اسی طرح اپنے آپ میں روح نباتی بھی رکھتا ہو۔ ہرگز نہیں۔ اظہار سے پوچھو تو تمہیں معلوم ہو کہ گلاب اپنے رنگ و بو و حسن و جمال کے علاوہ کیا کیا خواص رکھتا ہے۔ کتنے امراض میں کام آتا ہے اور کس کس طرح بہترین ادویات کا جز بن کر صحت و راحت انسانی کا سبب ہوتا ہے۔ کسی ٹپے سے ٹپے

۱- غایت۔ انتہاء غرض، مطلب (۲) آخر انجام ۲ متصف۔ صفت کیا ہوا (۲) تعریف کیا گیا، موصوف جس کے ساتھ کوئی وصف لگا ہو۔
 ۳ دستور العمل۔ قاعدہ (۲) قانون جس کے مطابق چلنا چاہیے (۳) ہدایت نامہ (۴) کام کا طریقہ ۴ صحائف (صحیفہ کی جمع) کتابیں
 (۲) لکھے ہوئے صفحات، اوراق ۵ جمادیات (جمادات۔ جماد کی جمع) بے جان چیزیں جن میں حس و حرکت اور نشوونما کی قوت نہیں، جیسے
 دھات پتھر مٹی وغیرہ ۶ حیوانات (حیوان کی جمع) زندہ جان دار (۲) زندہ ہونا

فلسفی سے التجا کرو یا کسی ماہر علم نبات سے التماس لاؤ کہ ایک پھول بھی ایسا بنا دے جس میں گلاب جیسے اوصاف پائے جائیں۔ اچھا اگر تمام عمر کی کوشش سے ایک پھول اس نے بنا ہی لیا تو یہ خواص انہیں نہیں ہونگے۔ اور بظن محال اگر اس میں خواص کچھ مان بھی لیے جائیں تو اس کے استعمال میں یہ تنوعات مفید نہ پائے جائیں گے۔ اور سب کچھ سہی مگر وہ حیات نباتی جو اپنے آپ میں ایک گلاب کا پھول رکھتا ہے وہ کہاں سے پیدا ہوگی۔ ایک طرف ہیران فن کا یہ عجز دوسری طرف اس کا دور و قیوم کی قدرت کا یہ جلوہ کہ ہر صبح کو کروڑوں پھول اسی آب تاب اسی خواص و طبائع کے ساتھ چمنستان عالم میں شگفتہ ہو کر اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس زبان حال کرتے ہوئے کچھ دیر اپنی بہار دکھا کر گل کے آنیوالوں کے لیے جگہ خالی کر رہے ہیں۔ اور ایک غیر محسوس طرز پر اسی کے پاس چلے جا رہے ہیں جن نے انہیں یہاں چند ساعتوں کے لیے بارونق بنا کر بھیجا تھا۔ فَسُبْحَانَ الَّذِي يَبْدِئُ الْمَلَكُوتَ كُلِّ شَيْءٍ وَالْيَوْمَ تَرَوْهُ مُحَوَّنًا رِبَاكٍ هُوَ ذَا الَّذِي جَسَدَ قَدْرَتِ فِي هِرَاقِ بَدِئُهَا هِيَ هُوَ وَتَمَامُ شَيْءٍ هِيَ فِي طَرَفِ لَوْنِي جَاتِي هِيَ (اسی طرح ایک علم الابدان کے ماہر کو لو اور اس سے پوچھو کہ تشریحات اعضاء انسانہ میں اس کی عقل تو ادراک کا مشاہدہ کرتے ہوئے کیسی تیسرہ جاتی ہے۔ ایک ایک عضو اپنی صورت بطحا اپنے خواص اپنی افعال اور اپنے محل وقوع کس حکمت سے مخلوق کی گئی ہے۔ مثلاً آنکھ کی پہلی ساخت کی طرف غور کرو اس کی نزاکت کو دیکھو پھر اس کے محل وقوع پر نظر ڈالو پھر قدرت سے جو اس کو محفوظ رہنے کی تدابیر عمل میں لائی ہیں اسے سوچو اس کے بعد دیکھنے کے فلسفے پر فکر دوڑاؤ اور اس دیکھنے کے لیے خالق نے آپتھ میں کیا کسا گل پرزے بنائے ہیں اسے مطالعہ کرو پھر تم خود ہی کہہ اٹھو گے کہ سر اچھکتوں سے مرصع وجود معجز امتداد دہریا اتفاقات ایام یا تنوعات حرکت کا نتیجہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ترتیب دیکھ کر کسی بڑی قدرت والے ذی اختیار کا کام ہی بیشک ذَلِك تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (۱)

حضرات! اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے اس کتاب قرآن اور فلسفہ عملی و نظری آسمانی کی عظمت جیسے ہمارے پیغمبر روحی فداہ ہم میں امانت فرمائے گئے ہیں ظاہر کروں۔ دیکھئے فلسفہ نظر کا جاننے والا مرتبے میں فلسفہ عمل کے عالم سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ فلسفہ نظریں جو حصہ کہ سب اہم تر و معتبر است آرا ہے وہ فلسفہ الہی ہے تو اب مجھے یہ بتلانا ہے کہ جس طرح سے کتاب اللہ نے فلسفہ عمل میں ہمیں تمام فلاسفہ کی تصانیف سے بے نیاز کر دیا ہے اسی طرح فلسفہ نظر کو

۱ تنوعات (تنوع کی جمع) طرح طرح کا دونا، قسم بہ قسم ہونا، گونا گونی ۲ المثلث: ۲۸۳ خری ۳ غالباً یہ لفظ نوادرات (۲) ہے۔ ۴ مرصع۔ آراستہ ۵ امتداد۔ زمانہ مدت، مدت گزرنا، درازی (۲) دراز اور کشیدہ ہونا ۶ الانعام: ۹۶، یس: ۳۸، حم: ۱۲، اسجد: ۱۲ میں ہوں ارشاد ہوتا ہے۔ ذَلِك تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۷ فلسفہ۔ لاسلی، علم حکمت، دانائی (۲) یسوں یعنی حکیم و دانش مند اور (۳) علم اشیاء موجودات مع فلسفہ و اسباب ۸ فلاسفہ (فلسفی کی جمع) حکما، دانش مند لوگ

اصطلاح میں آگ، پانی، ہوا اور خاک چاروں ایک ایک عنصر ہیں جن سے انسان کا وجود بنتا ہے۔ (۱) مقدار (مقدار کی جمع) شمار، تعداد، اندازہ (۲) امکان (مکان کی جمع) جگہ (۳) رکنے کی جگہ، گھر (۴) اجزاء (جز کی جمع) کنارہ (۵) مکان (۶) جگہ، احاطہ (۷) حکما کی اصطلاح میں جسم حادی کی سطح باطنی جو جسم حادی کی سطح ظاہری کو ماس ہو۔ (۸) اقتضائے قاضی، لازمہ، ضرورت، مقتضی (۹) چاہتا، خواہش کرنا (۱۰) مفصل۔ ایک جدا ہونے والا، علاحدہ (۱۱) فیصلہ شدہ

حقیقت الہیات میں ہم کسی کے محتاج و مستند نہیں ہیں۔ فلسفہ الہی کا بڑے سے بڑا عالم جہاں تک پہنچا ہے یا پہنچ سکا آج سے چودہ سو برس قبل ہیں فرقان حیندلاں تک پہنچا چکا ہے۔ اس کو ذرا واضح طور پر یوں سمجھئے کہ جو ڈبری پر حکمانے جو دلائل کہ قائم کیے ہیں وہ تین نوعیتوں میں منحصر ہیں۔ امکان، حدوث، اور نظام و ترتیب۔ یعنی جو اہر و اعراض کا ممکن ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے وجود کا راجح کر نیوالا کوئی ہے اور وہ خود دائرہ امکان سے خارج ہے، ورنہ دور و تسلسل لازم آئیگا ایسی طرح جو اہر و اعراض کے تغیر سے ان کے حدوث پر دلیل لاتے ہیں اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہئے جو خود حادث نہ ہو بلکہ قدیم ہو۔ ورنہ وہی خرابی دور و تسلسل کی یہاں بھی لازم آئیگی۔ تیسرا طریقہ نظام عالم سے استدلال کرنے کا ہے۔ حکما اس کی تقریر یوں کرتے ہیں کہ تمام جسم خواہ فلکی ہوں یا عنصری جسم دو لازم جسم میں یکساں ہیں۔ پھر ان کا باعتبار صفات و اشکال و مقادیر و اکنہ و اجزاء مختلف ہونا کس سبب ہے۔ جسم اور اس کے لوازم کو تو کہا جاسکتا۔ اس لیے کہ جسم میں حیثیت جسم اور لوازم جسم حیثیت لوازم جسم کا اقتضا یکساں ہے۔ یہ اتفاق کو چاہیگا کہ اختلاف کو پھر اب جو اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ کسی امر مفصل کے جہت سے ہے۔ جو نہ جسم ہے نہ اس سے متعلق ہے پھر وہ مجبور ہی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مجبور تو مجبور ہی اس سے صدور افعال کیونکر ہوگا۔ لامحالہ قادر و مختار ہے۔ پس وہ فوت جو قادر و مختار ہے اور جسم و جسمانیہ پاک ہے اس کا وجود ضروری ہے تاکہ اجسام کے مختلف صور و صفات وغیرہ وغیرہ سے نظام عالم قائم رہے اور وہی اللہ ہے۔ یہ منطقی پر ہیج تقریر کوئی سمجھا ہوگا اور کوئی الجھ کر رہ گیا ہوگا کہ یہ کیا بلو اس و چیتیاں ہے اور جس نے سمجھا بھی ہوگا تو اس کے قلب کو سکون پیدا ہوا ہو یا نہوا ہو۔ اب آئیے اس طرف ہم آپ کو یہ دکھلائیں کہ قرآن پاک کس طرح ہمیں اس اہم مسئلہ کو سمجھاتا ہے۔ اللہ الغنی وَالْكَافِرُ الْفَقْرَاءُ۔ بے نیاز ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور تم سب کے سب محتاج ہو سزا اسی آیت پر غور کر لو یہ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان سرایا احتیاج و محبتہ حاجت ہے۔ اب یہ اپنی حاجتوں کو رفع کرنے کے لیے جس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ سب مخلوقات الہی ہیں۔ اور وہ بھی اپنے وجود کے بقا اور حفظ شخص میں کسی کی طرف محتاج ہیں۔ دیکھو یہ وہی امکان کا مسئلہ ہے مگر حکما کے یہاں دور و تسلسل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور قرآن نے ایک دلکش جملہ اللہ الغنی وَالْكَافِرُ الْفَقْرَاءُ فرما کر ہمارے امکان ہمارے تغیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنا قدیم وقادر ہونا بھی ثابت کر دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ احتیاج دور ماندگی میں تمہارا اصل مرجع کون ہونا چاہئے

عالم (۲) انزوں (۳) بہتر (۴) ترازو کا جکڑ والا پلڑا (۵) محدث۔ نیا پیدا کرنے والا، نئی بات نکالنے والا (۶) غنی (۷) غنی کی جمع) (۸) اجزاء (جز کی جمع) (۹) جگہ (۱۰) جگہ کے گھر (۱۱) اجزاء (جز کی جمع) (۱۲) انسان کا جسم (۱۳) انسان کا وجود (۱۴) انسان کی زندگی (۱۵) انسان کی زندگی سے پیدا ہونے والی چیز (۱۶) انسان کی زندگی سے پیدا ہونے والی چیز (۱۷) انسان کی زندگی سے پیدا ہونے والی چیز (۱۸) انسان کی زندگی سے پیدا ہونے والی چیز (۱۹) انسان کی زندگی سے پیدا ہونے والی چیز (۲۰) انسان کی زندگی سے پیدا ہونے والی چیز

۱. الہیات۔ علم الہی مطابق فلسفہ حکمت / علم الہی جو علم حکمت کی ایک قسم ہے (۲) علم الہی کے مسائل ۲ مستند۔ حاجت مند (۳) حاجت
۲. امکان۔ ہو سکتا، ممکن ہونا (۴) کسی شے کے عدم وجود دونوں کا ضروری نہ ہونا (۵) قدرت، طاقت، مجال، مقدرت، مقدور (۶) قادر کرنا، اختیار، قابو، مرتبہ دینا (۷) قدم کے برعکس، عالم فانی، ناپائیدار دنیا ۲. حدوث۔ عدم سے وجود میں آنا، نیا پیدا ہونا (قدیم کی ضد)
۵. جواہر (جوہر کی جمع) ہر قیمتی / بیش قیمت پتھر مثلاً یاقوت، ہیرا، لعل، گوہر وغیرہ (۲) ہر چیز کی اصل، ہر چیز کا خلاصہ، کسی چیز کی وہ صفت جو اس کے ساتھ

قرآن کا طرز استدلال

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قصہ قرآن پاک میں موجود ہے اپنے چار مرتبہ

مناظرہ فرمایا پہلا مباحثہ بظاہر اپنے نفس سے تھا اور حقیقت میں قوم مخاطب

تھی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ

قَالَ كَأَنِّي كَأُحِبُّ الْعَالَمِينَ (جب کہ رات کی تاریکی نے چھپالیا اور تارے و درخشاں ہوئے تو اس نے

کہا کہ یہ میرا رب ہی لیکن جب کہ وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا کہ میں غروب ہو جانے والے کو پسند نہیں

کرتا) دوسرا مباحثہ اپنے باپ سے فرماتے ہیں۔ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيكَ عَنْ شَيْءٍ

رَبِّكَ يَا أَبَتِ أَلَيْسَ لِلَّهِ الْخَلْقُ كُلُّهُ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَلِيمٍ (اے باپ جو چیز نہ دیکھ سکے نہ سن سکے نہ تجھے کچھ بھی کسی سے بے نیاز کر سکے اس کی عبادت کیوں کرتے

ہے) پہلے مباحثہ میں حدوث و تغیر سے صنایع عالم پر استدلال کرتے ہیں۔ (دوسرے میں مجبوری باطل

معبودوں کی ظاہر فرما کر اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ معبود کو قادر و مطلق ہونا چاہیے۔ تیسرا مباحثہ قوم سے

ہے۔ مَا هِيَ إِلَّا تَمَائِيلُ اللَّيْلِ انْتَمَاءً لِّمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (یہ مورد میں جہلی پرستش پر تم مجھے بیٹھے ہو یہ ہیں کیا چیز؟)

یہاں یہ بحث پیش کرتے ہیں کہ مخلوق کسی حال میں معبود نہیں ہو سکتا۔ معبود کسی کے بنانے سے نہیں بنتا

بلکہ معبود تو وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور ان تمام چیزوں کو نسبت سے ہست بنا دیا۔ چوتھا مباحثہ نمرود

سے ہے۔ اذ قال ابراهيم ربی الذی محیی و ممیت قال انما اھی و امیت قال ابراهیم فان اللہ

یا نبی بالشمس من المشرق فأتھا من المغرب فلیت الذی کفر اللہ لو ھدی القوم الظالمین

(جب ابراہیم نے نمرود سے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلتا اور مارتا ہے۔ تو اس نے کہا میں زندہ کرتا اور مارتا

ہوں۔ تب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب مشرق سے آتا ہے اور طلوع کرتا ہے تو اُسے مغرب سے نکال دے پس کافر حکم

کر رہ گیا۔ اللہ عالموں کی ہدایت نہیں کرتا) یہ دلیل نظام و ترتیب عالم سے ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ کی زبان

سے جن دلائل کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ان کی سادگی کو دیکھو۔ پھر اس کو خیال کرو کہ کس طرح دل میں

گھر کر جانے والے استدلالات ہیں۔ پس میرا یہ کہنا کہ حکمائے دہر کی عقلیں انتہائے کار میں جہاں پہنچیں

اور ان کے فکر کی جو آخری منزل ہوئی۔ وہ ان کے لیے اگرچہ جتنا ہی مایہ ناز و فخر ہو اور۔ لیکن ہمیں آج

سے ساٹھے تیرہ سو برس قبل ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دو سو کے پہاڑوں میں دنیٰ افروز ہو کر

یہ سب کچھ پڑھ دیا۔ اللہ صلی علیٰ ہذا النبی اکرمہ وبارک و سلم

حامیان علوم عقلیہ کا ایک نظام اس قدر اور بھی گزارش کرو چکا کہ جہاں کہیں بھی الہیات کا باب

قرآن کا طرز استدلال

(تقریباً ۱۰۰)

۱. الامام: ۷۶ ج ۲ مریم: ۴۲ ج ۲ الانبیاء: ۵۲ ج ۲ البقرہ: ۲۵۸

۲. نظام۔ سلسلہ، ترتیب (۲) بندوبست، انتظام (۳) رسم، عادت (۴) جز، بنیاد یا ترتیب۔ ہر چیز کو اس کے لحاظ سے اور مناسب موقع پر رکھنا، موردوں جگہ پر رکھنا، درجہ بدرجہ لیک رکھنا/ کرنا، درستی، آراستگی جے استدلالات (استدلال کی جمع) دلائل، براہین، دلائل یا اسناد لانا (۲) دلائل چاہنا/ طلب کرنا (۳) دلائل قائم کرنا (۴) گواہی دینا۔ "اے ہمارے معبود اس نبی امی پر درود و سلام اور برکتیں نازل فرما۔"

سوشل گائی - چنان بین باریک بینی، بکھرتی جینی، (۲) بال کی کمال کھینچا ۹ جو دقت - نراست، تیز بینی، بزبان، جو دقت (۲) اچھائی، خوبی، عمدگی (۳) پالاک، تیزی (۴) چست ہونا (۵) سیکڑا

ہیں حکما کی رائیں رستی کی طرف گئی ہیں وہ شمع نبوہ کے نور ہی کا جلوہ ہے۔ غبیوں کے منہ کی نکل ہوئی نہیں
 جہاں حکم تک پہنچیں تو اس کی مقادرت کی طاقت اپنے میں نہ پا کر انہیں باتوں کو اپنے الفاظ کے
 قالب میں ڈھال لیا۔ چند عربی اصطلاح الفاظ کی ثقالت سے اسے پوریج بنا کر انہیں کہہ لوگوں کے سامنے
 لے آئے۔ اب جو کوئی اس کو پڑھتا ہے ان کے کمال عقل و فکر سا ہونے کا قائل ہو کر ان کے قول کی عظمت
 کرنے لگتا ہے۔ اس طرح ان کی وہ تمام باتیں جو ان کی اختراعیات ہوتی ہیں اور ان کے منظونات و قیاسات
 کا صرف ایک انبار ہوتے ہیں وہ سب کو صحیح جاننے لگتا ہے۔ یہ پہلا منظر ہے جو جامیان علوم عقلیہ کو
 پیش آتا ہے۔ اور جب تک اس غلطی کا ازالہ نہیں ہوتا اور ان کے قدم اپنے دائرہ و حدود کے اندر نہیں آتے
 اس وقت تک ہمیشہ ٹھوکریں کھاتے ہیں جب معلوم کی اساس ہی غلطی پر ہو تو پھر صحت و تہجد کی امید ہی
 عیب ہے۔ خستہ دل چون ہندو سمارتج کا اثر تیری رود دیوار کج - ۷

دوستو! اس مسئلہ کا بیان ذرا واضح ہونا چاہیے تاکہ اگر کوئی مسلمان کی اولاد اس غلطی میں مبتلا
 ہو تو اسے تہنید ہو جائے۔ دیکھئے جب ہم ایک ہندو کے پاس بیٹھے ہیں اور ریاضیات کے مسائل میں
 اسکی توشکا فیاں اور پیچ انشکال میں اس کے ذہن کی جو دقت دیکھتے ہیں اور پھر سراج صحت کیساتھ یقین
 دلانے والے ہوتے ہیں تو ہمارا دل اس کی عظمت و کمال کے سامنے جھک جاتا ہے اور اس کے صحیح عقل
 و فکر سا کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اب وہ اپنے حدود و معلومات و تجربے سے قدم باہر نکالتا ہے اور مذہب کے میدان
 میں آتا ہے۔ یہاں اگر اپنی بیباکی سے کچھ کہتا ہے تو ہماری عقیدت سابقہ اس نام پر ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس
 ماہر کی تحقیق سے انکار نہ کیا جائے۔ جس کی عقل ایسی دور بین ہو گیا اس کی نظر سے ایسی جلی باتیں مخفی رہ
 سکتی ہیں؟ نہیں کہیں نہیں۔ بس یہی فیصلہ تمام اخلاط کا سنگ بنیاد ہو جاتا ہے۔ حالانکہ تھوڑے غور و فکر سے
 کام لیا جائے تو یہ مسئلہ نہایت ہی آسانی سے صحیح اصول پر فیصل ہو سکتا ہے۔ یعنی ایک شخص جو ریاضی کا چنانچہ
 والا ہے وہ امراض کی تشخیص اور معالجہ کی تجویز میں جب کہ بالکل عاجز ہے اور اس کی عقل نہ تو ایک عموم
 کی تہ کی نوعیت متعین کر سکتی ہے اور نہ اس کا علاج تجویز کر سکتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مذہب کی
 باب میں اس کی رائے ویسی ہی وضع سمجھی جائے جیسی کہ علم ریاضی میں۔ نیز اگر کوئی بہت بڑا ریاضی ال
 اعلیٰ درجہ کا طبیب حاذق بھی ہو تو کیا تشخیص امراض و تجویز علاج کے وقت اس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ
 ایسی تشخیص و تجویز پر اسی طرح قطعی دلائل قائم کریں جیسا کہ آپ علم ہندسے کے متعلق کیا کرتے ہیں۔

۱۔ مکادمت - کسی کے مقابلے کو آدہ ہو جانا، کسی سے برابری کرنا (۲) مقابلہ ۲ مصطلح - اصطلاح کیا ہوا، اصطلاح، محاورہ ۳ ثقالت -
 وزن، بوجھ، ثرائی، بھاری پن ۴ اختراعیات (اختراع کی جمع) نئی بات نکالنا، پیدا کرنا، ایجاد کرنا، نئی چیز نکالنی، بنانا (۲) پھٹنا، پھاڑنا
 (۳) جی سے جوڑنا ۵ منظونات (منظون کی جمع) ظن (گمان) کیا گیا/ کیا ہوا (۲) مشکوک، مشتبہ، شک ۶ "جب کوئی معمار پہلی اہمیت
 نیز جی رکھتا ہے تو دیوار آسمان تک جائے پھر بھی نیز جی ہی رہے گی۔" ۷ ہندس - اشکال ہندسہ، علم ہندسہ کا عالم، اقلیدس کا ماہر (۲) انجینئر

الفرض یہ امر بدیہہ ثابت ہے کہ ہر وجود کا ثبوت ایک ہی نوعیت پر نہیں ہو سکتا ہے۔ نیز ایک فن کی مہارت سے دوسرے فن کا علم لازم نہیں آتا۔

بوریا بان گرچہ بانسہ پدست

نہ برندش بہ کار گاہ حسدے

فیثا غورث کی ایک حکایت

ایک واقعہ بطور مثال گزارش ہے۔ فیثا غورث جو ایک بڑا حکیم دورہ قدیم میں تسلیم کیا گیا ہے اور جس کی تحقیقات پر آج یورپ کی انتہائی فکر نے قرار پکڑا ہے یعنی یہ کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے، اس مسئلہ کی اہمیت اس کے ذہن کی حدت کی کافی شہادت ہے۔ لیکن مذہب میں اگر ایسی فاش غلطی کرتا ہے کہ تمام فلسفہ یہاں دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ یہ حکیم تسانخ کا بھی قائل تھا۔ ایک تہذیب کوئی شخص ایک گوار رہا تھا اور کتا چیتا جاتا تھا۔ فیثا غورث وہاں سے گذرا۔ اس نے اس شخص سے کہا کہ اس گتے پر میری وجہ سے رحم کرو۔ اس میں سے ایک دست کی روح نے جسم لیا ہے اور میں اسے پہچانتا ہوں۔ قائل غورثی کہ اولاً تسانخ کا قائل ہونا۔ پھر ایک گتے میں اپنے دست کی روح کا حلوں یقینی طور پر تسلیم کرنا اور اسے اذعان کے ساتھ پہچانا اور اس بنا پر رحم کا خواہاں ہونا، کیا بچوں جیسی باتیں نہیں ہیں؟ ایسا زبردست حکیم اور اس طرح کی باتیں۔ اس سے عقل انسانی کی پروا معلوم ہو جاتی ہے۔

لمعات کلام ربانی | یہ مضامین جو شتے نمونہ از خردارے بیان کیے گئے ان سے مقصد ہے اس قدر تھا کہ کلام ربانی کے لمعات کج بھی فلسفہ جدید کے سامنے دیے ہی درختا

ذو رافتاں ہیں جیسے کہ اب چودہ سو برس پہلے تابان و عنیا افکن تھے

گر نہ بند برود شیرہ چشم
چشمہ آفتاب اچہ گناہ

بلکہ صحیح فلسفہ دانی کا نتیجہ توحید والوہیت کا اعتراف ہے۔ اور قرآن مجید کے ساتھ دل شینگلی و فریفتگی نہ کہ وجود باری کا انکار اور فہم و ملائمت کلام اللہ سے یکسوئی و بیزاری۔ اب بعد مجرب سے لے کر دلائل توحید والوہیت کے ایک نظر اس آیت کے لفظ **هُوَ الَّذِي يَرُدُّ الیہ وجود** لفظوں میں تمام براہین و دلائل کو اپنے آپ میں سمیٹے ہوئے ہے۔

۱۔ کشف الخفاء: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۲۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۳۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۴۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۵۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۶۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۷۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۸۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۹۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ

۱۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۲۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۳۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۴۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۵۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۶۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۷۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۸۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ
۹۔ حاشیہ: رقم الحدیث ۱۱۵۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۰ھ

اس ضمیر (ہو) نے کیا آپ کے دل کو روشن اور اس ہسم موصول (الذی) نے کس طرح آپ کو وصل
اس مقام کا کردیا جہاں تک پہنچنے کی متاعقلا سے وہر کو فنا ہوجانے کے بعد بھی باقی رہی ہے

دل نگہدار از خیال غیر دوست

روز و شب از بہر او کن باد و ہوا

اس سے زائد میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ مضامین بہت ہیں اور دل میں بہت کچھ کہنے کی آرزو ہے مگر کیا کیجیے
انفوس سے مرے درد دل کے ترانے بہت ہیں

شب وصل کم ہر فسانے بہت ہیں

مسئلہ رسالت | اب بیان رسالت کا شروع ہوتا ہے۔ چھ سات لفظوں میں مسئلہ رسالت کا براہین
دلائل کے ساتھ بیان کر دینا تو خدا ہی کا کام ہے۔ میں اس قدر جامع ترجمہ کرنے سے

مجبور ہوں۔ نہ تو اردو زبان میں اس طرح کشید معنی کو سمیٹنے والے الفاظ ہیں اور نہ مجھے ایسی قدرت حاصل
ہی پس لامحالہ اس کے ترجمہ و تفسیر سمجھانے میں مجھے آپ کے وقت کا ایک کافی حصہ لینا ہوگا۔ اور امید کرتا
ہوں کہ اخیر میں آپ بھی اپنی اس عطا سے ناراض نہ ہونگے۔

مسئلہ رسالت کی اسی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے پہلے اس مقدمہ کو سمجھئے کہ اجل ترین موجودات بالاتفاق بنی آدم ہیں
لیکن ایک عجیب لطف ہے کہ آدم کی اولاد جب کتم عدم سے جزو وجود میں آتی ہے تو ہر طرح کے وہ مسائل لوازم جو حیات کے لیے
یا اپنے ماسوا سے بہرہ مند ہونیکے لیے اسے چاہئیں ان میں سے ایک بھی اسکے پاس نہیں ہوتا۔ ہر شے کے حصول کے لیے
اسے ایک ماہ اور تہ معینہ چاہئے اور پھر یہ کہ قدم قدم پر ایک معلم کی تعلیم اسکی تیکر ہو۔ برخلاف اسکے دیگر حیوان بچے ان
کے جسم میں مشارک ہیں۔ وہ اپنے وجود کیساتھ تمام وہ مسائل جو انہیں ضرورت سے محفوظ رکھے دشمن کے حملے سے بچاسکے
اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اپنی غذا کی تمیز انہیں پیش کی جاتی ہے ساتھ ہوتی ہے ہر حیوان کو تم دیکھو گے کہ وہ اپنی غذا کو
پہچانتا ہے۔ اپنے دشمن کو شناخت کے تاہر۔ اپنے پر یا سر سے قدم کی مدد سے دشمن کی دس بھاگ سکتا ہے یا بچہ و دندان سے
اپنی آنسو لفت کر سکتا ہے۔ غرض حیوان کو جو کچھ بھی ہونا ہے وہ سب ایک لنگی ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ اسکی تمام تر ترقی صرف اس
میں منحصر کہ وہ اپنی نوع کو قائم و باقی رکھے اس لیے اسے صرف خزانہ الہیہ اس قدر چیر میں جو دیکھتا ہے ساتھ عطا کر دیتی
ہیں چکا ہونا محفوظ وجود بقائے نوع کے لیے ضروری تھا۔ مگر انسان کی اپنی پیدائش کی وقت سادہ منحصر ہوتی ہے اسکے وجود کا مقصد
صرف یہی نہیں ہے کہ اپنے آپ اپنی نوع کو قائم باقی رکھے بلکہ اسکی سطح اس کی بلند تر بنانی ہے۔ اس لیے اس عالم میں بتدریج

عالم "محبوب کے غیر کے خیال سے دل کو محفوظ رکھو، شب و روز محبوب کے لیے گریہ و زاری کرتے رہو۔"

عاجل ترین موجودات۔ مخلوقات / کائنات میں بزرگ ترین یا نہایت بڑی شان والا | مشارک۔ شریک ہونے والا، سماجی
ع۔ خر۔ گرم ہونا (۲) گری | ۵۔ سرد۔ سرما، سردی (۲) جاڑے کا موسم (۳) سرد

ایک چیز کا عالم ہوتا جاتا ہے اور اپنی ترقی کی رفتار سے لیکر تا محدود جاری رکھتا ہے جس انسان نے اپنے خلق کے اس ازل کو سمجھا ہے تو حقیقتاً انسان رہا اور نہ اس کا وجود صورتاً انسان اور حقیقتاً حیوان سے بدتر ہو کر اس مسئلہ کافی بیان تقریر آئندہ کے کسی حصہ میں آئے گا۔ اس وقت مجھے صرف مسئلہ تعلیم کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے تاکہ صرف ضرورت رسالت پر بھی طرح سمجھ میں آجائے۔

انسان میں پانچ حواس ظاہری (بصرہ۔ سامعہ۔ ذہنیہ۔ شامہ) اور پانچ حواس باطنی (حس مشترک۔ دہم۔ خیال۔ حافظہ۔ متصرفہ) ودیعت کئے گئے

ہیں اور یہ حواس عشرہ کم و بیش سب میں پائے جاتے ہیں ہر حواس کا کام علیحدہ ہے اور ہر ایک کا ان میں سے ادراک جداگانہ۔ ایک حواس اگر ضائع ہو جائے تو دوسرا اس کا قائم مقام ہو کر اس کے کام کو انجام نہیں دے سکتا سب سے پہلے انسان میں حس لامسہ پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ حواس کام کرنا شروع کر دیتا ہے تو انسان کو اس عالم کا علم ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کا تعلق حس لامسہ سے ہے۔ اس کے بعد حس باصرہ پیدا ہوتی ہے اور اب ایک دوسرے عالم کا علم جو پہلے سے بہت زائد وسیع و دلچسپ ہے اس کے معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ پھر حس سامعہ اس میں پیدا ہو کر نعمات اصوات کا عالم سے بتاتی ہے۔ اس کے بعد حس ذہنیہ اس کے بعد حس شامہ۔ الغرض پانچ حواس آہستہ آہستہ یکے بعد دیگرے انسان میں پیدا ہو کر اسے پانچ عالموں کا عالم بنا دیتی ہیں۔ اب جب کہ وہ تقریبات برس کا ہوتا ہے تو اس میں ایک دوسرا حواس پیدا ہوتا ہے جسے تمیز کہتے ہیں۔ اور اب اس وقت تمیز سے وہ ان ہشتیا کا علم حاصل کرتا ہے جس کے بتلانے سے حواس بالکل عاجز تھے اس کے بعد ایک اور نیا حواس اس میں پیدا ہو کر اسے ایک اور ہی عالم میں پہنچاتا ہے اور اس کا نام عقل ہے۔

اب اس تمام مدت میں اگر انسان کو کوئی تشفیق و لائق معلوم مل جائے اور علوم مفیدہ کا اسے افادہ ہو تو وہ ان نعمات الہیہ کو جو حواس و تمیز و عقل کی صورت میں اسے عطا کی گئی ہیں، ان کو یہ کام میں لاتا ہے کہ خلقت انسانی کے بعض مقاصد ایک حد تک پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہستادہ ملا اور اسکی تعلیم صحیح اصول پر ہوئی، تو تمام نعمتیں برابہر ہو جاتی ہیں۔ اور ایک حیوانی زندگی اس کی رہ جاتی ہے۔ یہی بات ہے۔ اور مشاہدات اس پر شاہد عادل کہ انسان اپنے تمام لوازمات زندگی و معاشرت میں کسی معلم کا محتاج ہے اور یہ کہ اسی معاشرت و تمدن زندگی تعلیم ہی کا نتیجہ ہے۔ جنہیں تعلیم نصیب نہیں ہوئی، ان کی زندگی پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر گھسٹی چاہئے۔ نہ مکان ہے نہ لباس۔ نہ کھانے کا طریقہ نہ ذوق حاصل کرنے کے اصول

۱۔ حواس / ادراک کرنے والی قوت، جس کرنے والی قوت سامعہ، بصرہ، ۲۔ الافرہ۔ فیض (۲) فیض رسائی (۳) خبر پہنچانا، بہت کرنا، بات شروع کرنا ۳۔ نعمتیں، نعمت ۴۔ تمدن۔ مہذب (۲) اپنے والا

انہیں معلوم ہیں۔ غرض کہ بقدر نہان میں اترتے تعلیم و تعلم کا وسیع ہو گا۔ اسی قدر وہ اپنے تمام حواس سے اتر کر مفید کام لے سکیگا۔ لیکن انسان کی ترقی اسی جگہ ختم نہیں ہو جاتی۔ ہنوز ایک بڑا حصہ اُس کی زندگی کا نام تمام اُتر اور اُس حصہ کے تکملے کے لیے نہ ہو اس عشرہ کام دیتے ہیں۔ نہ قوت تیز فائدہ پہنچاتی ہے نہ عقل ہی پوری رہ سہی کرتی ہے۔ مولانا روم اُن جذبات کو بیدار کرنے کے لیے اس طرح اشارہ فرماتے ہیں۔ ۵۔

ہنچ جیتے بہت جزاں ہنچ جس + آں چو زرسخ دایں حسا چو جس
آینہ دل چوں شود سانی و پاک + نقشہ بلینی بروں از آب و خاک لے

یہ حصہ زندگی انسانی کا وہ عظیم الشان حصہ ہے کہ بدون اُس کے تمام تعلیم حاشہ رسالت و نبوت | و تعلم اور شہرت زندگی کا ترقی پذیر سونا عبت و لاسودہ ہے۔ اس حصہ کا تکملہ اس

طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے کسی ایک کو منتخب فرماتا ہے اور اُسے ایک ایسا حاشہ عطا فرماتا ہے جس کے سامنے تمام حواس سابقہ دست طلب پھیلائے معاشرت کے خواستگار ہیں۔ وہ حاشہ ان سب کے افلاطون کو پہنچاتا ہے خطا کاریوں کو جانتا ہے ان کے موقع زلات سے آگاہ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں یہ مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں یا تھک کر رہ جاتے ہیں تو وہ شخص (جسے منجانب اللہ وہ حاشہ عطا ہوا ہے) انہیں مغالطات سے آگاہ کرتا ہے اور اُن کے تاریک استوں میں ایک شمع رکھتا ہے۔ مینزل کو اُن پر آسان اور مطلوب کو اُن سے قریب کر دیتا ہے۔ اس حاشہ کا نام نبوت رسالت ہے۔ اور اُس شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اُس کو نبوت دیتا ہے عطا فرماتا ہے تو پھر وہ ان چیزوں کو دیکھتا ہے جس کو ہماری آنکھیں کسی طرح نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ وہ باتیں سنتا ہے جن کو سننے سے ہماری کان عاجز ہیں۔ وہ مضامین سمجھتا ہے جس کے تعقل سے ہماری عقول بے بہرہ ہیں۔ وہ اعلیٰ علوم ہی نسبت فوقانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دیکھتا ہے۔ اور خلق کو پھر وہ باتیں بتاتا ہے اور ایسی وہ صراطِ مستقیم کی دکھاتا ہے کہ جس بات کے سمجھنے سے ، اور جس راہ کے پانے سے انسان بدون اُس کی رہنمائی و رہبری کے مجبور و در ماندہ ہے۔ ہاں نور نبوت سے اگر انسان اپنی اُن مخفی قوتوں کو جس کی طرف مولانا روم نے اشارہ فرمایا ہے اور جسے صوفیہ لطائف کہتے ہیں مستی نہاتا ہے تو پھر وہ بھی عوام کی سطح سے اسی قدر بلند جاتا ہے جس قدر بصیرت بنیاد سے ارفع ہے۔ اس کا انکار بجز جاہل و متعصب کے کوئی نہیں کر سکتا۔ لہذا اب ہم دوسرے پہلو سے اس بحث کو صاف کرتے ہیں۔

ایک کامل دستور العمل کا معیار | انسان کی طبیعت تمدن کی معضنی ہے۔ اور چونکہ تمدن اقصائے طبیعت سے

(۲) روشن - طرز معاشرت بل کے رہنے کا طریقہ (۲) شہرت ہونا شہر میں رہنا سہنا اختیار کرنا (۳) شہر کا انتظام کرنا۔

۱ "ان حواس خمسہ کے علاوہ پانچ حواس اور ہیں وہ سونے کی طرح شہری اور یہ چاندی کی طرح۔ دل کا آئینہ جب صاف اور پاک ہو جاتا ہے تو اس میں آب و خاک سے پرے (درائے آب و خاک) کے نقوش نظر آتے ہیں۔" ۲ زلات (زل یا زلہ کی جمع) لغزشیں (۲) غلطیاں، خطائیں (۳) پھسلنا، لڑکھڑانا ۳ مغالطہ (جمع مغالطات) دعا، فریب، دھوکا، جھانسا، دم بکر (۲) کسی کو غلطی میں ڈالنا، آپس میں غلطی لگ جانا ۴ تعقل۔ کسی کام میں فکر کرنا، بات پر غور کرنا، سوچنا، سمجھنا (۲) خبر دینا، اطلاع دینا ۵ مستعیر۔ نور تلاش کرنے والا، روشنی کی طلب کرنے والا

اس لیے ہر وہ اصول جس کا تعلق تمدن سے ہو اور تمام وہ علوم جو تمدن کو بارونق بنانے والے ہیں ان کا بطبع ان کی طرف راغب وائل ہوتا ہے۔ اور اسی تمدن کے اقتضائے طبعی ہونے سے علم انسان کے لیے ضروری ہو گیا۔ اب یہاں پر یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ تمدن زندگی ایک بردست و کامل دستور العمل چاہتی ہے تاکہ معاملات بھی میں ایک دوسرے کے حقوق کی محافظت رہے۔ ایک کی صنعت و حرقت و کمال سے دوسرا بغیر اس کے کہ جانین میں سے کسی پر زیادتی ہو آپس میں متمتع ہوتے رہیں۔ انسانی پڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات کو اعتدال پر قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور حق تو یوں ہے کہ جذبات پر قوت حاصل کرنا اور انہیں افراط و تفریط سے بچانے رکھنا نہایت ہی دشوار ہے۔ انسان کا اس حال میں جب کہ نفس کا سخت حملہ ہوتا ہے عدل و انصاف پر قائم رہنا بہت ہی اہم و مسرت الکر ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ مواخذہ کی نگاہ اسے دیکھ نہیں رہی ہے۔ پس اب جو دستور العمل کہ حیات انسانی کے لیے مقرر کیا جائے ان میں حسبِ قیل باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (اولاً) اس کے دستور اور قواعد ایسے ہوں جو ہر طبقات انسان کے طبائع کے مطالعے کے بعد بنے ہوں تاکہ ہر زمانے میں ہر مقام میں ہر اقوام میں وہ دستور العمل یکساں فائز پہنچائے (ثانیاً) وہ قواعد ایسے ہوں کہ جن پر عمل کرنا ممکن ہو اور اس پر عمل کا لازمی نتیجہ فلاح و بہبود ہو (ثالثاً) یہ کہ اس دستور العمل کی واضع وہ ذات ہو جس کی نسبت تمام آدمیوں سے یکساں ہوتا ہے اس میں کسی جماعت کی رعایت کی قرابت یا ہموطن یا ہم قوم ہونے کے سبب سے نہ کی گئی ہو۔ (رابعاً) یہ کہ واضع قانون کا علم اس قدر وسیع ہو کہ اسے عمل کرنے والوں کے حال سے ہرگز خبر نہ رہتی ہو۔ (خامساً) یہ کہ اس کا دائرہ حکومت اس قدر وسیع ہو کہ جس سے نکل کر بھاگ جانا محال ہو (سادساً) اس میں سزا و جزا کی قدرت تامہ ہو (سابعاً) سہو و نیان کو قصداً ارادہ سے جدار کہ سکتا ہو (ثامناً) اطاعت و عدم اطاعت کا اثر اس کی ذات یا اس کی سلطنت پر نہ پڑتا ہو (تاسعاً) کوئی دوسرا اس کا کسی امر خیر میں بھی شریک نہ ہو۔

الحاصل حیات انسانی کے لیے کامل دستور العمل تو وہی ہو سکتا ہے جن کا بنانے والا ان کمالات سے مستفید ہو۔ اور خود وہ دستور العمل اپنی ذات سے اس طرح جامع و سہل و سہل ہو۔ اب تم خود غور کر لو کہ یہ دستور العمل بنا کیا امکان پیش ہے۔ کیا کوئی سلطنت سرا و علانیہ یہاں تک کہ افعال قلوب پر بجز علم انہی کے محیط ہے؟ کیا کوئی طاقت عالم مبدع عالم برزخ عالم معاد تک سوائے قدرت خداوندی کے چھائی ہوئی ہے؟ کیا دنیا میں کوئی قوت ایسی ہے جس کا مقابلہ محال ہو۔ پس اسی لیے اس جمل مجدہ نے جس نے انسان کو پیدا کیا

۱۔ مبدع۔ شروع کرنے والے کی جگہ، ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۲) شروع، آغاز (۳) بنیاد، اصل (۴) آغاز کرنے والا، پیدا کرنے والا۔
 ۲۔ عالم برزخ۔ موت اور قیامت کے درمیانی عرصہ کے لیے روحوں کے رہنے کا مقام۔ معاد۔ لوٹ کر جانے کی جگہ، واپس جانے کا مقام، جانے کا وقت (۲) (مجاہد) عقبی، آخرت، حشر، قیامت، عاقبت

اُس میں جذبات عطا کیے اس کی طبیعت میں تمدن کا اقتضا خلق فرمایا۔ اسی نے اُن کے لیے ایک کامل دستور اپنے رسول کی معرفت بھیجا جس کو اصطلاح شریعت میں وحی کتاب اللہ کہتے ہیں۔ اس کتاب مقدس میں اصلاح معاش و فلاح معاد کے اصول بتادیے۔ نیز ادا امر پر عمل کرنے والوں کو مشق و فضل اور نواہی پر جبارت کی نواہی کو اپنے عقاب کی تہدید بھی سنا دی۔ اس سے بھی آگاہ فرمادیا کہ سرکشوں کو جو خیر و نیک مہلت دیکر متعاقب دنیا کا حظ وافر دیدیا جاتا ہے اُس سے دھوکا نہ کھا جانا۔ وہ عذاب الہی کا پیش خیمہ دویا چہ ہے۔

تَسْمُوا ذِكْرًا رَبِّهِ فَتَعْنَاهُمْ لَبُوبًا أَلَيْسَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ

عجب ان باتوں کو جو یاد دلائی گئی تھیں جلد دیتے ہیں تو ہم ہر چیز کی کامیابی کے درد ازیں ان پر کھول دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ان کامیابیوں پر خوش ہونے لگتے ہیں تو ناگہاں ہم ارباب طرح انہیں پکڑ لیتے ہیں کہ بے آس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جن قوموں نے نافرمانی اپنا متعاقب اختیار کیا رکھا تھا۔ اُن کے عبرت ناک واقعات بیان کر کے اچھی طرح ظاہر فرمادیا کہ کون کون سے سبب اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں قرآنی قصص سے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اُس سے کسی خاص نتیجہ کی طرف دلالت دلائی مقصود ہوتی ہے۔ یعنی معنی سنو احوال ان گلوں کا سبق لو اور کرد و عبرت۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں اس کی حاجت تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک مکمل دستور لعل ہمارے پاس بھیجے تاکہ کسے ہم اپنا دلیل راہ ہدایت بنائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے محسن اپنے فضل و کرم سے اپنا کلام اپنے حبیب کی معرفت ہم تک بھیجا۔ اور اُس کلام ربانی کا نازل ہونا تھا کہ دنیا میں ہل چل بیٹھی گئی۔ اور ایک انقلاب عظیم عالم میں پیدا ہوا۔ اب جو دنیا بن مسنور کر نکھری تو یہ وہ دنیا ہی نہ تھی۔ مگر افسوس ہے دنیا پر کہ اُس کا چہرہ پیر نہاد جسوں سے اظہار ہوتا جاتا ہے۔ اُس دستور لعل سے معاصی ہیں بہت کچھ درد ہٹا کر لے آئے ہیں سے

سننے دے ذرا سنے ناتوانی یہ کیا قیامت ہے

کہ دامن خیال یا چھوٹا جائے ہے مجھ سے

حضرات! یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ اور خوب یاد رکھئے کہ پوری تمدن زندگی اور صحیح و سچی حیات انسانی جمی حاصل ہوگی جب کہ بارگاہ نبوت سے تعلیم حاصل کی جائے۔ اور اُس قدر علم کا حصہ

علاء عبدالرحمن بن محمد بن خالدون (۱۳۳۲ تا ۱۴۰۶ء) ۵ دستور لعل۔ قاعدہ، قانون، ہدایت نامہ ۹ معاصی (معمیت ناسخ) نافرمانیاں، نگاہ پاپ، قصور و غلطیاں۔

عقاب۔ عذاب دینا، دکھ، تکلیف ۲ تہدید۔ تنبیہ، سرزنش، گھر کی، ڈرانا، خوف دلانا، دھمکی (۲) دھمکانا ۳ تمہدات (تمتع کی جگہ) ناندہ اٹھانا یا حاصل کرنا (۲) استعمال کرنا (۳) پھل پانا (۳) نفع، ناندہ، بہرہ (۵) لذت، فرحت، خوشی ۴ حظ۔ حصہ، خرچہ، بہرہ، قسمت، نصیب (۲) خوشی و خرمی، انبساط (۳) ذائقہ، لذت ۵ الانعام: ۴۴

۱ "آپ اللہ کے دستور کے لیے ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔" (الفتح: ۲۳، الاحزاب: ۶۴، قاطر: ۴۳)

جس کی تعلیم مختص انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہی اور جس تعلیم کے لیے ان کی بعثت ہوتی ہے۔ اگر نہ حاصل کیا جائے تو اگرچہ دیگر علوم و فنون سے آپ ال مال ہی کیوں نہو جائیں مگر حقیقت میں آپ مفلح ہی رہیں گے۔ گویا ہر آپ کی حیات انسانی معلوم ہوگی مگر حقیقت میں یہ اس کا ذخیرہ و قالب بیان ہوگا جو واقعہ میں بیکار و لا سود محض ہے جس طرح جسم بلا روح مردہ ہے اسی طرح تمام علوم بغیر تعلیم رسالت مردہ ہیں۔ ہمارے تمام علوم مدونہ ہمارے کسب کے نتائج ہیں۔ اس لیے ان میں خطاؤں کا نہ صرف احتمال بلکہ وقوع ہوا کرتا ہے۔ ہمارے علوم میں یہ قوت کہاں کہ جس سے روح کا تغذیہ ہو۔ برخلاف اس کے پیغمبر کے علوم وحی الہی چوتھے ہیں۔ عصمت اس کی ذاتی صفت ہوتی ہے۔ اس کے علم میں نفس کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اس کا علم اخلاط سے پاک اور نقص سے متبرک ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ سراپا رشد و ہدایت ہوتا ہے۔ اسی امر کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے: **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَدَفَعْنَا بِاللَّهِ شَهِيدًا**۔ بعد اس کے کہ اس قدر بحث آپ رسالت کے متعلق سن چکے۔ اس بات کی طرف ذرا توجہ فرمائیے کہ وہ کونسی رہنمائی و ہدایت تھی جسے لیکر ہمارے پیغمبرِ روحی فداہ تشریف لائے۔ تاکہ **لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** اچھی طرح آپ سمجھ جائیں۔ اس کے لیے مختصر جملوں میں پہلے عرب کی حالت، ایام جاہلیت کی سنا چاہیے۔ اس وقت اس ہدایت کے غلبہ و عظمت کا حال معلوم ہوگا۔

بعثت کے وقت عربوں کی حالت علمی یہ تھی کہ کل چھپتے سات آدمی مکہ میں ایسے تھے جو امتدیر رکھنا پڑھنا جانتے تھے جس سے کاروبار تجارت ان کا پہلا اور اس کا علاج ہے۔ اس لیے کہ نژاد و خاندان کے خیال میں شیوہ اراذل تھا جنہیں نہ غیرت ہو نہ شجاعت۔ تمدن و معاشرت کی ان کے یہ حالت تھی کہ چمڑے کے خیمے ان کے مکانات تھے۔ بکریوں اور اونٹ کے گلے ان کی معیشت۔ جہاں سبزہ اور پانی دیکھا وہیں خیمہ نصب کر دیا ایک موسم میں یہاں ہیں تو دوسرے موسم میں وہاں سلطنت کی ان میں یہ حالت تھی کہ نہ کوئی ان کا باضابطہ بادشاہ تھا اور نہ ان پر حکومت کرنے کے لیے کوئی قانون۔ قبائل کے شیوخ سردار ہوتے۔ کبھی کسی کی اگر جمعیت زیادہ ہوگئی اور دل خوش کن لقب سلطان کا اس نے قوم سے حاصل کر لیا تو چند روزیں کسی معمولی بات پر کوئی قبیلہ اس سے الجھکر اس کا اور اس کے خاندان کا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس لقب خطاب کا خاتمہ کر دیتا۔ قصائد و شعرا جاہلیت کے ان تمام باتوں کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اب ایسے حال میں جب کہ قوم یہ

۱۔ مفلح۔ مفلح، فریب، نادار جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مفلح، بے درج، ڈھانچ۔ خاکہ، قالب، ڈول، بے پٹہ پنک، چار پائی، کرسی وغیرہ کا چوکھٹا ج۔ مدونہ۔ جمع کیا اور کیا گیا ترتیب دیا گیا ہے تغذیہ۔ غذا/خورد۔ دینا، پالنا (۲) غذا، خورش
 ۲۔ "اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین عطا فرما کر بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔" (الحج: ۲۸)
 ۳۔ اراذل (ارذل کی جمع) بڑے رذیل، کینے لوگ، نالائق، بچ، کم ذات، اداوتے

و سلطنت ہر تہ تمدن نہ علم نہ امن نہ اتفاق، رسول مبعوث ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کو ہر حال سے پست اور ہر پہلو سے ضعیف پاتا ہے۔ اُس کے گرد و پیش قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں جہاندار کی دجانبانی کا پھریرا اڑا رہی ہیں۔ ایران کی نفاست پسندی اپنے معاشرتی نامزد کرشمے کی بہاریں دکھلا رہی ہے۔ یونان و اسکندریہ کا بزرگ فلسفہ موجدین بار رہا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پیغمبر قوم کو ان سب میں سے کس شے کی طرف بلاتا ہے۔ ایک ایسی قوم جو تمام کمالات انسانی سے خالی و عاری ہو گئی ہو اور دوسری مقابل قومیں بعض کمالات اپنے آپ میں رکھتی ہو رسول نے اُس وقت میں اپنی قوم کو کیا رہنمائی کی۔ آیا ان سے یہ کہا کہ اے قوم اٹھو۔ تلوار و نیزوں کو سنبھالو اور توہمی ایک ملک گیر جہاندار کی حیثیت مثل قیصر و کسریٰ کے اپنے میں پیدا کر۔ یا یہ کہا کہ اے قوم پتھر و ٹکے بھینے گوشت اور اونٹوں کے کوٹان کا کباب بکتا۔ یہ چپسٹے کے نصیے میں لہنا کہاں تک بیدار ہو اور کم از کم ایران صبی معاشرت تو اختیار کر۔ یا یہ کہا کہ اے اہل عرب یہ جہالت سے اُس اور علوم و فنون سے وحشت مابکے ہمت کر دو اور رشک اسکندریہ و یونان مکہ کی وادیوں کو بنا دو۔

دیکھئے قوم سراسر مریض ہے بیماریوں نے کوئی حصہ جسم کا چھوڑ نہیں کھا ہے۔ اب اس وقت علاج کوئے مرض کا کیا جائے جس سے تمام بیماریاں خود بخود زائل ہو جائیں۔ آیا اُسے جہالت کے مرض سے علوم عقلیہ پر حکرت شفا ہو۔ یا تمدن کی مفرحات دیجائیں یا سلطنت کا جو اہر مہرہ اُسے استعمال کرایا جائے۔ مرض یہ کہ کیا کیا جائے جس سے یہ مریض نہ صرف صحیح و تندرست ہو جائے بلکہ دوسرے مریضوں کے لیے اُس کا وجود اکیسرا عظیم بن جائے۔ تو اس کا صحیح جواب و سچا جواب وہی پہلی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی جو سب سے پہلے اپنے اپنی قوم کو فرمائی۔ وہی حقیقی علاج تھا اُس قوم مریض کا اور وہی سچی شاہ راہ تھی ترقی کی اور وہی کلیدی خزان تمدن کی۔ کیا تم سے وہ اولین تعلیم غنی و مجبول ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کہہ آٹھو **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ** اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی تھا سراسر مریض قوم کا علاج کہ **اِنَّا کُنَّا نَمُوتُ وَ اَنْزَلْنَا الْحَیْہَۃَ عَلَیْکُمْ لَعَلَّ کُمْ تَقْوٰی** اللہ تعالیٰ نے اپنا رشتہ خدا سے درست کر لیا تو پھر وہ تمام تعلقات جن کا علاقہ مخلوق یا کائنات کیساتھ تھا خود بخود سلجھ گئے اللہ سے بعد ایسا بدبخت مرض ہے کہ جس کے سبب انسان تمام بھیدیوں کا آماج گاہ بن جاتا ہے۔ اور جب اس کا علاج کیا چاہو تو اس بیماری کی دو انفس کو تمام دواؤں سے زائد کڑوی و کسلی معلوم ہوتی ہے۔ اور اس لیے نفس اتارہ اس سے سخت ابا کرتا ہے۔ اس وقت میں ہی تم دیکھو گے کہ انسان کو علوم مدونہ حاصل کرنا آسان ہے۔ معیشت کا سامان فراہم کرنا بھی سہل ہے۔ ان چیزوں کے حاصل کرنے کا خود بھی

۱۔ مفرحات۔ وہ دوائیں، جن سے طبیعت کو فرحت اور خوشی حاصل ہو۔ ۲۔ جو اہر مہرہ۔ اہل فرنگ چند دواؤں سے ترکیب دے کر بہت سے رنگوں کی ایک گولی بناتے ہیں، جس میں تریاق کی خاصیت ہوتی ہے۔ ۳۔ اکیسرا۔ کیا (۲) کسی بیماری کے لیے جلد اثر کرنے والی اور بے حد مفید دوا ہے۔ ۴۔ مجبول۔ غیر معلوم، گم نام، نامعلوم (۲) انجام، تارانتہ شدہ (۳) وہ فعل، جس کا فاعل معلوم نہ ہو۔ ۵۔ صحیح المسلم، جلد اول، کتاب الایمان۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، طبع ثانی، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء، ص ۳۷۔ ۱۔ آماج گاہ۔ نشانے کی جگہ، نشانہ لگانے کا مقام

دلولہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی جوشیں لاسکتے ہیں۔ لیکن خدا کا خوف دل میں پیدا کرنا اور اس کو حاضر و ناظر جانکر اپنے معاملات و اخلاق کو درست کرنا نہایت ہی کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ پس رسولؐ نے اصلی مرض کی تشخیص کی اور اس سے صحت یاب ہونے کے لیے ایک قلع توحید کا تیار کیا۔ قوم کڑوی قلع دو ادیکھ کر بہت کچھ مٹی منہ موڑا ہاتھ پاؤں پھینکے لیکن پیغمبرؐ نے اللہ شانہ اللہ کافی کہہ کر وہ پیالہ منہ سے قوم کے لگا ہی دیا۔
اب کیا تھا

سستی پیدا کرو دو نیم شب

سستی ساتی روزِ محشر با مداد

دوا کا حلق سے اترنا تھا کہ صحت کے پھل امارت کو دار ہوئے۔ ہر طرف سے رحمت کے دروازے کھل پڑے۔

علوم و فنون کی باگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی اور سرورِ سلطنت پر بھی قبضہ ہو گیا۔

فتوحاتِ اسلامیہ اور علوم مدونہ عربیہ اس وقت تک اُن پاکبازوں کے کمالاتِ مجاہد جلال کا نہایت بلند انگ سے اظہار کر رہی ہیں۔ وہ دنیا سے چل بسے لیکن اُن کی مہربانیاں اُن سے آئندہ انیوالی نسلوں کے لیے ہمیشہ شکر یہ ادا کرانی رہیں گی۔

ہرگز نہیں روان کہ دلش زندہ شد عشق

ثبت است بر جبین عالم دوام ما

اسلاف اور اخلاق

تم دیکھو گے کہ جب تک مسلمانوں نے اطاعتِ الہی کو اپنا شعار رکھا اور

سزا و عذابِ خدا کے بھیجے ہوئے دستورِ عمل کو اپنا نصب العین بنائے رکھا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ اُن کے پیش نظر رکھا اور اُس وقت تک اُن کی ترقی برقی رفتار ہی

آج جس چیز کی بنا پر مسلمین میں کسادِ بازاری ہو چکی ہے اور اولیٰ میں اُس کی ایسی فراوانی تھی کہ اپنے توفیر اپنے

ہی تھے بیگانوں تک کے گھروں کی رونق انہی مسلمانوں کے عطیات کا نتیجہ تھا۔ دیکھئے آج یہ رونا ہے

کہ مسلمان تمام اقوام سے تعلیم میں پیچھے ہیں اور اس قدر موخر اور اس قدر پستی پر ہیں کہ یہ بھی نہیں کہا

جاسکتا کہ یہ اُس قوم کے جوان کے دوش بدوش آباد ہو کر کب تک ہم سفر و ہم منزل ہونگے چہ جائے کہ

اُن اقوام کے پہلو میں جگہ پانے کے قابل ہوں جو اس وقت سرنگدگ ہیں۔ اور ذرا یہ دیکھو کہ مسلمان

جب کہ سچے مسلمان تھے تو کیا اسی طرح اُن علومِ دنیاوی سے بے نصیب تھے۔ اس کے لیے زاہد مطلقاً

کسادِ بازاری۔ بازار میں خرید و فروخت نہ ہونا، بازار مند اور ہوتا، بکری کا نہ ہونا۔ یعنی البسیر۔ دیر سے دیر سے چلنے والا، جس کی رفتار سست ہو۔ ۱۔ دوش بدوش۔ کندھے سے کندھا ملا کر (۲) افتخار سے

۱۔ قدح۔ بڑا پیالہ (۲) سفر، پیمانہ، جام (۳) ہادیہ ۲۔ مٹی (چلانا) طبیعت کا تے پر نائل ہونا، تے کرنے کو بی چاہنا، مالش کرنا، ستلانا، ابا کی آنا ۳۔ شراب کا بہت آجی رات کو بے دار اور جاتا ہے، ساتی کا مست روزِ محشر کی صبح کو۔ ۴۔ سریر۔ ہادشاہی ملک، تخت، سنگھاس ۵۔ (حافظ) "جس کا دل عشق سے زندہ ہو، وہ کبھی نہیں مرتا۔ کائنات کے پیچھے ہمارے ہنگامی مثبت ہے۔" ۶۔ شعار۔ طریقہ، دستور، عادت، طرز

کی حاجت نہیں ایک سرسری نظر عہد مامون الرشید پر ڈالو۔ خود ہی معلوم ہو جائیگا۔ حدود اسلامیہ کی ماموں کے دور سلطنت میں دعوت کو خیال کرو۔ تمہیں ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ملے گا۔ ایسے ایسے مدارس اعلیٰ و عظیم شان تم پاؤ گے جن میں ہر ایک اپنی ذات سے ایک یونیورسٹی کا حکم رکھتا ہوگا۔ بغداد کا چہ چہ تمہیں سائنس کا مرکز معلوم ہوگا۔ اس عہد میں کتنے علوم ایجاد ہو چکے تھے اور کتنے فنون میں کتابیں تصنیف ہو چکی تھیں۔ تا تاریخوں کے حملے اور بغداد کی تباہی کے بعد بھی اگر ان کی فہرست تیار کی جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب کی شکل میں مرتب ہو سکتی ہے۔ اس عہد میں علم کیسے کے متعلق مسلمانوں نے تفسیر (عرق کھینچنا) تصعید (نجانہ منجمد کر کے اڈرانا) تیسج (پھلانا) تردیق (چھاننا) وغیرہ وغیرہ ایجاد کر لیا تھا۔ زمین کی پیمائش ہو چکی تھی۔ مناظر و مرایا۔ جزیل و توازن، مائعات پر محب و نکش تحقیقات ہوئی تھی غرض قطع نظر ان علوم کے جن کا تعلق براہ راست مذہب سے تھا یا جو مذہبی علوم کے خدام و مہتمم تھے۔ تم ان علوم میں جنہیں عقلیہ کہا جاتا ہے مسلمانوں کا ایسا بلند منصب پاؤ گے کہ اس وقت تمہیں حیرت ہوگی کہ کیا یہ وہی قوم ہے جو کیسوت تمام دنیا میں سب کی ہستاد تھی اور آج شاگردی کے قابل بھی نہ رہی۔ اس عہد کے عام مذاق کا اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ہر رئیس اپنے مکان کی زینت کتب خانہ کو اور اپنی مجلس کی رونق مذاکرہ علمیہ کو سمجھتا تھا۔ امر کی جماعت عموماً ناؤ نوش و فضول و لایعنی باتوں میں اوقات صرف کیا کرتی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں علم کی ہمہ گیری سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ علمی کتابوں کا ہونا دقیق مسائل پر مباحثہ قائم کرنا اور خود بحث میں متفقانہ حصہ لینا لوازمات امارت سے تھا۔ گلی کوچوں میں سے بھی اگر کوئی گزر جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ سیکھ ہی لیتا ہے۔ یہی حال صنعت و حرفت و تجارت کا تھا۔ ہر شخص اپنا کسب کرتا اور اپنی رونق اپنے دست و بازو سے حاصل کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت کہ "السؤال بذل زماننا خواری ہے" ہر شخص کو یاد تھا۔ اور اس پر خلق اس شدت سے عمل تھی کہ اگر کسی کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو سوار خود گھوڑے سے اتر کر اسے اٹھاتا تھا۔ کسی دوسرے سے اٹھانے کو کہنا داخل سوال سمجھا جاتا تھا۔ مجھے اس پر ایک واقعہ عہد رسالت کا یاد آیا۔ ایک مجلس شخص دربار رسالت میں حاضر خورد و نوش کے لیے سوال کرتا ہے۔ آپ اس سے فرماتے ہیں کہ تیرے گھر میں کوئی سامان ہے جو اب نئی میں ہوتا ہے۔ دوبارہ فرماتے ہیں کہ کچھ تو ہوگا۔ غور کرو۔ غرض بہت فکر و خوض کے بعد اس نے سوچ کر عرض کیا کہ ہاں ایک فرسودہ پالان رکھا ہوا ہے اپنے فرمایا کہ اسے لے آج اس نے سامنے لا کر جان کر دیا تو اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس محتاج کے کہنہ و فرسودہ پالان کو خریدے۔ ایک صحابی نے

۱۔ جزیل۔ بخاری بوجھ کو آسانی سے اٹھانے کا علم، جزیوں کا علم (۲) بخاری بوجھ۔ توازن۔ دو اشیا کا باہم برابر اور وزن ہونا (۲) برابر قول کر لینا (۳) تناسب۔ مائعات (جمع کی جمع) بے مال چیزیں جیسے پانی، تیل وغیرہ
۲۔ مساظ (واسط کی جمع) لے، واسطے، دیکھو، سبب۔ توازنات (لازم کی جمع) ضروریات۔ مائعات۔ علامت نشانی۔ یہ الفاظ مہربا استعمال ہوئے۔ فرسودہ۔ گھسا پھٹا، گھٹا ہوا، بہت پرانا، برسینا
۳۔ پالان۔ بارش جانور کی کاٹی، ٹاٹ اور نندہ وغیرہ جو بار بار دراری کے گدھے گھوڑے اور نٹ وغیرہ کی پشت پر اس کے پچاؤ کے لیے ڈالا جاتا ہے۔

۱۔ خلفاء عباسیہ کے ساتویں خلیفہ مامون الرشید بن ہارون الرشید (۱۹۸ء تا ۲۱۸ء) علوم عقلی و نقلی میں تمام خلفاء بنو عباسیہ سے بڑھ کر تھا اور سخاوت و شجاعت میں مشہور نام ہے۔ اقلیدس کا ترجمہ اسی نے کیا۔ ۲۔ ۱۲۶۰ء تا ۱۲۵۸ء ح۔ مناظر (منظر کی جمع) تماشا گاہیں (۲) دیکھنے کے لائق مقامات، سین، نظارے ح۔ مرایا (مراة کی جمع) خلاف قیاس، آئینہ، منہ دیکھنے کے شیشے، برتن

دو درہم قیمت دیکر اسے خرید لیا۔ اپنے ایک درہم اسے دیکر فرمایا کہ جا بازار سے ایک کھماڑی خرید لا۔ جب وہ کھماڑی لے آیا تو اپنے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا ایک جینٹ لگا دیا، اور اس سے کہا کہ ایک درہم جو بچا ہوا ہے وہ اپنی بی بی کو جا کر دے تاکہ آج کے کھانے کا وہ اس سے سامان کئے اور تو کھماڑی لیکر چل جا، اور کھماڑیاں لا کر بازار میں فروخت کر، اس طرح اپنی روزی اپنے قوت بازو سے پیدا کیا کر۔ خیال کرنا چاہئے کہ اسلام نے کہاں تک ہمیں باغیرت اور کہاں تک کاربارگی بتانا چاہا تھا، مگر ہم نے اپنے آپ کو کیا بنا ڈالا۔ افسوس تباہی خود ہم اپنے اوپر لائیں اور اتہام اسلام پر رکھیں۔

اب جب کہ مسلمان اپنے اس دستور العمل سے، جو خدا نے ان کے صلاح معاش و معاد کے لیے بھیجا تھا، ہٹنے لگے تو سب خرابی آہستہ آہستہ ان میں آنے لگی۔ زبردست زبردستوں پر ظلم کرتا، ایک دوسرے کے حقوق کا کھانا کرتا، اس سے فساد و ناہفت آتی پیدا ہوئی، امن عامہ میں خلل واقع ہوا جس سے علم و صنعت کی سردبازاری ہونی شروع ہو گئی۔ اسی طرح ایک ایک نصیحت پر عمل چھوٹا گیا اور توتو خرابیاں آتی گئیں۔ اب نہ علم ہی نہ تجارت، نہ صنعت ہر نہ زراعت، ہائے ہائے کیا کرونا اسلام کے کارنامہ پر مسکرا کر فخر و مباہلات کرتے ہو، اس سے کیا ہوتا ہے۔

عزیزو! جس طرح کل گزشتہ کا کھانا آج کی بوک کہ دفع نہیں کر سکتا، اسی طرح گزشتہ اقبال کا تہ کرہ آج ہیں اقبال آئندہ نہیں بنا دے گا۔ جس طرح میت پر زور نہ کرنے سے اس کی مباحبت نہیں ہوتی اسی طرح ہائے ہائے کرنے سے وہ نعمت اسلامی واپس نہیں آتی۔

عربی اگر یہ گریہ میترشدی وصال

صد سال می تو اوں بہت گزشتن

ہاں اس چیز کو پھر حاصل کر دہیں کے طفیل میں سب کچھ آگیا تھا البتہ اس کے ترقی حال ہی اور یہ استیصال کا علم میں نہیں دے رہا ہوں بلکہ قرآن کریم کا یہ سنتوی ہے! اور یہ وہ فتوے ہے جس کا مشاہدہ تم ہر روز ہر شخص میں کیا کرتے ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَظٰلِمٌ لِّلظٰلِمِيْنَ (۲) ان جہالت کو ہمارے نفوس میں و رعیت کئے گئے ہیں جب تک ہم ہمیں راہ اعتدال پر نہ لائیں گے، ہرگز ترقی کا سفر نہ ہو سکتا۔

۱۔ جینٹ۔ دست کھماڑی وغیرہ میں لگی ہوئی لکڑی ۲۔ کارباری۔ کام کاج کا آدمی (۲) سوداگر، تاجر، تجارت پیشہ۔

۳۔ اتہام۔ بہتان، الزام، تہمت تراشنا ۴۔ صلاح معاش و معاد۔ آخرت/عقبی اور جائے زندگی یعنی دنیا کی بہتری و بھلائی۔

۵۔ مباہلات۔ یعنی، بڑائی، فخر، ناز کرنا (۲) شان و شوکت (۳) اترانا ۴۔ اقبال مند۔ خوش قسمت، خوش نصیب (۲) رہد ہوالا۔

۶۔ (عربی شیرازی) "اے عربی! اگر گریہ و زاری سے وصال میرا ہو سکتا تو حصول دعا کے لیے سو سال رونا بھی ممکن تھا۔"

اصول ترقی اور اذہم اپنے ترقی کے اصول قرآن کریم سے ہیانت کریں مجبورہ بتائے اسی راہ پر چلنے
قرآن کریم کی کوشش کریں اگر اس سچی کا نتیجہ اس قدر ہی ہو کہ ہم اپنی موجودہ حالت سے انخطاط

نہ کریں اور روز افزوں پستی سے نجات پا جائیں تو شاید اس وقت آگے بڑھنا بھی آسان ہو جائیگا اس وقت تو
ہر لمحہ میں فنا کے میل میں نہانے لے جا رہا ہے۔

گرے جلتے ہیں اپنے آپ نظر لگا ستم ہے
بدل جاتے تو کچھ رہتے رہتے جاتے ہیں غم یہ ہے

قرآن کریم ہمیں یہ راز اس طرح بتاتا ہے کہ اگر ہم اپنی اس نسبت کو جو ہمیں اپنے خالق سے ہونی چاہیے اور اس
تصرف کو جو ہمیں کائنات پر اللہ کی جانب سے عطا ہوا ہے صحیح طور پر درست کر لیں تو پھر وہی ہم ہیں اور وہی قبائل
اس کے لئے (اولاً ہمیں اپنی استعداد (ثانیاً) اپنا جائز تصرف معلوم ہونا چاہیے۔ ان میں سے ہر ایک کو قرآن
سے تسلی کا یہ اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق عطا فرمائے۔

کلام اللہ میں عزم مجاہد نے ہمارے استعداد سے اس طرح ہیں آگاہ فرمایا ہے کہ لے انسان تیری ساخت
سب سے بہتر نہیں بنائی ہے! اب اگر تو اپنے آپ کو جزا کر لگا تو اس کا تو خود ذمہ وار ہے اور اگر میری بتائی راہ پر
زندگی بسر کریا تو میرے اجر کا سلسلہ غیر متناہی ہوگا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ
أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ اس سے یہ تو معلوم
طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر ایمان و عمل صالح ہے تو پھر اجر کا سلسلہ غیر متناہی ہے اور اگر نہیں تو پھر خوبی و کمال کا تو ذکر ہی
کیا اپنی اصل خلقت پر بھی قیام نامکن ہے، اسْمُفَلِّحِينَ فِي مِثْلِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ قَالُوا بَلْ لَمْ يَكُن لَكُمْ آيَاتٌ أَنْ تَقُولُوا
استعداد ہے کہ ہم اپنے آپ کو جیسا چاہیں ویسا بنا سکتے ہیں۔ استعداد انسان کے متعلق اسی قدر پر کفایت کیجئے۔

انسان اور کائنات اب اپنے اس تصرف و تعلق کو دیکھئے جو انسان کا کائنات کے ساتھ ہے۔ اس تعلق کے

عالم کے تعلقات

میں ہمارے سوا جس قدر مخلوق ہیں خواہ وہ عباد یا نبات یا حیوان ہوں خواہ کائنات الجہ کے موجودات ہوں
مثل حساب و باران وغیرہ خواہ عالم علوی کی چیزیں ہوں مثل آفتاب، ماہتاب، نیر و ستاری وغیرہ سب کے
سب ہماری خادم ہیں اور ہم مخدوم۔ ہر ایک سے ہماری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور ہر ایک سے ہم اپنا کام
لیتے ہیں اور کام بھی اس طرح ہم ان سے لیتے ہیں کہ ان اشیاء کو کسی وقت اپنی خدمت کے عوض کا نہ تو کسی طرح

۱۔ انخطاط۔ کم ہونا، گھٹنا، نیچے اترنا، کسی چیز کا کسی طرف مائل ہونا، تزلزل، غیر متناہی۔ جس کی انتہا نہ ہو، بے حد ۲۔ اس میں ۶۵

۳۔ یعنی پھر انسانی کی وجہ سے انسان کو سب سے نیچے درجہ کی مخلوقات سے بھی نیچے کر دیا۔ (عزیز الحق کوثر ندوی، علامہ۔ جواہر البیان فی تفسیر

القرآن جلد دوم، مطبوعہ بنارس) ۴۔ کائنات الجہ۔ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلہ/خلا کی دنیا

خیال ہوتا ہے اور نہ ہم بالعوض آن کے کام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں گویا کہ ہم سراپا مزدوم ہی محترم ہیں۔ صرف آن کا استعمال میں لانا آن سے فائدہ حاصل کرنا ہی آن کی خدمت ہے۔ قرآن شریف ہمارے اسی تعلق کو یوں بیان کرتا ہے اَلْحَرِیصُ خَلِیْفَةُ سِمْوَ دُوسری جگہ فرماتا ہے وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَ خَلَقْنَاھُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ان آیات سے کرامت و خلافت انسان کی مسلم ہو چکی، اب آگے بڑھتے اور شاید فرماتا ہے تَسْتَخْرُکَہُمُ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُومُ مَسْخَرَاتٌ بِأَمْرِ رَبِّی الَّذِیْ انہ کے حکم سے شام کا چاند، آفتاب دن رات، سب تمہارے مسخر ہیں۔ پھر فرماتا ہے تَسْتَخْرُکَہُمُ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ اَبَحَسْرَ دِیَا وَ زَمِنٍ نُحْشِکُمُ وَ تَمْرِی اَبَحَسْرَ مَسْخَرٌ دِیَیْتِ۔ ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ عالم علوی تک کی پرستشکت چیزیں انسان کی مسخر ہیں، خود وہ زمین جس پر انسان آباد ہے اور سمندر جو دنیا کو گھر سے ہونے کے یہ بھی انسان کے مسخر ہیں، ان چیزوں میں انسان اگر تصرف کرے تو اس کا پورا حق ہے، لیکن زمین پر نباتات و حیوان بھی ہیں شاید ان پرستش کرتی و استماع کا دعویٰ غلط ہو اور یہ خود منصرف ہونے کی حیثیت رکھتے ہوں۔ آئیے اس کا فیصلہ بھی کام سے کر لیں۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ السُّوقَ الْمَاءِ اِلٰی الْاَرْضِ اَلْبُرْجِ فَیُخْرِجُ بِہِ مَرْدَعَاتًا کُلَّ مِیْنَةٍ لِّہُمْ اَنْعَامٌ مِّنْہُمْ وَ اَلْغَنَمُ مِنْہُمْ اَفَلَا یتَّبِعُونَ ہم اُفتادہ زمین پر پانی بہاتے ہیں اس سے زراعتیں پیدا ہوتی ہیں کچھ تو خود کھاتے ہو اور کچھ تمہارے جانوروں کے چارے ہوتے ہیں کیا میرے اس کرم کو نہیں دیکھتے اس سے یہ معلوم ہوا کہ زمین جو کچھ نکالتی ہے وہ سب ہمارے ہی لئے ہے، بعض کو ہم خود کھاتے ہیں اور کچھ حصے کو اپنے جانوروں کا چارہ بناتے ہیں۔ اب یہ حیوان ان کا بھی فیصلہ کر لیجئے وَ اَلْاَنْعَامُ خَلَقْنَا لَکُمْ فِیْہَا دِفْءٌ وَ مَنَافِعُ وَ مِنْہَا تَاکُلُونَ وَ لَکُمْ فِیْہَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرْمٰیُونَ وَ حِیْنَ تَسْرٰحُونَ وَ تَحْمِلُ الْاَنْعَامُ الْاَنْعَامَ اَلَّذِیْنَ لَمْ یَسْکُوبُوا بِالْغَیْبِ اِلَّا لِسَبْقِ الْاَلْفِیْنِ اَنْ تَمُوتَ لَمْ یُرَوْا لَیْسَ لَکُمْ لَرُوفُ الْحٰجِمِ وَ الْخِیْلِ وَ الْبَعَالِ وَ الْحَمِیْسِ لَنْ تَکْتُوبُہَا وَ شَرْمِیْنِہُ وَ تَحْمِلُ مَا لَا تَعْمَلُونَ غَلَامَہُ وَ مَغْسَرٌ تَرْمِیْہُ اِسْ کَا یَہُ کَہُ چار پاتے ہیں لے تمہارے لئے پیدا کئے ہیں، ان سے گونا گوں نفع حاصل کرتے ہو، جاڑے کا سامان ان کے اون سے بناتے ہو بعض کو ان میں سے کھاتے ہو صبح کو وہ چرائی کو بہاتے ہیں یا شام کو جب واپس آتے ہیں تو ان میں ایک قسم کا جمال دیکھتے ہو یا تمہارا بوجھ کو ایک شہر سے اٹھا کر دوسرے شہر پہنچاتے ہیں جس کا لیجانا تم پر شاق ہوتا؛ گھوڑے یا چغیر، گیسے، تمہارے سواری کے لئے پیدا کئے، اور بہت چیزیں تمہارے لئے اللہ پیدا کر رہا ہے جسے تم نہیں جانتے۔

ہماری محذومیت کی غایت | اب تو ہر طرح اطمینان ہو گیا کہ یہ تمام چیزیں ہمارے ہی لئے ہیں بسبب

۱ "میں زمین میں اپنا نام بنانے والا ہوں۔" (البقرة: ۳۰) ج "اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو معزز کیا اور اسی شکل اور تری (دوریا) میں سوار کیا۔" (بنی اسرائیل: ۷۰) ج "انہل: ۱۳" ج مسخر- تسخیر/تالی کیا گیا، مطیع، فرماں بردار، مغلوب ۵ خطاب میں یہ الفاظ موجود کے طور پر آئے ہیں۔ ۶ تعرف۔ ڈل کرنا، دینا، کام پر ہاتھ لانا، استعمال، اختیار، قبضہ (۲) خرچ، صرف ۷ دست درازی۔ ظلم، زیادتی (۲) مہد یعنی (۳) مار پیٹ (۴) لوٹ مار ۵ اقلع۔ فائدہ نفع حاصل، آمدنی (۲) لعل پانا/ اٹھانا، ناکدہ حاصل کرنا ۶ متصرف۔ تصرف کیا گیا، قبضہ کیا گیا ۷ اسجدہ: ۱۷ || انہل: ۸۲۵

خدا میں اور ہم مخدوم لیکن یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ ہم صرف مخدوم ہی کیوں رہے۔ سلسلہ تو یوں ہے کہ جادو بنا
کے کام آتا ہے اور نبات جادو کے کام تو نہیں آتا لیکن حیوان کے کام آتا ہے۔ اسی طرح حیوان نبات کے لئے
کچھ مفید نہیں لیکن انسان کا مسخر و غلام ہے تو جبکہ یہ سلسلہ مخلوق میں پایا جاتا ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کا خادم اور وہ اپنے
سے بلندتر کا خادم تو پھر اس کی کیا وجہ کہ باوجود مخلوق و حادث ممکن ہونے کے ہم کسی کے خادم نہ ہوں۔ تھوڑے
غور سے یہ معاملہ ہو جاتا ہے کہ تمام مخلوق سے چونکہ انسان اعلیٰ و بالا قرار پایا ہے ہر چیز اس کی مسخر کر دی گئی
ہے، تو پھر اسے مخلوق کا خدمت گزار نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ تو خالق کا غلامی کرنے والا اور اسی کا عبارت گزار ہے
اور صرف اسی غلامی لئے اسے یہ مرتبہ دیا ہے کہ جس کے باعث یہ سب مخلوق پر حاکم ہے اسی امر کی طرف سعدی نے
اشارہ کیا ہے

ابرو باوومہ و خورشید و فلک در کارند
چہ از بیر تو سرگشته دفسرماں بردار
تا تو لئے بہ کف آری و بغفلت نخوری
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

اب ذرا اس طرف متوجہ ہو جئے کہ جب آفتاب و ماہتاب نجوم و زمین و دریا وغیرہ وغیرہ سب ہمارے مسخر
کردئے گئے تو اب ضرور ہوا کہ ہمیں اپنے تابعداروں سے کام لینے کا سلیقہ بھی ہونا چاہئے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے
کہ کس سے کونسا کام لینا ہے جس قدر ہیں ان سے کام لینا کا طریقہ و علم زیادہ ہونا چاہیگا اسی مناسبت سے ہم
اپنی حکومت میں کامل سمجھے جائیگے اور ہماری یہ حکومت اور ان تابعداروں سے خدمت لینا میں مرضی الہی کے
مطابق ہوگا۔

تمدن و سائنس اور قرآن مجید | پس اے عزیزو! کیا تمدن کی روح اس کے سوا کوئی اور چیز ہے؟ کیا

کام میں لائیں؟ اگر یہی بات ہے اور ضرور یہی ہے تو میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ تمدن و سائنس کی سنگین یاد
قرآن کریم کی ہی تعلیمات ہیں۔ سائنس ٹرہٹا، اس میں کمال پیدا کرنا حقیقت میں مسخرہ مخلوق سے مستفید ہونا
ہے اور ان کے مسخر ہونے کو با معنی بنانا ہے۔ کوئی وجہ اس کی نہیں کہ قرآن ہمیں جن امور کی طرف رہنمائی کے
جن سے میرہ مند ہونے کی ترغیب دلائے ہم اسے مذہب کے خلاف سمجھیں۔ پھر تو کھانا پینا، ہنسا، رہنا سب ہی دشوار
ہو جائیگا۔ رہی یہ بات کہ کونسی زبان میں ان علوم کو پڑھیں؟ اس تنگ وقت میں زیادہ بحث کا تو موقع نہیں
لیکن اس قدر سمجھ لیجئے کہ اردو، فارسی، پنجابی، پشتو، بنگلہ وغیرہ تو جا تر ہوں مگر یورپ کی زبان حرام

۱۔ مخدوم۔ خدمت کیا گیا/ کیا ہوا، قابل تعظیم، آقا، بزرگ، سردار، ۲۔ حادث۔ نیا، نئی چیز، وہ چیز جو نئی پیدا ہوئی ہو اور پہلے سے نہ ہو، نیا امر ظہور
میں آنے والا (۲) فانی، فنا ہونے والا ۳۔ ممکن۔ جو بات ہو سکے، ہو سکے والی بات (۲) (کنایہ) مخلوق، انسان ۴۔ معما۔ پوشیدہ/ چھپی ہوئی
چیز، مخفی، کی بات۔ وہ بات، جو بطور مزہبیان کی جائے۔ (۲) ایک قسم کی چیستان (۳) الجھا ہوا مسئلہ، پیچیدہ بات ۵۔ مشکف۔ کھلنے والا، ظاہر
ہونے والا ۶۔ بہرہ مند۔ صاحب نصیب، نصیب والا، خوش نصیب، خوش ظالع، بیدار بخت، اقبال مند (۲) فائدہ پانے والا

آخرا اس کی وجہ؟ اگر آج تمام یورپ یا کوئی اور کا حصہ دائرۃ اسلام میں آجائے تو کمال سے اپنی مادری زبان کا بولنا
یا اس میں ٹھنڈا حرام ہو جائیگا؟ کیوں خدا کی رحمت لو اس قدر تنگ کیا جانے؟ اور ترجیح بلا مرجح و محاورہ؟
الحلمة صالة المؤمن صمت مؤمن کی گم شدہ چیز ہے۔ اپنی چیز جہاں ہمیں لجا ہے اسے فوراً اٹھا لو۔

سخن کر بہ حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی

مکان رہبر او جوئی چہ جا بلقا چہ جابلہا

حضرات! کوئی وجہ اس کی نہیں کہ تعلیمات قرآنی سائنس کے سامنے سپردِ حال دیں اور سائنس جاننے
والا قرآن مجید کو رنحوذ بانہد شبکی کی نگاہ سے دیکھے یا اس کے فہم و تلاوت سے اپنے کو مستغنی سمجھے۔ اس نے
کہ سائنس کی بحث مادہ و تعلقات مادہ تک محدود ہے۔ حیات دنیا کو بارونق بنانا، لوازمات حیوانی کے لئے
سامان فراہم کرنا اس کی غایت ہے لیکن قرآن کی تعلیم مادیات سے بہرہ مند ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ
کرتے ہوئے ہمارے جذبات کو معتدل افعال قلوب کو فرین بناتی ہے اس سے پھر گے بڑھکر تربیت روح
کی کرتی ہے معاد کی حیات کو آراستہ کرتی ہے اس مقام پر تو سائنس کے پھیلنے ہیں، سائنس غریب کو تو اس
کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ سائنس نے توحید و الوہیت نبوت و رسالت وحی و اہام
وغیرہ سے کبھی بحث نہیں کی۔ چہ جائیکہ سائنس نے ان باتوں کا انکار کیا ہو۔ اگر کوئی

قابل گریہ نظارہ

ایسا کہتا ہے تو یقین جانو کہ اس نے سائنس کو قطعاً نہیں سمجھا۔ یہ اس پر اقرار رکھنا ہے بہتان رکھنا ہے،
سائنس اس سے بیزار ہے اور اس بیجا حمایت سے زیادتی تم بھی ایسے شخص کی باتوں سے منہ پھیر لو اور اس
لئے دھلے دھلیت کرو۔

دوستو! بیابا بے الضافی ہونگی کہ ہم اپنے پیلوں سے تو کام لیں کائنات سے بہرہ مند ہوتے رہیں!
لیکن جس کی اطاعت کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں اس کی طرف بھول کر بھی توجہ نہ کریں! بلکہ اسے ایک لائق
امر سمجھیں یہ کسی بے الضافی و صریح مہذب و پھری ہے۔ اگر یہ پہلو ہماری زندگی کا تاریک رہا تو ہم کمال انسانی
کے عرفان سے قاصر رہے اور سخت بازئیں منعم حقیقی کی اپنے اوپر عاید کر لی، بغیر اطاعتِ الہی و عبادتِ معبود
جو زندگی بسر ہوئی وہ حیوانی حیات سے ایک لہج بھی بڑھ نہ سکی۔ بالخصوص کہ اس زمانہ میں عبادت کی لذت
سمجھانا نہایت ہی دشوار و اہم ہو گیا۔ تو اسی شخص سے یہ پتا چلتا ہے کہ جب دنیا میں علوم عقلیہ کے ساتھ لوگوں نے

۱۔ ترجیح دیا، کسی پر فوقیت دیا گیا (۲) ترجیح دینے والا ۲۔ جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی فضل اللعہ علی العبادۃ، جلد ۱، ص ۹۸
۳۔ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۴۔ (حکیم سنائی فزولوی) "جوہات تم حق کے لیے کرو، وہ عبرانی ہو یا سریانی کوئی لرق نہیں پڑتا، جو کہ تم حق کی خاطر
دھوڑتے ہو وہ جاہل اور یا جاہل سا ایک ہی بات ہے۔"

۵۔ سپرد النامہ تھیاریڈالنا بکست کما، مغلوب/ عاجز ہو جانا ۶۔ سکی۔ ہکاہن (۲) بے قدری، بے عزتی، نفرت ۷۔ مستغنی۔ بے پروا، دولت مند

کے ماہیات (مادیت کی جمع) مادری ہونے کی کیفیت، جسمائیت، جسمیت، اصلیت۔ سنسکا کا و نظر برنگر جس کے بموجب نوحو بانہد سہا ما، وحقی اور قدیم اور اس کو قائم نہیں ہے۔ ۵۔ نراقان۔ بچکان، تیز شناخت، علم (۲) بچکانا (۳) بکشتہ
تعالیٰ کی معرفت ۳۔ قاصر۔ کوتاہی کرنے والا ۴۔ شغوم۔ نعمت دینے والا، والد، یعنی (۲) آقا، ربی (۳) فیاض، روانا (۴) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

”جب تم اس کے ہو جاتے ہو تو سب کو کھارا اور جاتا ہے، جب تم اس سے دور ہو جاتے ہو تو سب کو تم سے منہ موڑ لیتا ہے۔“ (۱) کج کامی سے دیکھنا سرسری بلکل نگاہ کجی، کجی نگاہ زانا (۲) کلام میں کی تصدی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حد سے زائد غلو نہ کیا تو وہ عبادت سے فاضل و متجاوز ہو گئے لیکن اس دور ایام کو کیا کہنے کہ ایک طرف تو
 جہالت کی گھاٹ چھائی ہوئی ہے اور دوسری طرف تدین سے دامنِ عمل خالی ہے۔ عامہ مسلمین کی حالت کا اندازہ
 کرنا تو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہم راہِ مستقیم سے کس قدر منحرف ہو گئے ہیں: مساجد میں لیکن نمازی نہیں پڑھتے
 کی جلدیں متعدد موجود ہیں مگر تلاوت نصیب نہیں۔ خود دُعا عربی سخن ہے قرآن پر عیناً اتانے لیکر، اس پر عمل
 کی توفیق نہیں۔ عبادتیں و ریاضات، معاملات، تباہ تعلقات، رانگہ، اخلاقِ رومی پھر کیا امید بھلائی کی ہے؟
 اصلاح قوم کے لئے کوئی تجارت کی رغبت دلاتا ہے کوئی علوم مغربی کے صحرا فریں قضا کی
 شد پریشان خواب من | ستا ہے کوئی علومِ مشرق کی ہدایت کرتا ہے کوئی صنعت و حرفت کی طرف نائل کرتا ہے؟
 از کثرت تعبیر ما | لیکن خدا تو یہ فرماتا ہے کہ تم میرے ملیع ہو جاؤ پھر سب چیزیں تمھاری تابع و فرمان
 ہو جائیں گی۔

تو ہم گردن از حکمِ داور پیچ
 کہ گردن نہ چپد ز حکمِ تو پیچ
 تم اللہ کے ہو جاؤ، تمام چیزیں تمھاری ہو جائیں گی۔ تم اللہ سے پھر جاؤ گے تمام نعمتیں تم سے منہ موڑ لیں گی۔
 چوں از دگشتی ہمہ چیز از تو گشت
 چوں از دگشتی ہمہ چیز از تو گشت
 ہماری اخلاقی حالت اس درجہ بدتر ہو گئی ہے کہ عیب کو ہم نہ سمجھنے لگے اور نیک کو کمال و نشمندی۔ یہ وقت
 اس کے بیان کرنے کا نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے وہ کلامِ مجید کی تلاوت یا ترجمہ کر جاوے اور
 اس میزان پر اپنے آپ کو تول لے کہ کہاں تک صدق و حق کا پلہ ذنی ہے اور کہاں تک تزویر و ریا کا۔ اخلاقِ حسنہ
 کہاں تک پائے جاتے ہیں اور کس حد تک اسے اپنے جذبات پر قدرت ہے اس مرتبے تک حقوق العباد کے ادا کرنے
 میں دُعا سرگرم ہے، میں اس وقت دو واقعے آپ کے سامنے گزارش کروں گا جس سے آپ اس امر کا فیصلہ کر سکیں گے
 کہ اخلاق کی قوت کس درجہ ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبکہ ہر قل قیصرِ روم کے پاس اپنا قاصد بھیجا ہے تو اس نے
 عربوں کی اس جماعت کو جو اس کے ملک میں تاجرانہ حیثیت سے گئے ہوئے تھے تحقیق جان
 معیار صداقت
 نبوت
 کے لئے طے کیا۔ اب تم ذرا اس کو دیکھو کہ وہ کیا پوچھتا ہے اور ہر سوال کے جواب سے

۱۔ غلو: جہوم (۲) حد سے گزرنا، مبالغہ، بڑھا چڑھا ہونا یا متجاوز۔ سستی کرنے والا (۲) حقیر، خوار یا تدین۔ دین داری، پرہیزگاری،
 دیانت داری یا پراگندہ۔ متفرق، منتشر، تتر بتر، پریشان، بکھرا ہوا یا رومی۔ بگڑا ہوا، نکما، ناقص، ناکارہ، خراب (۲) متذبذب، متشکر،
 مترو (۳) پریشان، حیران یا ”تم بھی خدا کے حکم سے سرکشی نہ کرو تا کہ کوئی بھی تمھارے حکم سے سر تابی نہ کرے۔“

وہ کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ میں یہاں پر حدیث کا وہ حصہ جو سوال و جواب کے پورا پورے حکم و نکتہ نگاہ تک کہ آپ کو کامل لطف حاصل ہوا اور صحیح فیصلہ کر سکیں۔ اس کے دس سوال ہیں نمبر وار سنتے جائیے۔

(۱) کیف نسبه فيكم ان كانتم تم مني كما ہے؟ قلت هو فنيا ذو نسب محبب کتاب
دوہم میں شریف نسب ہے۔ ہر قل اس جواب کو سن کر کہتا ہے کذا لاك الرسل تبعث الى نسب جوہا
ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ قوم میں پیغمبر شریف ترین نسب کا ہوتا آیا ہے۔

(۲)

هل قال هذا القول منكم احد قط قبله من يمشي دعوى نبوت عرب كسزین میں کسی
اور نے بھی کیا تھا؟ جواب قلت لا۔ میں نے کہا نہیں۔ ہر قل کہتا ہے قلت لو كان احد قال هذا القول
قبله لقلت رجل يالسي بقول قيل قبله۔ تمہارا جواب نفع میں سن کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر تم اس
کہتے تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک ایسا آدمی ہے جو اپنے سے پہلے کسی ہونے کی بات کی رہیں کرتا ہے۔

(۳)

هل كان من آبائهم من ملك۔ آباؤ اجداد میں اس کے کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ قلت لا میں نے
کہا نہیں۔ ہر قل کہتا ہے قلت لو كان من آبائهم من ملك قلت رجل يطلب ملك ابیه میں نے یہ
نتیجہ نکالا کہ اگر آباؤ اجداد میں اس کے کوئی بادشاہ گذرا ہوتا، تو میں کہتا کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو باپ کا ملک
اسی حیل سے طلب کرتا ہے۔

(۴)

فاشراف الناس اتبعوه اذ ضعفاء هم قوم کے صنادید اس کی پیروی کرتے ہیں یا ناتوان لاشک
قلت بل ضعفاء هم میں نے کہا بلکہ ناتوان اس کے دین کو لیکر کہتے ہیں۔ ہر قل کہتا ہے ہم اتباع
الرسل رسولوں کی پیروی جماعت ہوتی چلی آئی ہے۔

(۵)

اینریدون امینقصون۔ یوا فیوا بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں قلت بل یزیدون میں نے کہا
وہ ہر روز بڑھتے جاتے ہیں۔ ہر قل کہتا ہے کذا لاك امر الایمان حتی تم ایمان کی یہی شان ہے یہاں تک
کہ تمام ہو جاوے۔

(۶)

هل يرتد احد منهم سخطه الدينه بعد ان يدخل فيه اس دين من داخل هو كوكب اس سبب
مرتد بھی ہو جاتا ہے کہ اس دین میں نفرت انگیز باتیں تھیں۔ فقلت لا۔ میں نے کہا "نہیں" ہر قتل کہتا ہے۔
كذلك الايمان حين تخالط بشاشة القلوب ايمان يساهي لطيف ولذيقه کہ دل کو اس
فرحت و امنیاء ملتا ہے۔

(۷)

هل كنته تمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال وعوايه نبوت من قبل تم نے اسے جھوٹ
بونے سے بھی متہم کیا ہے؟ فقلت لا۔ میں نے کہا "نہیں" ہر قتل کہتا ہے۔ فقد اعرف انه لم يكن
ليذر الكذب على الناس ويكذب على الله في انفسهم من انفسهم انفسهم انفسهم انفسهم انفسهم
وہ خدا پر کیونکر جھوٹ رکھیگا کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

(۸)

قول يغدر۔ وھو کھا، فریب یا نقص عہد کرتے ہیں؟ فقلت لا میں نے کہا "نہیں" ہر قتل کہتا ہے۔
كذلك الرسول لا يغدر رسول کی شان ہی ہے کہ وہ قدر نہ کرے۔

(۹)

هل قائلتموه تم سے اسے کبھی لڑائی ہوئی؟ فقلت نعم میں نے کہا "ہاں ہوئی" ہر قتل کہتا ہے
تکلیف کا ان قتالکم ایامہ ان کے ساتھ تمہاری لڑائی کا کیا حال رہا؟ قلت الحرب بیننا وبينه
سجالینال منال منال منہ ہم میں اور اس میں لڑائی مثل ایک ڈول کے ہے، کبھی ہم نے کھینچ لیا اور
کبھی اس نے۔

(۱۰)

ماذ ایاہم کم تمہیں کیا حکم دیتے ہیں؟ قلت يقول اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا واتركوا
ما يقول آباؤكم وبآبائكم وبالصلوة والصدق والعفاف والصلوة میں نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ
سرف اللہ کی عبادت کر ڈو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھراؤ، اور تمہارے آباؤ اجداد جو کہا کرتے تھے اسے چھوڑ دو
اور تمہیں حکم کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھیں، سچ بولیں، پارسائی اختیار کریں، اقربا سے صلہ رحم کریں۔

۱۔ نقص عہد۔ عہد شکنی اور عہد خلافی ۲۔ غدر۔ عہد شکنی (۲) بے وفائی

یہ ہیں وہ دن سوالات جو ہر قل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں کہے حضرت سفیان بن حرب اس کے راوی ہیں، انہیں سے خطاب تھا اور انہیں سے کلام باقی جماعت خاموش تھی؛ حضرت سفیان اس وقت تک دولت اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے، میرے نگر میں ایمان لائے ہیں۔ اب جبکہ سوال و جواب ختم ہو چکے اور ہر جواب پر ہر قل نے اپنی رائے کا بھی اظہار کر دیا تو سب کے آخر میں تعلیمات محمدی کو پوچھتا ہے جو اس کا سوال ہے اور اس کا جواب پا کر یہ کہتا ہے:-

ان كان ما تقول حقا فسيملك موضع قلقي هاتين وقد كنت اعلم انه خارج ولم
 ان اظن انه منكم فلواني اعلم اني اخلص اليه ليجتهد لقاءه ولو كنت عنده لغسلت
 عن قدميه يعني يربايتن جو تم نے بیان کی ہیں اگرچہ ہیں تو عنقریب وہ شخص آس جگہ کا مالک ہو جائیگا جو
 میرے قدموں کے نیچے ہے۔ میں نبی آخر الزمان کی بعثت کو تو جانتا تھا کہ ہونے والی ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ
 تم اہل عرب میں پیدا ہونگے۔ بہر حال اگر مجھے ان کے پاس تک پہنچنے کی امید ہوتی تو میں ان کی زیارت کے
 لئے ضرور مصائب سفر برداشت کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھوتا۔

فکر صحیح سمجھتے ہر قل نے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فن سے سوال کیا، نہ آپ
 کے خزینہ و دولت کو پوچھا، نہ لشکر و سپاہ سے استفسار کیا، اور پھر کس سہولت سے
 نصیبہ کر دیا کہ بہت جلد وہ شخص قیصر کی سلطنت کا مالک ہو جائیگا۔ کس طرح آس کے
 دل نے عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کر کے عقیدت کا اظہار زبان سے کر دیا۔ آس نے اسی وقت
 سمجھ لیا تھا کہ جو ذات ان اخلاق سے متصف ہو اور جس کی تعلیمات ایسی زبردست ہوں اس کے لئے ہر طرح
 کی کامیابی حتمی و یقینی ہے۔

ابا در سدا قہ سنئے: سب سے پہلے فارحرا ہیں جب آپ پر وہی نازل ہوئی تو آپ نے کہا ان
 تشریف لاکر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا لقد خشيت على نفسي
 مجھے اپنے جان کا خوف ہے اس وقت مجھے وحی کے معنی سمجھنے نہیں ہیں، مجھے تو اس کے ایک
 حصہ سے بند لانی ہے اور وہ حضرت خدیجہ کا جواب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانے پر اپنے
 ویلے ہے:- قالت خديجة كلا والله ما يخزيك الله ابدا انا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب
 تكسب المعدوم وتقري الضيفان ولعين علي نواب الحق - حضرت خدیجہ نے جواباً فرمایا: ہرگز نہیں

صحیح البخاری، باب کیف كان بدء الوحي الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، جلد اول، ص ۲۴، نور مداح الطالان - کراچی، طبع ثانی، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء۔
 ج ۱، ایضاً ص ۳

قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ کو رسوا نہ کرے گا آپ صدمہ فرماتے ہیں، اقراب کے حقوق ادا کرتے ہیں، یتیم عاجز و در ماندہ کی آپ غمخواری فرماتے ہیں اور لوگوں کو وہ چیزیں آپ عطا فرماتے ہیں جو سوا آپ کے کسی اور سے نہیں مل سکتی، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی حوادثِ حقہ پر مدد فرماتے ہیں۔“

اس حدیث کے ٹکڑے کو میں نے آپ کے سامنے صرف اس غرض سے پیش کیا ہے تاکہ آپ یہ دیکھیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کس قدر اذعان و اطمینان اس امر پر تھا کہ ایک ایسا شخص جس کی ذات میں یہ صفات پائے جاتے ہوں وہ ہرگز سرگز ذلیل و رسوا نہیں ہو سکتا، یہ اعتقاد کیسا پچا و صحیح ہے۔ تم نام ملک کی تاریخ پڑھ کر بھی آپ ایسا شخص نہ بتا سکر گے کہ جس میں عاداتِ حسنہ صدق و راستی کے ساتھ پائے جاتے تھے اور وہ ذلیل و خوار ہوا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی شریر نفس ظالم نے ایسے شخص کو اپنے جفا و ستم کے راہ میں کاٹا لٹورا کیا ہو اور محض اپنے خبث باطنی سے اس پر مظالم کئے ہوں، لیکن اس سے کیا ہوا نہ تو ذرہ برابر اس کی عزت میں کمی آئی نہ اس کے اوصاف خبیثہ کا پایہ ہلکا ہوا، ہاں ظالم کی یہ کاریوں میں ایک اور وجہ البتہ بڑھ گیا ہے

سنگ بد گوہر اگر کا سہہ زریں شکند

قیمتِ سنگ نیفزاید و زر کم نہ شود

حضرات! یہ ہے وہ پدایت جس کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کی بعثت فرمائی یہ ہے وہ نور علم جس سے جہالت کی تاریکیاں مٹ جاتی ہیں، یہ ہیں عادات جو انسان کو صحیح انسان بنا دیتی ہیں یہ ہے وہ دستور العمل جس سے ملک آباد اور دنیا رونق پذیر ہوتی ہے جب تک اس علم سے حصہ نہ پاو گے انسانی زندگی نصیب نہ ہوگی

ہست اسلام سیرت نیکو

نہ بھی جہاں وہ مشد بخو

جب علم کے پڑھنے سے خوفِ خدا پیدا نہو معاصی کی بڑائیاں معلوم نہوں جذبات پر قوت حاصل نہو۔ وہ نفسان جو خدا سے ہونا ضروری ہے پایا نہ جائے تو پھر اسے علم حقیقی کیونکر کہا جائے گا۔ علم حقیقی تو وہی ہے جس کے پڑھنے سے خشیتِ ایزدی دل میں پیدا ہوتی ہے اور یہی کیفیت دل میں پیدا ہو کر علم و معاصی کے درمیان بطور پردہ کے حائل ہو جاتی ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دہبار رسالت سے لگاؤ نہ پیدا کر لیا جائے جس قدر دل میں یہ لگن بڑھتی جائیگی اسی قدر عبادات صحیح اور معاملات درست ہوں گے۔

ایک بہترین قانون معاش و معاد | معاش و معاد کی جمع کرنیوالی دین و دنیا کو مزین کرنیوالی

۱۔ در ماندہ۔ بے کس، مجبور، عاجز، ناچار ۲۔ حوادث (حادثہ کی جمع الجمع) حادثے، مصیبتیں، تکلیفیں، زمانہ کی گردشیں ۳۔ اذعان۔ یقین/ مجروسا/ اعتماد کرنا (۲) اقرار کرنا (۳) اطاعت کرنا، حکم ماننا ۴۔ ”گھٹیا پتھر اگر سونے کا پیالہ توڑ ڈالے تو (اس عمل سے) نہ تو پتھر کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، نہ سونے کی قدر و قیمت کم ہوتی ہے۔“ ۵۔ ”اسلام اچھی سیرت کا نام ہے، خوب صورت لباس یا دلکش قد و قامت کا نہیں۔“

بجز تعلیم رسالت اور کوئی تعلیم روئے زمین پر پائی نہیں جاتی اس خاک دان عالم میں وہ شمع (جس کے انوار میں دین و دنیا کی حسات دکھائی دیں) وہ بجز شمع نبوت کوئی دوسری شمع نہیں ہے۔ یہ نہ صرف دعویٰ اور اور دل خوش کن باتیں ہیں بلکہ واقعات حقائق ہیں۔ اسلام سے پیشتر اور اسلام کے مابعد بھی غیر مسلمین میں تم کو اس امر کے شواہد ملتے تھے کہ باوجود علم و فضل پر بھی با دنیا ان پر سراپا چھا گئی یا دین کے سمجھنے میں ایسے اغلاط اُن سے ہوتے کہ جس سے دین ایک ہولناک اور ناممکن العمل ہو گیا۔ مثلاً بعضوں نے تو اتنے فطری کو معطل و بیکار کر دینا انتہائے کمال سمجھا۔ ایسی جماعت کو اصطلاح میں مانعہ کہتے ہیں ان میں سے کسی نے اپنا ہاتھ اتنے حصہ مراد تک اٹھائے رکھا کہ اس میں بھکنے کی طاقت اور گرفت کی قوت باقی نہ رہی۔ کسی نے خاموشی اختیار کر لی اور نطق کو مٹا دیا تو نے سمجھ کر چپ سا دھیر گئے۔ کسی نے طول قیام سے قدم کے اعصاب خشک کر دیے اور اس کو مجاہدہ و ریاضت سے تعبیر کیا کسی نے رہبانیت کو پاکبازی سے موسوم کیا۔ کسی نے دشت و جبل کو اپنا مسکن بنایا۔ غرض اس طرح کے خیالات اس جماعت کے ہوتے جنہوں نے دنیا میں آکر اور رہ کر یہاں کے جائز تمتع سے بھی بہرہ مند ہونا تقا و تقدس کے منافی جانا۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ لِيُزَكِّيَهُمْ وَأُزَّكَّيَاتِهِمْ لَيْسَ فِيهَا فُجُورٌ وَلَا يُفْسَادٌ۔ یعنی اللہ نے ان سے یہ تو کہو کہ اللہ نے جو یہ اشیا کہ اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان میں حرام کس نے کر دیا) اس جماعت کے برعکس اک دوسرا گروہ ہے جس نے بجز حیا و دنیا اور کچھ نہ جانا۔ بہتر سے بہتر مکان میں رہنا، عمدہ سے عمدہ غذا کھانا، خوبشاتِ نفس بلا سحانا جاوینا جس طرح ہو سکے پورا کرنا، دولت جس ذریعہ سے ممکن ہو سکتی اپنی زندگی کا ثمرہ قرار دینا اسے اصطلاح میں لذت کہتے ہیں ان کے نزدیک انسانی زندگی میں تمتعات دنیا سے بہرہ مند ہونیکا نام ہے۔ لَا تَلْبِسُوا دِينَكُمْ مَوَالِكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ مَن غافل ہے یعنی اللہ کی یاد سے اولاد و مال تمہیں غافل نہ کرنے پائے۔

اب اس افراط و تفریط کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیمات کی طرف غور کرو حکم ہوتا ہے وَلَا تَلْبِسُوا دِينَكُمْ مَوَالِكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ مِّنَ الدُّنْيَا جَوْشِعًا تِيرَانًا مِّنْ مَّقْرَرٍ كَرِيهًا لِّسَةِ نَهْجُولٍ) جائز وسائل و پاک ذرائع سے جس قدر ہو سکے وہ سب انسان کا حصہ ہے اسے حاصل کرنا چاہئے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی حصے کی طلب میں انسان اپنی عمر کا تمام زمانہ بسر کرے اس لئے یہ ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَلْبِسُوا دِينَكُمْ مَوَالِكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ مِّنَ الدُّنْيَا جَوْشِعًا تِيرَانًا مِّنْ مَّقْرَرٍ كَرِيهًا لِّسَةِ نَهْجُولٍ۔ اور لَتَلْبَسُنَّ هُمُ الْفَاسِقُونَ (ان لوگوں کی طرح نہو جانا جنہوں نے خدا کو فراموش کر دیا۔ پھر اللہ نے بھی اپنی رحمت سے انہیں ٹھیکر دیا اور خدا کا بھول جانا تو نافرمانوں کا شیوہ ہے) دیکھئے اصلاح معاش و فلاح معاد کے لئے

۱۔ خاک دان۔ مٹی اور کڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔ (۲) (مجازاً) دنیا سے نطق۔ بولنا، بات کرنا (۲) بولنے کی طاقت، گفتار (۳) تقریر، لکچر، خطبہ۔
 ۲۔ رہبانیت۔ راہبوں کی طرح عبادت، دنیا چھوڑ دینا (۲) جائز لذات کو رضائے الہی کے لیے چھوڑ دینا (۳) میسائی عابدوں کا ترک لذات اور زہد پر ہیزگاری کرنا۔ ۳۲۔ الاعراف: ۳۲۔ المفلحون: ۹۔ القصص: ۷۷۔ یٰۤاٰلِیٰٓہٗٓرَہْمٰنِ ۱۹۔

کے لئے کیسے زریں اصول بتا دئے گئے۔ تمام دن و رات اپنا کاروبار محنت و راحت کیا کرو۔ لیکن جب نماز کا وقت آجائے تو چوبیس گھنٹے میں سے تھوڑا تھوڑا وقت یاد اللہ میں بھی صرف کیا کرو جس کی دی ہوئی نعمت کھاتے ہو جس کے عطا کردہ قومی سے کام لیتے ہو اس کی بھی تو شکر گزاری چاہئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی کا سبق ہے کہ دین و دنیا دونوں ہیں نصیب ہوئے۔ **سُبْحَانَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ**۔ **لَا يَلْبِثُ يَلْقَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ**۔ لایبچیان تعلیمات محمدی کا ایسا بربزخ ہیج میں حائل ہے جس کی وجہ سے دنیا ہمارے دین کو تباہ نہیں کر سکتی۔ دنیا داری میں دنیا میں بہرہ مند ہونے سے مانع آسکتے ہیں ان باتوں کو سو سو سو غور کرو تو تمہیں اپنے مذہب کی قدر معلوم ہوگی پھر تمہیں اس سے تغافل کرنے پر زراعت ہوگی جس کا نتیجہ تمہارے لئے فرحت بخش ہوگا۔ حدود و دائرہ میں رہ کر جس قدر دنیا کی نعمتیں حاصل کر سکتے ہو۔ اطمینان سے کر۔ اطاعت و عبادت کے ساتھ جس قدر چین و آرام تمہیں مل سکا۔ اس سے ہرگز محروم نہ رہو۔ یہ کوئی اتقاد پر ہیز گاری نہیں ہے بلکہ مکر و فریب ہی۔ اسی طرح یہ نفس کا دھوکا ہے جس نے تمہیں اصل زمانہ کی کورنہ تقلید کو آراستہ و پیراستہ کر کے ایک دلفریب شکل میں لا کر کھڑا کر دیا ہے جسے تم کبھی علم کی شان سمجھتے ہو اور کبھی شرافت انسانی اس کا نام رکھتے ہو اور کبھی حیات اجتہادی و حریت سے اسے موسوم کرتے ہو اور کبھی روشن دماغی و وسیع اچینالی اس کا عنوان قائم کرتے ہو۔ ایک مرتبہ سچے دل سے لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر اپنے اصلاح کی طرف بھگ پڑو ہدایت خداوندی تمہیں لیک کہتی ہوئی خود اپنے آغوش میں لے لیگی اس وقت تمہیں حقیقی شرافت و سچی حریت نصیب ہوگی **بِسْمِ اللّٰهِ** پڑھ کر اٹھو اور اس تمام آلودگی سے اپنے دامن عزت کو صاف کر ڈالو۔

دلانا کے دریں کلخ مجازی
نی مانند طفلان خاک بازی
بیشاں بال و پر ذامیریش خاک
بہ پرتا کنگرہ ایوان افلاک

دیکھو آزادی کے معنی ہم تمہیں بتلائیں ذرہ ٹنڈے دماغ سے فرصت کے وقت اسے سوچنا۔

انسان اگر اپنے اقوال و افعال میں اس طرح آزاد ہونا چاہے کہ جو منہ میں آئے
کے جائے اور جس طرح جو چاہے کہے جائے تو ایسی آزادی قطع نظر نفرت الگیز سے
یقیناً محال و ممتنع الوجود ہے۔ اب لا محالہ کسی قواعد و اصول کا پابند ہو کر کچھ کہہ گیا یا
کر گیا اس کے قول و فعل کا ایک دائرہ محدود ہوگا اور اس کے وسعت کی ایک حد ہوگی اب ذرا اسے سوچو کہ
دائرہ میں جو کچھ کہ ایک انسان کہہ سکتا ہے یا کر سکتا ہے کیا اس کے وہ قول و فعل آزاد ہیں۔ ایک خاص نظر اس کا

خلافت فطرت
آزادی

۱۔ ثوا (قوت کی جمع) قوتیں، طاقتیں ۲۔ الزمن: ۲۰۱۹ء ۳۔ تغافل۔ جان بوجھ کر غفلت کرنا (۲) بے پروائی، بے التفاتی، کم توجہی
(۳) تساہل، سستی ۴۔ کورانہ۔ اندھوں کی طرح ۵۔ "اے دل اس مجازی محل (دنیا) میں کب تک بچوں کی طرح خاک بازی کرتے
رہو گے۔ سنی کی آمیزش/اداسگی سے بال و پر جھاڑو اور آسمانوں کے ایوان کے باہر تک اڑان بھرو۔" ۶۔ ممتنع۔ منع کیا گیا، باز رکھا گیا، روکا گیا۔

جواب تمہیں نفی میں دیگی اس لئے کہ صدور قول و فعل خیالات کے بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں پہلے ایک شے دماغ میں آتی ہے پھر قوت متخیلہ اس پر غور کرتی ہے اس کے بعد آن خیالات کا اظہار اقوال و افعال سے کیا جاتا ہے۔ حکیم کا قول ہے کہ اگر کسی کے خیالات کی بلندی و پستی مطالعہ کیا جاوے تو اس کے کلام و حرکات و سکنات پر متجسسانہ نظر ڈالو اس لئے کہ اعمال و افعال صور خیالیہ کے آئینہ ہیں اس سے یہ امر تو واضح ہے کہ قول و فعل آزاد نہیں بلکہ خیال کے پابند ہیں۔ اب آؤ خیال کو دیکھیں اس کا کیا حال ہے؟ ایک دقیق میں نگاہ کرو بھی معلومات کا تربیت کا صحت کا رسم درواج کا مقتضیات ملک وغیرہ کا معتد پائی ہے۔ جو خیال کہ انسان کے دماغ میں آتا ہے وہ نتیجہ ہے اس کی معلومات کا یا اس سوسائٹی کا جس میں اس نے نشوونما پایا ہے۔ یا ملک کی رسم و رواج نے یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ یا گرد و پیش کے واقعات کا اثر ہے۔ غرض ہر خیال چیزوں سے خیال متاثر ہوتا رہتا ہے اور ان کے قیود سے نکل نہیں سکتا۔ بحاصل جب اقوال و افعال خیالات کے تابع ہوتے اور خیالات معلومات و تربیت و سوسائٹی وغیرہ کے قید خانہ میں مقید رہے تو پھر آزادی کا نام ایک ایسا معنون ہے جس کا معنون نہیں۔ ایسا لفظ ہے جس کا خارج میں وجود و معنی نہیں۔ اب سے کہیں پر نصیلاً پھر تمہیں خدا لگتی ہے کہ ہم اپنے خیالات کو تعلیمات و صحبت و طرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں متبع نہ بنائیں۔ کیا مہذبہ العلم کی تعلیم کے سوا کوئی دوسری تعلیم حکومت کرنے کے لئے زندہ نہ آوار ہے؟ کیا اِنَّا لَنَعْلَمُ الْخُلُقِ الْعَظِيمِ کی تربیت سے کوئی تربیت زائد نہیں حریث بخش ہے؟ ہرگز نہیں کہیں نہیں سے

خلاص حافظ اذال زلف تابد لربار

کہ بنگان کشد تو رستگار نند

تعلیم نبوی کا معجزہ منجانب نتیجہ

یہ کوئی امر اعتقادی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ تاجدار مہذبہ نے محض اپنے دامن تربیت میں عرب جیسے جاہل و وحشی قوم کو لیکر چند دنوں میں کمالات کا بحیرہ بنا دیا اور دنیا کے لئے اپنی تعلیم و تربیت و صحبت کا ایک نظیر نمونہ چھوڑ گئے جو شخص عرب کے اس انقلاب کی طرف دیکھتا ہے سر دھندتا ہے۔ دماغ اس کا چکر میں آجاتا ہے اور یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ دم کے دم میں تاریکی روشنی سے جفا و فاسد قطع وصل سے فساد صلح سے عداوت محبت سے ذلت عزت خیانت اہانت سے معصیت طاعت سے کہ و کنت صفائی سے بدل کر دنیا کا رنگ ہی پلٹ دیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحبہ بارک و سلم ہی تھی وہ ہدایت جس کے لئے دنیا پاسی تھی اسی کتب حیات کا ذکر ہے اس آیت کریمہ میں مَعَالِدُ

جواب تمہیں نفی میں دیگی اس لئے کہ صدور قول و فعل خیالات کے بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں پہلے ایک شے دماغ میں آتی ہے پھر قوت متخیلہ اس پر غور کرتی ہے اس کے بعد آن خیالات کا اظہار اقوال و افعال سے کیا جاتا ہے۔ حکیم کا قول ہے کہ اگر کسی کے خیالات کی بلندی و پستی مطالعہ کیا جاوے تو اس کے کلام و حرکات و سکنات پر متجسسانہ نظر ڈالو اس لئے کہ اعمال و افعال صور خیالیہ کے آئینہ ہیں اس سے یہ امر تو واضح ہے کہ قول و فعل آزاد نہیں بلکہ خیال کے پابند ہیں۔ اب آؤ خیال کو دیکھیں اس کا کیا حال ہے؟ ایک دقیق میں نگاہ کرو بھی معلومات کا تربیت کا صحت کا رسم درواج کا مقتضیات ملک وغیرہ کا معتد پائی ہے۔ جو خیال کہ انسان کے دماغ میں آتا ہے وہ نتیجہ ہے اس کی معلومات کا یا اس سوسائٹی کا جس میں اس نے نشوونما پایا ہے۔ یا ملک کی رسم و رواج نے یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ یا گرد و پیش کے واقعات کا اثر ہے۔ غرض ہر خیال چیزوں سے خیال متاثر ہوتا رہتا ہے اور ان کے قیود سے نکل نہیں سکتا۔ بحاصل جب اقوال و افعال خیالات کے تابع ہوتے اور خیالات معلومات و تربیت و سوسائٹی وغیرہ کے قید خانہ میں مقید رہے تو پھر آزادی کا نام ایک ایسا معنون ہے جس کا معنون نہیں۔ ایسا لفظ ہے جس کا خارج میں وجود و معنی نہیں۔ اب سے کہیں پر نصیلاً پھر تمہیں خدا لگتی ہے کہ ہم اپنے خیالات کو تعلیمات و صحبت و طرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں متبع نہ بنائیں۔ کیا مہذبہ العلم کی تعلیم کے سوا کوئی دوسری تعلیم حکومت کرنے کے لئے زندہ نہ آوار ہے؟ کیا اِنَّا لَنَعْلَمُ الْخُلُقِ الْعَظِيمِ کی تربیت سے کوئی تربیت زائد نہیں حریث بخش ہے؟ ہرگز نہیں کہیں نہیں سے

خلاص حافظ اذال زلف تابد لربار کہ بنگان کشد تو رستگار نند

۱ قوت متخیلہ۔ خیال میں لانے/سوچنے کی قوت، قوت خیال، خیال پیدا کرنے کی طاقت (۲) وہ طاقت، جو صدور قول کو غائب میں محسوس کرتی ہے۔
۲ متجسسانہ۔ تحقیقی، پہلو جو جو سے بقول پروفسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: خیال کی عظمت سے کہے انکار ہے؟ تو سوں کی آہاری و بربادی اسی خیال کی کج روی و راست روی پر منحصر ہے۔ ۳ مقتضیات۔ تقاضا کیے گئے، چاہے گئے، خواہش کیے گئے (۲) (مباردا) مراد، مطلب (۳) موقع (۴) معصیت ۵ معنون۔ معنون کیا، اور/کیا گیا، لکھا گیا، دیا گیا، ابتدا کیا گیا، ایلدیکٹ کیا گیا (۲) کسی کے نام سے منسوب کیا گیا، نامزد

اَنْبِیُّكَ بِاَلْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِنُظْمِهِمْ عَلٰی الدِّیْنِ كُلِّهِمْ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ اس قدر بیان جو توحید و رسالت و تعلیمات اسلامی کے متعلق ہے، اس سے غرض یہ تھی کہ قرآن پاک کی عظمت برہان و حجت کے پہلو سے آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیں تاکہ ارباب استدلال کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نبی کا بازو اس حقیقت کے بھی بہت قوی ہے۔ اگر منصفانہ نگاہ سے کوئی قرآن کی تلاوت سمجھ کر کر جائے تو پیش بہا جو اہر اس کے خزانے سے ہر سورہ میں ملیں گے۔ میں نے تو صرف غالب ہدایت کے لئے ایک طریقہ بیان کر دیا ہے۔

اب فقیر کے تقریر کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا ہے جس کے پورا کرنے کے بعد میں اپنے ایقانے عہد سے سبکدوش ہو جاؤں گا، اور وہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں ہو گا جس سے آپ کا خاتم النبیین ہونا واضح و اجلی ہو جائیگا۔ گو مسئلہ رسالت کی بحث میں بحث رسول بھی مشتمل ہے لیکن اپنا دل ہی چاہتا ہے کہ اسے ایک مستقل عنوان قرار دوں۔

(مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

انسان جس طرح ایک کامل و جامع دستور العمل کی طرف محتاج ہے اسی طرح اسے احتیاج نصیب العین اس کی بھی حاجت ہے کہ کوئی ذات اس کی نگاہ کے سامنے ایسی ہو جس کی علی زندگی اعلیٰ تشریح و تفصیل دستور خداوندی کی ہو۔ جس کی خلوت و جلوت کی باتیں جس کے حرکات و سکنات جس کا خورد و خواب خد کے فرمان کے بموجب ہو اور اس کی ذات پر وہ تمام واقعات گزر گئے ہوں جن سے انسان کا دوچار ہونا لایم ہے۔ تاکہ اس کی زندگی کے تمام شعبہ جات حیات ہمارے لئے ایک عمدہ نمونہ بن کر رہبری کرنے والے ہوں اور ہم سب میں کسی دوسرے کے محتاج نہوں۔

تو ایں عالم کے جلنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی ذات جو ہر طرح کے کمالات کی جامع ہو بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائی نہیں جاتی۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف قرون میں مختلف باکمال اشخاص سے دنیا رونق گیر رہی ہے کسی میں شجاعت کا جوہر تھا اور کسی میں علم و کرم کا وصف کوئی ان باکمالوں میں سلطان ذی جاہ تھا اور کوئی تمام تعلقات سے علیحدہ ہو کر فانی فی اللہ باقی کا مجموعہ۔ لیکن وہ ذات جو تمام کمالات کا مجموعہ ہو وہ تو صرف اسی تاجدار مدینہ کی ذات ہے۔ شریعت کی تعلیم اسی امت نواز سے تھی۔ تزکیہ نفس اسی روح پرورد کے انفاس قدسیہ سے تھا۔ میدان جنگ میں وہ ایک بڑے سپہ سالار کی صورت میں دکھائی دیتا۔

۱۔ اَلْحَقُّ: ۲۸۔ ۲۔ متضمن۔ مشتمل، شامل، مشمولہ، داخل، مندرج (۲) ملا ہوا، ضمن میں لینے والا/ لیا ہوا۔ ۳۔ لایم۔ قطعی، یقیناً، بے شک (۲) مجبوراً، ناچاراً، ناگزیر، ضرور بالضرور ۴۔ تزکیہ۔ پاکی، صفائی، پاک کرنا، صاف کرنا۔

انتظامات ملک میں ایک بڑے بڑے سلطان تمام مذاہبات باہمی و مناقشات کو فیصلہ کرنے میں ایک بے نظیر حاکم عادل
 تھا پھر باوجود ان تمام کمالات کے صبر بردباری یعنی تواضع جفا۔ مروت۔ سخا۔ وقار۔ حفظہ مرتبہ سب
 ان سب اہمات کا علی وجہ الکیال ایک مرتفع تھا۔ اس رحمۃ للعالمین کا وجود صحابہ کرام کے لئے گونا گوں کمالات
 کا ایک مجموعہ تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ ایک مبسوط سلسلہ تھا اور صحابہ کرام اس کے مطالعہ میں ہمہ تن مصروف
 تواریخ میں تم پر سو گئے کہ وہ لوگ جن کے دل کا گاہ حرب و ضرب سے ہوتا ہے جب میدان کارزار میں اترتے
 ہیں تو دشمن کے لئے بجز شمشیر و نوک سناں ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن ردت و رحمہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اپنے عمل سے یہ سبق اپنے اصحاب کو پڑھایا کہ ایسے سخت پیمانہ جوش میں بھی وہ جذبہ مروت کو ضائع نہ کرے
 ایک واقعہ سنو جنگ بدر کے وقت کفار کی جماعت میں ایک کافر ابو الجحری بھی آتا ہے۔ بمقابلہ رسول اللہ
 علیہ وسلم اس وقت جبکہ آپ کہہ متعلم میں تشریف فرماتے اور کفار طرح طرح کی اذیتیں آپ کو دیتے اور اذیت
 اسلام میں گونا گوں رکازیں پیدا کرتے تھے ابو الجحری نے سکوت سے کام لیا تھا اس کی صرف اس قدر
 رعایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہار خیال تھا کہ اس حال میں جبکہ کفار کے ساتھ وہ بھی لڑنے کو
 آیا ہوا تھا۔ آپ نے اصحاب کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر ابو الجحری کا مقابلہ ہو جائے تو اسے قتل نہ کرنا بلکہ زندہ میرے
 پاس لانا دیکر لے آنا اس لئے کہ وہ قیام مکہ کے وقت میرے آزار کا موجب نہ ہو اٹھایا یہ ایک پیش بہا مروت
 کی مثال آپ کے جنگ کے وقت دشمن کے مقابلہ میں قائم فرمائی۔ دوسرا واقعہ سنو جنگ بدر میں جبکہ کفار کو تہر
 نہوتی اور ستر قیدی اسیر لے گئے تو ان میں ایک حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔
 قیدیوں کی مشکیں کسی نہوتی تھیں۔ آنحضرت کا خیمہ قیدیوں سے قریب تھا حضرت عباس فدش کی سختی سے
 کر رہے۔ رحمۃ للعالمین کا دل مضطرب ہو گیا حکم فرمایا کہ عباس کے بند کھول دے ہائیں اس کے ساتھ ہی حکم ہوا
 کہ قبضے قیدی میں سب ہاتھ کھول دو۔ کسی کی مشک بھی نہ رہے یہ دوسرا سبق رحمت و شفقت کا ہے
 فتح قوم کو یہ کس دیا گیا کہ مفتوح انھیں اس کو اپنے فاتحانہ جوش کا مشق نہ بناؤ۔ مہربانی و شفقت کو دشمن
 سے بھی دریغ نہ رکھو۔

مال صادق سے کام لو تو بر خصلت و عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیں ایک سچوہ معلوم
 ہوگی مرتبہ ایسا جلیل الشان کہ قائم البین اللہ تعالیٰ نے فرمادیا آپ کے بعد دوسری یا رسول ہونا محال
 و ممنوع بالذات بحالت ایسی عامہ و عامہ کہ تمام دنیا کا رسول بنا کر اللہ نے بھیجا لیکن اس پر تواضع کیسے
 ہوگی

انتظامات ملک میں ایک بڑے بڑے سلطان تمام مذاہبات باہمی و مناقشات کو فیصلہ کرنے میں ایک بے نظیر حاکم عادل تھا پھر باوجود ان تمام کمالات کے صبر بردباری یعنی تواضع جفا۔ مروت۔ سخا۔ وقار۔ حفظہ مرتبہ سب ان سب اہمات کا علی وجہ الکیال ایک مرتفع تھا۔ اس رحمۃ للعالمین کا وجود صحابہ کرام کے لئے گونا گوں کمالات کا ایک مجموعہ تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ ایک مبسوط سلسلہ تھا اور صحابہ کرام اس کے مطالعہ میں ہمہ تن مصروف تواریخ میں تم پر سو گئے کہ وہ لوگ جن کے دل کا گاہ حرب و ضرب سے ہوتا ہے جب میدان کارزار میں اترتے ہیں تو دشمن کے لئے بجز شمشیر و نوک سناں ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن ردت و رحمہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ سبق اپنے اصحاب کو پڑھایا کہ ایسے سخت پیمانہ جوش میں بھی وہ جذبہ مروت کو ضائع نہ کرے ایک واقعہ سنو جنگ بدر کے وقت کفار کی جماعت میں ایک کافر ابو الجحری بھی آتا ہے۔ بمقابلہ رسول اللہ علیہ وسلم اس وقت جبکہ آپ کہہ متعلم میں تشریف فرماتے اور کفار طرح طرح کی اذیتیں آپ کو دیتے اور اذیت اسلام میں گونا گوں رکازیں پیدا کرتے تھے ابو الجحری نے سکوت سے کام لیا تھا اس کی صرف اس قدر رعایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہار خیال تھا کہ اس حال میں جبکہ کفار کے ساتھ وہ بھی لڑنے کو آیا ہوا تھا۔ آپ نے اصحاب کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر ابو الجحری کا مقابلہ ہو جائے تو اسے قتل نہ کرنا بلکہ زندہ میرے پاس لانا دیکر لے آنا اس لئے کہ وہ قیام مکہ کے وقت میرے آزار کا موجب نہ ہو اٹھایا یہ ایک پیش بہا مروت کی مثال آپ کے جنگ کے وقت دشمن کے مقابلہ میں قائم فرمائی۔ دوسرا واقعہ سنو جنگ بدر میں جبکہ کفار کو تہر نہوتی اور ستر قیدی اسیر لے گئے تو ان میں ایک حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ قیدیوں کی مشکیں کسی نہوتی تھیں۔ آنحضرت کا خیمہ قیدیوں سے قریب تھا حضرت عباس فدش کی سختی سے کر رہے۔ رحمۃ للعالمین کا دل مضطرب ہو گیا حکم فرمایا کہ عباس کے بند کھول دے ہائیں اس کے ساتھ ہی حکم ہوا کہ قبضے قیدی میں سب ہاتھ کھول دو۔ کسی کی مشک بھی نہ رہے یہ دوسرا سبق رحمت و شفقت کا ہے فتح قوم کو یہ کس دیا گیا کہ مفتوح انھیں اس کو اپنے فاتحانہ جوش کا مشق نہ بناؤ۔ مہربانی و شفقت کو دشمن سے بھی دریغ نہ رکھو۔

انتظامات ملک میں ایک بڑے بڑے سلطان تمام مذاہبات باہمی و مناقشات کو فیصلہ کرنے میں ایک بے نظیر حاکم عادل تھا پھر باوجود ان تمام کمالات کے صبر بردباری یعنی تواضع جفا۔ مروت۔ سخا۔ وقار۔ حفظہ مرتبہ سب ان سب اہمات کا علی وجہ الکیال ایک مرتفع تھا۔ اس رحمۃ للعالمین کا وجود صحابہ کرام کے لئے گونا گوں کمالات کا ایک مجموعہ تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ ایک مبسوط سلسلہ تھا اور صحابہ کرام اس کے مطالعہ میں ہمہ تن مصروف تواریخ میں تم پر سو گئے کہ وہ لوگ جن کے دل کا گاہ حرب و ضرب سے ہوتا ہے جب میدان کارزار میں اترتے ہیں تو دشمن کے لئے بجز شمشیر و نوک سناں ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن ردت و رحمہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ سبق اپنے اصحاب کو پڑھایا کہ ایسے سخت پیمانہ جوش میں بھی وہ جذبہ مروت کو ضائع نہ کرے ایک واقعہ سنو جنگ بدر کے وقت کفار کی جماعت میں ایک کافر ابو الجحری بھی آتا ہے۔ بمقابلہ رسول اللہ علیہ وسلم اس وقت جبکہ آپ کہہ متعلم میں تشریف فرماتے اور کفار طرح طرح کی اذیتیں آپ کو دیتے اور اذیت اسلام میں گونا گوں رکازیں پیدا کرتے تھے ابو الجحری نے سکوت سے کام لیا تھا اس کی صرف اس قدر رعایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہار خیال تھا کہ اس حال میں جبکہ کفار کے ساتھ وہ بھی لڑنے کو آیا ہوا تھا۔ آپ نے اصحاب کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر ابو الجحری کا مقابلہ ہو جائے تو اسے قتل نہ کرنا بلکہ زندہ میرے پاس لانا دیکر لے آنا اس لئے کہ وہ قیام مکہ کے وقت میرے آزار کا موجب نہ ہو اٹھایا یہ ایک پیش بہا مروت کی مثال آپ کے جنگ کے وقت دشمن کے مقابلہ میں قائم فرمائی۔ دوسرا واقعہ سنو جنگ بدر میں جبکہ کفار کو تہر نہوتی اور ستر قیدی اسیر لے گئے تو ان میں ایک حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ قیدیوں کی مشکیں کسی نہوتی تھیں۔ آنحضرت کا خیمہ قیدیوں سے قریب تھا حضرت عباس فدش کی سختی سے کر رہے۔ رحمۃ للعالمین کا دل مضطرب ہو گیا حکم فرمایا کہ عباس کے بند کھول دے ہائیں اس کے ساتھ ہی حکم ہوا کہ قبضے قیدی میں سب ہاتھ کھول دو۔ کسی کی مشک بھی نہ رہے یہ دوسرا سبق رحمت و شفقت کا ہے فتح قوم کو یہ کس دیا گیا کہ مفتوح انھیں اس کو اپنے فاتحانہ جوش کا مشق نہ بناؤ۔ مہربانی و شفقت کو دشمن سے بھی دریغ نہ رکھو۔

۱. نزاعات (نزاع کی جن) جگہ، تنازع، کھینچ تان، کشاکش، خصومت، ہکار (۲) دشمنی، تہر، عداوت (۳) لٹاؤ، ٹٹاؤ، تفسیح و مناقشات (مناقشہ کی جن) باہمی لڑائی جگہ، نزاع، قصہ، ٹٹاؤ، تفسیح و مرقع۔ تصدیروں کی کتاب، الم (۲) قطعات دیکھنے کی کتاب (۳) (کتابیہ) لا جواب۔
 ۲. گونا گوں۔ رنگ، رنگ، طرح، طرح، کار، کار، رنگ، طرح، ہر ش۔ کٹ، تیزی، کاٹا، مروت۔ بہاری، مردانگی، مردی، جوان مردی (۲) طلق، اخلاق، انسانیت، آدمیت (۳) (ہجازی) احسان۔

کا یہ عالم کہ شکستہ حالوں میں مل کر ٹیٹھ جاتے اور زمانے مسکین جاالس عند المساکین (ایک مسکین ہے جو مسکینوں میں بیٹھا ہوا ہے) تہذیب ایسی ارفع و اعلیٰ کہ تمام عمر نہ کوئی خوش کلمہ زبان پر آیا نہ کسی کو کبھی گالی دی کسی ذاتی امر کے لئے نہ تو کبھی غصہ فرمایا نہ کسی کام کا اپنی ذات کے لئے حکم فرمایا۔ ان امور کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ اس کے بلندی رتبہ کو ذرا محاذ کر لو۔ اللہ تعالیٰ یوں حکم دیتا ہے۔ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَابَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (یعنی نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور اس سے اس طرح بکار و جہا کہ آپس میں ایک دوسرے کو بکار کرتے ہو صحابہ کی حالت یہ کہ دربار رسالت میں اس طرح مودب بیٹھتے تھے کہ جسم میں حرکت تک نہیں ہوتی تھی گویا کہ آن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس پیغمبر کی قدرہ نوازی و وسعت اخلاق یہ کہ ہر ایک کی دل و دلی جولی ہو رہی ہے ایک مرتبہ دربار رسالت آرات ہے۔ مجلس میں اس کثرت سے صحابہ حاضر ہیں کہ کہیں جنبش تک کی جگہ باقی نہیں آتی۔ میں ایک اعزالی آتا ہے ادھر ادھر دیکھ کر صفِ نعال میں بیٹھ جاتا ہے۔ حضور سے جو اس قدر دور جگہ پالی تو اس سے شکستہ خاطر ہوتا ہے فوراً اخلاق بخیر بڑھ کر اس شکستہ دل کی خبر لیتا ہے آنحضرت نے اپنی ردگتے مبارک اس کی طرف پھینکی اور فرمایا اے شخص تو اس کو بچھا کر ویاں بیٹھ جا۔ اب دیکھ لو اگر ایک شخص دولت قربت مالا مال ہے تو صفِ نعال کا بیٹھنے والا بھی اپنا دماغ اس کے ہم پلہ پاتا ہے کہ میرے پاس وہ چادر ہے جو جسم اطہر سے لپٹی رہتی ہے۔

اس وقت درعب کے ساتھ عدل کا ایسا خیال کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ اصحاب کی صفیں مرتبے مسلسل فرما رہے ہیں۔ سواد بن خزیمہ ذرا صف سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تیر بغیر پیکان کے ہے جس سے آپ صفوں کو سیدھا فرما رہے تھے۔ سواد کو صف سے نکلا ہوا دیکھ کر آپ تیر کی لکڑی سے ایک کوچہ ان کے پیٹ میں دیکر فرمایا کہ صف میں داخل ہو حضرت سواد صف میں داخل ہو گئے اور عرض کیا کیا رسول اللہ اپنے مجھے تکلیف پہنچائی اس کا عوض دیجئے معاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ شکم مبارک سے اٹھالیا اور فرمایا کہ عوض منے لو حضرت سواد نے شکم مبارک کو رو بہ دیا اور پیٹ لگتے۔ اپنے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ سواد عرض کرتے ہیں کہ آج کاموں کے سخت ہے ٹھوڑے دیر میں دشمن سے دست و گریبان ہونگے ہو سکتا ہے کہ یہ وقت میری زندگی کی آخری ساعت ہو۔ اس میری تمنا تھی کہ میرا بدن آپ کے جسم مقدس سے اس طرح ایک فوہ بجاتے کہ کوئی پتھر وغیرہ بیچ میں حائل نہ ہو۔

۱۔ یہاں الخطاب میں مفہوماً کہا گیا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہم اخیبنی بسکیناً (اے باری تعالیٰ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ)۔ ترمذی شریف رقم الحدیث ۲۳۵۲، دار السلام۔ ریاض، طبع ۲۰۰۰ء..... اسلام کا آغاز غربت کے عالم میں ہوا اور عنقریب وہ غربت کی طرف لوٹ جائے گا (پس خوش خبری ہے غربا کے لیے)۔ الحدیث ۲۱۰۲۔ الحجرات: ۲۱۔ نعال (نعل کی جمع) جوتے، پاپوش ۲۱۔ روا۔ اوڑھنے کی چادر ۲۱۔ پیکان۔ تیر، برچھی، بھالے یا نیزے کی نوک / انی ۱۱۔ کوچا کو چا۔ نوک دار چیز بھونکنا، کسی نوک دار چیز کا تھوڑا سا زخم، کچوکا۔

یہی آخری توشہ اس عالم سے میرا ہوگا۔ اپنے شکر انھیں دعا سے خیر فرمائی سے زجر سے کمال عشق خیز ہو گیا
 معشوق باعاشق سیزد۔ اس کشادہ دل و صل کی نظیروں کرنے سے تاریخ اقوام عاجز ہے۔ اپنی عملی زندگی
 سے اس طرح اخلاق شفقت مدح مروت عدل کا سبق دنیا کو کس نے دیا یہ مضمون جس قدر کہ وسیع ہو ہی
 دلکش بھی ہے مگر انہوں نے کہ فقیر حسبِ نخواستہ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ حضرات بھی اس وقت معاف
 فرمائیں۔ کیا کہا جائے۔ دلم خزینہ اسرار بود دست تقنا + درش بربیت و کلیدش بدستانی داد رتکے
 غایت کمال انسانی اب صرف ایک واقعہ مختصر چند جملوں میں گزارش کر دیکھا جس سے طرح طرح کے کمال
 محمدی آپ کو معلوم ہونگے اور وہ واقعہ فتح مکہ کا ہے۔ کہ معظہ میں رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم فاتحانہ داخل ہوتے ہیں یہ وہی جگہ ہے جہاں لوگوں نے اپنی اذیت انسانی سے چین کی سانس لینی شروع
 کر دی تھی۔ بالآخر خدا کے بیت معظہ سے اللہ کے رسول کو جدائی اختیار کرنی پڑی۔ تو م نے اس وقت نہ تو قرآن
 کا یا خدا کیا تھا نہ شرافت خاندانی نظر میں لائی تھی نہ آپ کے اخلاق کو جاننے کا کچھ پاس کیا تھا۔ جب آپ ہجرت فرما کر
 مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں بھی المیدان سے رہنے نہ دیا۔ برابر مدینہ پر چڑھ کر گئے اور متعدد بار
 اللہ کے حبیب سے مقابل ہوئے۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق وغیرہ وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی عبادت ادا کرنے کی غرض سے تشریف لاتے ہیں۔ وعدہ فرماتے ہیں کہ صرف عمرہ ادا کر لینے دو فوراً
 مدینہ کو واپس چلا جاؤں گا۔ کسی امر سے یا کسی شخص سے کسی طرح کا تعرض نہ کروں گا، اگر اہل مکہ نہیں ملتے ہیں۔ حج
 اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے۔ شیاطین کے تحت اوستے جلتے ہیں توحید کے سربراہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا
 حبیب دس ہزار مجاہدین کی جمعیت سے داخل کہ معظہ ہوتا ہے۔ مجاہدین اس شان سے داخل ہوتے جاتے
 ہیں کہ ہر قبیلہ اپنا علم ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے سردار کے ساتھ ہے۔ ایک ایک قبیلہ ترتیب سے گزرتا جاتا ہے۔
 بگیر و تہلیل کے دل کپکپا دینے والے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ سب کے بعد تاج الانبیاء خیر الرسل محمد رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم ایسی جماعت کے ساتھ گزرتے ہیں جن میں مجاہدین و انصاریں بیچ میں آنحضرت کا نائب ہے اور
 اس کے گرد گرد جاں بازوں کا حلقہ سب کا لباس ہنر ہے تمام و کمال اسلحہ جنگ میں مصع ہیں خود وزر
 نے تمام بدن چھپا رکھا ہے بجز آنکھوں کی تیلی کے اور کوئی حصہ جسم عریضی کھار کے تیروں کا دکھلائی نہیں دیتا
 اس شان میں کہ وہ دیکھ کر عجب بہادروں کے دل دہل گئے۔ کچھ کانپنے لگا۔ جب آنحضرت مقام ذی طوی
 پر تشریف لائے تو کچھ توقف کیا۔ حمد سابق یاد آجاتا ہے۔ کفار کے مظالم کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

۱۔ توشہ۔ زادراہ، راستے کا خرچ ۲۔ ایسے جرم کی پاداش میں جو شق میں انتہا کی وجہ سے سرزد ہوا ہو، معشوق اپنے عاشق سے کہاں لڑائی کرتا
 ہے۔ ۳۔ "میرادل اسرار کا خزینہ تماموت کے ہاتھوں نے اس کا دروازہ بند کر دیا اور اس کی چابی کسی دہرہ ہاکو دے دی۔"
 ۴۔ تعرض۔ مزاحمت کرنا، روکنا، مانع ہونا (۲) روک ٹوک، مزاحمت (۳) پیش آنا، درپے ہونا، ٹک کرنا (۴) اعتراض کرنا۔

اب بجائے اس کے کہ جوشِ انتقامِ دل میں اٹھتا یا علو و افخارِ نفس میں پیدا ہوتا نہایت تذلل و انکسار سے
 ناقہ کے کجاوہ پر چادر کا کونہ ڈال کر سجدہ ہو جاتے ہیں۔ خدا کی جناب میں جھجھ سائی ہے اور اس کے فضل و کرم
 پر شکر گزاری۔ سعد بن عبادہ کے منہ سے جوش میں یہ کلمہ نکل جاتا ہے کہ کعب کی تاخت و تاراج حلال ہو گئی
 فوراً انہیں اس کہنے سے روکا جاتا ہے اور ان سے جھڈا لیکر انہیں تو شکر میں داخل اور جھڈا حضرت مہولہ
 علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ فرمایا جاتا ہے۔

عجز و انکسار اس فتح و قوت پر تو دیکھ چکے اب ذرا اس مقام کو دیکھو نقیب و منادی بہر طرف پھیل گئے
 ہیں۔ پکارتے جاتے ہیں کہ جو مسجد حرم میں داخل ہو جائے اسے امان ہے جو سفیان کے گھر میں چلا جائے
 اسے امان ہے جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان ہے جو ام ہانی کے مکان میں داخل ہو
 اسے امان ہے جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے۔ غرض ایک امان کی صدا بھی جو در و دیوار سے گونج رہی
 تھی۔ اس رحمت و کرم کو دیکھ کر کفار مشرکین کا دل بھی اٹھتا تھا، جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ صحابہ پر رونق افروز ہو کر بیعت اسلام تھے اور ہدایت کی جامع نصیحت فرماتے۔
 اسی حالت میں ہند زوجہ ابوسفیان جس کے کفر و غیظ کی شدت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ عم رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا کچا کلیجہ اس نے چھایا تھا حاضر خدمت اقدس ہوتے ہی مسلمانوں کے خوف سے تمام جسم
 چادر میں لپیٹ لیا تھا کہ مبادا کوئی پہچان کر حضرت حمزہ کی بیعتی کے عوض کہیں قتل نہ کر ڈالے۔ لیکن رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پر اس قدر اطمینان تھا کہ جب سامنے پہنچی تو نقاب رخ سے اٹھا دیا اور عرض کیا کہ
 میں ہندہ زوجہ ابوسفیان ہوں۔ آپ کو اپنے چچا کی حالت یاد آگئی۔ اس کی جانب سے منہ موڑ لیا، اس نے فوراً
 ائمہ ان کا اہل اللہ و ائمہ ان محمد عبدہ و رسولہ باوا ز بلند پڑھا۔ کلمہ طیبہ کا اس کی
 زبان سے نکلنا تھا کہ سارا ملال دل سے جاتا رہا۔ یہ ہے جوشِ انتقام، صاحبو! ان واقعات کو قصص کی طرح
 نہ سنئے۔ سوچتے غور کیجئے کہ کیا فائدہ ہے جوشِ اسی کا مقتضی تھا کہ امان امان کی صدا پکار دی جاتے۔ لوگوں
 کے مکانات و متاع و آبرو سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ انتہا یہ کہ اگر جوش میں بھی کوئی جملہ منہ سے کسی کے نکل جائے
 تو اس سے آزرہ ہوں۔ ایک ایسی قوم پر جس نے مدتوں مشق ستم مسلمانوں کو بنائے رکھا ہو یہ الطافِ کرم
 کے جابیں نہ فتح سے نفس متلذذ ہوتا ہے نہ اس شوکت و غلبہ پر کچھ فخر کرتا ہے۔ چہ ہی نیاد و سجدہ ہے اور وہی
 عبادتِ بند و عورت کے جلے ہیں نہ جشن کی مجلسیں نماز کا وقت ہوتا ہے حضرت بلال اذان دیتے ہیں اور

۱۔ تذلل۔ نرم ہونا، عاجزی کرنا، فردنی کرنا ۲۔ جھجھ سائی۔ ماتھا/پیشانی ررما، بیدہ کرنا ۳۔ تاخت و تاراج۔ برباد آہیں نہیں/ستیا اس
 کرنا، جملہ کر کے جاہ کر دینا ۴۔ مقتضی۔ تقاضا کرنے والا، چاہنے والا، خواہش کرنے والا، خواہاں ۵۔ تعرض۔ پیش آنا، درپے ہونا (۲) چھیڑنا،
 ٹھک کرنا (۳) اعتراض کرنا (۴) مزاحمت کرنا، روکنا، حائل ہونا ۶۔ متلذذ۔ لذت اٹھانے والا، ذائقہ چکھنے والا، لطف اٹھانے والا۔

اللہ کا محبوب اپنی امت کو لیکر مسدود حرام میں اٹھ رہیں بعد کج اپنے خالق کی نماز ادا کرتا ہے یہ وہ باتیں ہیں کہ سنتے ہیں تب بعد خوش آئند ہیں بلکہ اسی قدر معرکہ الاراہیں کیوں دوسری مثال تم کسی قوم کی پیش نظر کر سکیں گے یہ ملتیں اور ہے اور نبوت و رسالت کی اور یہ تجلیات ختم رسالت کی تھیں اس کا امت بلکہ ملمع کاری و تسلی سازی کیا کریں گے

دہان یار کجا و زبان سوسن کو
نہ ہر گلے کہ بخند مقرر ی داند

دور کیوں جائے حالت موجودہ کو لے لیجئے۔ اس وقت یورپ نے تہذیب کا وہ غلغلہ بلند کیا ہے کہ کئی مسلمانوں

کی اولاد ان کے اس ہنگامے میں ایسی تہ و بالا ہوئی کہ اسلامی معاشرت اسلامی لباس اسلامی صورت یہاں تک کہ اسلامی نام سے اسے چڑھ گئی۔ خواب میں بھی یورپ کا جلوہ ہے اور بیداری میں بھی اسی کا تصور۔ لب جو یورپ کے حصص باہم لڑنے سے تو تہذیب و تمدن کا جامہ ان کے جسم سے الگ ہو گیا اور ان کی وحشت اور بربریت مسانہ صاف ہر شخص کو نظر آنے لگی۔ جرمنی جس نے تہذیب و انکشافات علمیہ میں تمام یورپ سے اپنی استادی کا سکہ منوالیا تھا جب میدان جنگ میں اترتا ہے تو بلجیم کے ساتھ صرف اتنی بات کہ اس نے راستہ دینے سے انکار کیا تھا اور اپنی خود مختاری و حقوق کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا کیسا عبرت ناک سلوک کیا۔ پھر جب استاد کی یہ حالت ہو تو شاگردوں کا کیا پوچھنا۔

اب ایک نظر اپنے سینے کے اس پر الوار حصہ زندگی پر ڈالئے جس کا تعلق محض خالق سے تھا۔ باوجود ان گونا گون مہیات اور مختلف خدمت و اصلاح عباد کے عبادت

انسانی میں وہ کس طرح متفرق ہے۔ امت کی تعلیم و تربیت۔ کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کی مدانت۔ اہل و عیال کی کفالت۔ غرض طرح طرح کے اہم امور روزانہ درپیش ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ پر باحسن و جوہ انجام پار ہے ہیں مگر کیا مجال کہ ان مصروفیتوں میں اور کچھ کر صلوة و صیام میں کچھ گرانی بھی ہونے پائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ آپ کی نماز تہجد کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں کہ فلا تستل عن طولہن و حسنہن (یہ نہ پوچھو کہ وہ کس قدر دراز اور کس قدر خوب صورت نامرین ہوتی ہیں) تمام رات قیام میں بسر فرماتے اور ایک حالت ذوق و شوق میں کلام اللہ پڑھتے جلتے رات ختم ہو جاتی اور عبادت کی مناسباتی ہی رہ جاتی یہاں تک کہ قائم مبارک ورم کر گئے۔ اس واقعہ کی خبر قرآن کریم

حیات محمدی کا
ایک دوسرا پہلو

اللہ کا محبوب اپنی امت کو لیکر مسدود حرام میں اٹھ رہیں بعد کج اپنے خالق کی نماز ادا کرتا ہے یہ وہ باتیں ہیں کہ سنتے ہیں تب بعد خوش آئند ہیں بلکہ اسی قدر معرکہ الاراہیں کیوں دوسری مثال تم کسی قوم کی پیش نظر کر سکیں گے یہ ملتیں اور ہے اور نبوت و رسالت کی اور یہ تجلیات ختم رسالت کی تھیں اس کا امت بلکہ ملمع کاری و تسلی سازی کیا کریں گے

۱۔ ملمع کاری۔ ۲۔ ملمع کا کام، وہ چیز جس پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھایا جاوے (۲) منانقت (۳) کنایہ (ظاہری ٹیپ ٹاپ) ۴۔ تسلی سازی۔

۵۔ فیدی پھیرنا (۲) دانش بردار، کلمہ کا معنی پرانے کے معنی۔ ۶۔ "یار کی زبان کہاں اور زبان سوسن کہاں، ہر وہ پھول جو کھاتا ہے اپنا رخ

قدرت نہیں رکھتا۔" ۷۔ غلغلہ۔ ۸۔ موم شہرہ آوازہ (۲) نزل، نمونا (۳) دھاک، شہرہ ۹۔ انکشافات (انکشاف کی جمع) ظاہر ہونا، کھانا (۲) کھولنا

یوں دیتا ہے طہ مانزلنا علیک القرآن لتشیق الا لتذکرہ لمن یحییٰ ذلک صیب ذرا
ہم نے اس لئے نہیں نازل کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ یہ تو دنیا والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔

حضرت! اس پر لطف مضمون کو کہاں تک بیان کروں؟ نہ حسنِ غلیبے دارد نہ سجدی زسخن
پایاں۔ صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہوگا کہ عبارت ہی آنحضرت کی صین تھی اور ہی آپ کا آرام تھا۔
اس کے سوا کسی چیز میں آپ کو لذت نہیں ملتی تھی جب کبھی طبع لطیف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مگر
ہوتی تو حضرت بلال سے فرماتے کہ اسے پھینک دو یا بلال (اے بلال مجھے راحت پہنچاؤ) حضرت بلال اذان
دیتے۔ اس کبیر المتعال کا نام ترتیب اذان میں شکر آس پیکر عشق الہی کو عجب فرحت و انبساط ہوتا ہے
دل زندہ می شود یا میدیصال یا + جاں رقص می کند بسباع کلام دوست

دل میں ایک طرب انگیز حقیقی سرور پیدا ہوتا اور بہرین موبادہ محبت الہی میں مخمور ہو جاتی۔ شوق پیدا
محباب عبادت میں کھڑا کر دیتا اور وہ خدا کا محب و محبوب نمازیں مصروف ہو کر عالم ناسوت و ملکوت طے
کرتا ہوا لی مع اللہ وقت لایعنی فیہ ملائکہ مقرب ولانی مرسل پر پہنچ کر مشاہدہ تجلیات
شاہد حقیقی میں مصروف ہو جاتا اور فارغ ہو کر اپنی آیت سے فرماتا کہ قرۃ عینی نے الصلوٰۃ میرے
آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

ختم کلام

ایسے حضرات۔ غور کرو۔ یہ بے سرو پا زندگی کب تک۔ مہنات و لایعنی کلیات کا درد کہاں تک۔ عمر
گراں بہا کا صرف کس حد تک آؤ ہم اپنی زندگی کا کوئی مقصد قرار دیں تاکہ ہمارے اقوال و افعال ایک
محور پر گردش کریں۔ جب تک اقوال و افعال کا کوئی محور قرار نہ دینگے اس وقت تک ہماری زندگیاں صحیح
نتیجے پر نہ پہنچیں گے۔

زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہے اس سے لیل و نہار و تغیرات موسم پیدا ہو کر طرح طرح کے گل
کھلتے ہیں اور کیسے عجیب و غریب فوائد ہیں اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس ہمارے اقوال و افعال اگر
ایک محور پر گردش کریں گے تو کیا ان سے مفید نتائج حاصل ہونگے؟ ہونگے اور ضرور ہونگے۔ پس

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا ایک خاص وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی فرشتہ اور توفیق نہیں دیکھتا ہے۔ " کشف الخفا، حصہ دوم - ص ۲۷۱، الحدیث ۱۱۵۹، طبع ثانی - دار احیاء التراث العربیہ - بیروت ۱۳۵۲ھ
القاصد الحسن - رقم الحدیث ۹۲۶، ص ۲۵۸، طبع اول، دارالکتب العلمیہ - بیروت، ۱۹۸۷ء - سنن نسائی، کتاب عمر و النساء، باب حب النساء، حصہ دوم، ص ۷۷، طبع ثانی، دار احیاء التراث العربیہ - بیروت ۱۳۵۲ھ
مہنات (مہنوت کی جمع) ایسے وہ اور ہونے لگتی ہیں۔ بہت قیمتی چیز تھی۔

۱۔ طہ: ۳۲۱، ۲ (مصرع) نہ آپ کے حسن کی کوئی حد ہے اور نہ سجدی کی بات کا کوئی انجام۔ ۳۔ مکرر (کنایہ) عملیں، رنجیدہ
۴۔ پناہ بلال ارضنا بالصلوة۔ منہاج احمد بن حنبل، احادیث رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث ۲۳۲۷، ۲۳۲۸، ۲۳۲۹، بیت الافکار
لہ ولیتہ۔ اردن، ۲۰۰۳ء، ص ۱۶۹۹، ۵۔ کبیر المتعال۔ خدائے بزرگ دہرے۔ ۶۔ "محبوب کے وصال کی امید سے دل زندہ ہو جاتا ہے۔
دوست/محبوب کی آوازیں کر روح رقص کرنے لگتی ہے۔" ۷۔ سنن مؤ۔ بال کی جز ہر دوں ۸۔ عالم ناسوت و ملکوت۔ ثانی عالم اور فرشتوں کی دنیا
۱۲۲

گنہگار و بیدار کوئی شاخ نہیں دیکھتے چھانٹنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ قرآنی تدبیروں کی نہیں اسی طرح چاروں
 پر یہاں طلب العطف النظر کی رٹ لگائیں۔ احادیث کریمہ سے حوص اسی طرح پر مزید بین دراق اسنے
 دئے ایک ٹکڑہ بھی نہ پائیں، فقہ کے مسائل اسی طرح حاجت روا، لیکن تو این مجربہ کے ہاتھوں بعضائی
 کے شکار تصوف کے نکات طاب راہ کے وسط اسی طرح مشعل یکف، مگر علوم جدیدہ کی بھولی پوچھ کی
 بدولت اہد خیر کا دھیر علم کلام حل مشکلات فلسفہ میں مخزن حکمت مگر عقول عل و عقیدے دفتر پارہیہ مسلمان
 تیرے رفیق نہیں، امر تیرے عمکار ہیں، نہ پورہ میں تیرا جلوہ نہ مشد میں تو رونق بخش، افسوس ایسے

بے صبا مایہ سلوانہ تو داری و نہ من
 بوسے آن زلف چلیانہ تو داری مژدہ ۱۷

اللهم افتقر لنا بالخیر واختم لنا بالخیر واجعل عواقب امورنا بالخیر سیدك الخیر
 انك علی كل شیء قدير و صلی الله تعالی علی من هو الاول و الاخر و الظاهر و الباطن
 و هو بیگنل شیء علیہ

مختصرہ کا بقیہ

فقیر محمد سلیمان شرف حسنی عنہ
 قصبہ بہار۔ محلہ مسیرواد

۱۳۷۶

۱۔ اکتے ڈول کا مزید، خوش نما، خوش دیش، خوب صورت (۲) نہایت عمدہ ۲۔ بے ڈول۔ بد نما، بد قطع، بد وضع، بد مزین۔
 ۳۔ کلمہ اظہار پیاس ۴۔ اسے صبا، سرمایہ جنون نہ تو رکھتی ہے، نہ نہیں۔ اُن گھٹا گھریالی زلفوں کی خوشبو نہ تیرے پاس ہے، نہ میرے پاس۔

CALL No. ۱۹۱۶۲۳۵ ACC NO. ۱۳۱۶۳
 AUTHOR سیدنا شرف
 TITLE الخطاب

۱۹۱۶۲۳۵
 ۱۳۱۶۳
 سیدنا شرف
 الخطاب

Date	No.	Date	No.
1291003	۱۳۱۶۳		

KEPT AT THE TIME



**MAULANA AZAD LIBRARY
 ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY**

RULES:

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

کتب خانہ مولانا آزاد علی گڑھ کے ذخیرہ میں نسخہ الخطاب کے اجراء کارڈ کا عکس

بہ زبانِ ناشر

۱۸۵۷ء کے کٹھن اور پُر آشوب دور کے معا بعد اسلامیانِ ہند کو اپنے ملی وجود کو درپیش سخت اور نازک چیلنج سے نبرد آزما ہونے اور مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سرسید احمد خان نے اس عظیم خدمت کا بیڑا اٹھایا اور انقلاب بذریعہ تعلیم کا نعرہ بلند کیا۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کا اولین عملی قدم محمدن ایجوکیشنل کانگریس کا قیام تھا، جس کا نام بعد میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہو گیا تاکہ لوگوں کو آل انڈیا نیشنل کانگریس سے اس تنظیم کی الگ اور منفرد حیثیت کا احساس ہو۔

کانفرنس کے اجلاسوں کی صدارت سربراہ آوردہ ماہرانِ تعلیم نے فرمائی۔ سالانہ جلسوں میں کی جانے والی تقاریر اور ہر خطبہ اپنے قومی نقطہ نظر کے علاوہ جہاں ایک طور سے صاحبِ خطبہ کے نہاں خانہ دل کا مجلہ آئینہ اور رجحانات کا ورق کشادہ ہوتا وہیں ان اجلاسوں میں قوم کی ترقی کی تدبیریں سوچی جاتیں، اور قابل عمل تجاویز مرتب کی جاتیں، متفرق اور منتشر قوم کو منظم اور مجتمع کرنے کے لیے غور و خوض ہوتا۔ باہمی صلاح و مشورہ سے قوم کی ترقی کا سیدھا راستہ نکالنے کی سعی کی جاتی۔

اس صدارتی خطبہ میں قوم کو یاد دلایا گیا تھا کہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی بچوں کی تعلیم و تربیت معقول طریقہ سے نہ ہوگی، کیوں کہ تعلیم کی ابتدا آغوشِ مادر سے ہوتی ہے۔ چند سال کی پیہم تبلیغ و ترغیب کے بعد مسلمان تعلیم نسواں کی ضرورت کا دم بھرنے لگے۔ یہ شاید حالات کا جبر اور بعض اہل وطن کی تنگ نظری کی وجہ سے ملازمت کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند ہونے کے خطرہ کے باعث صنعتی و تجارتی تعلیم کے حاصل کرنے کی ضرورت بھی مانی جا چکی تھی۔ ورنہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر مسلمان صنعت و حرفت پر متوجہ نہ ہوئے تو وہ کسبِ معاش کے زرخیز

وسائل سے محروم رہ جائیں گے۔

تعلیمی کانفرنس کے زیر اہتمام پڑھے جانے والے خطباتِ صدارت جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آچکا کوئی چالیس سالوں (۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۵ء) پر محیط ہیں۔ آج سے نوے (۹۰) سال قبل شائع ہونے والے خطبات کی اہمیت و افادیت اور قدر و قیمت کیا ہے؟ اور مسلمانوں کی تعلیم پر بتدریج ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے!!..... یہ آپ 'خطبات عالیہ' کے مقدمہ نگار فاضلِ ندوہ مولانا محمد اکرام اللہ خاں صاحب کی زبانِ بلاغت نظام سے سنیے۔

”آپ ان خطبات کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تعلیم کے متعلق کتنے جدید مسائل پیدا ہو گئے اور ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت نے مسلمانوں کی تعلیم پر کیسا زبردست اثر ڈالا ہے یہ چیزیں آپ کو کسی دوسری کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتیں لہذا اس پہلو سے بھی خطبات کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے مفید و سود مند ہے۔“

کانفرنس کے سالانہ اجلاس متحدہ ہندوستان کے مختلف صوبجات میں علی گڑھ، لکھنؤ، لاہور، الہ آباد، دہلی، شاہ جہاں پور، میرٹھ، کلکتہ، رام پور، مدراس، آگرہ، بمبئی، ڈھاکہ، راولپنڈی اور دیگر مقامات پر جن صاحبانِ علم و حکمت کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوئے، کے بارہ مولوی انوار احمد زبیری (مارہروی) رقم فرماتے ہیں۔

”جن بادقار لوگوں نے کانفرنس کے جلسوں کی صدارت کے فرایض انجام دیئے ہیں وہ اپنی مختلف النوع قابلیتوں اور اوصاف کے لحاظ سے اپنے اپنے دور زندگی میں اس پایہ کے بزرگ تھے اور ہیں جن کا مرتبہ نہ صرف علمی حیثیت سے بلند نظر آتا ہے بلکہ ان کی اصابتِ رائے اور ان کی قومی ہمدردی کی وجہ سے ہی خواہاں قوم کے سربراہ اور وہ طبقہ نے ان کو منصبِ صدارت پر منتخب کر کے عملاً ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔“ (دیباچہ: خطبات عالیہ، حصہ اول)

ان خطبات میں خطبہ صدارت مولوی سر رحیم بخش (۱۹۱۴ء) ایک نمایاں اور قابل ذکر حیثیت کا حامل ہے۔ جس کی اہمیت اور افادیت اس کے مندرجات پڑھنے کے بعد ہی سمجھی جاسکتی ہے۔ ہم کوئی تبصرہ کیے بغیر یہ کام قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

ناشر

فیضانِ کتب و قلم

خطبات عالیہ

یعنی

آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس علی گڑھ کے

پہلے سالہ خطباتِ صدارت کا مجموعہ

حصہ دوم

(از اجلاس سبت و یکم تا اجلاس سی ام)

جس میں ہر معزز صدیق کے قابل مطالعہ سبق آموز حالاتِ زندگی مع فوٹو کے چھاپے گئے ہیں

مرتبہ

مولوی انوار احمد صاحب زبیری (مارہروی)

حساب لاشاد جناب صدیق خٹک بنا مولانا حاجی محمد صیب الرحمن خاصا شروانی

آزبیری سکریٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس

پانہام محمد مقتدی خان شروانی

مسئلہ نو سواری سرسالی گزشتہ سال سے
پہلے

(صدر دفتر کانفرنس نے شائع کیے)

[یا اول]

عکس سرورق: خطباتِ عالیہ حصہ دوم مرتبہ مولوی انوار احمد زبیری، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۸ء

خطبات عالیہ حصہ دوم

(منعقدہ راولپنڈی ۱۹۱۲ء ۲۶)

صدر مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب خان بہادر کے سی آئی آئی
پریسڈنٹ کونسل آف ریجنل یاسٹ بھاول پور
حالات صد

مولوی سر رحیم بخش ان منتخب افراد قوم میں سے ہیں جو اپنے زور بازو سے اٹھ کر اعلیٰ مدارج کے ان بلند درجوں پر پہنچے جن کی آرزو بڑے سے بڑے نام آور شخص کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ نسل اور قومیت کے لحاظ سے "راجپوت" مسلمان ہیں جن کا ابتدائی نشوونما ان کے اپنے وطن موضع (ٹسکہ میران جی) ضلع کرناں میں ہوا اپنے وطن کے وزیکولر مدرسہ میں وہ پڑھنے کے لئے بیٹھے اور ٹڈل پاس کر کے پانچ روپیہ کا وظیفہ قابلیت حاصل کیا جس کے بعد نارل اسکول دہلی میں داخل ہوئے اور درجہ بدرجہ اپنے تعلیمی معیار کو بلند کر کے نوکری کرنے پر مجبور ہوئے ۱۸۷۹ء میں ان کو مدرسہ کی ملازمت ملی جن کی ابتدائی تنخواہ پندرہ روپیہ اور پچیس روپیہ ماہوار تک تھی۔ ۱۸۸۶ء میں ترقی کر کے چیف کالج لاہور کی صدر مدرسہ پر پہنچے۔

ان کی زمانہ مدرسہ میں سابق ہزہائٹس نواب صاحب مرحوم بھاول پور چیف کالج میں زیر تعلیم تھے۔ نواب صاحب کے لئے ایک لایق مصاحب کی تلاش تھی مولوی صاحب کے اوصاف نے ان کے لئے اس منصب کی سفارش کی جو مصابحت کے بعد ۱۸۹۲ء میں ہزہائٹس کے ایڈی کائنگ مقرر ہو کر اس خطبات عالیہ حصہ دوم، طبع علی گڑھ کا صفحہ ۲۰۰

کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے اور پانچ برس تک پوری وفاداری اور قابلیت کے ساتھ
 ششہ میں اس ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی مدت ملازمت کے لحاظ سے وہ مستحق
 پینشن نہ تھے لیکن ان کی عمدہ خدمات نے خاص پینشن کا مستحق بنا دیا تھا کچھ
 عرصہ تک وہ اپنے وطن میں خانہ نشین رہے اس کے بعد ضلع مظفرنگر اور کرناں کی ریاست
 منڈال کے میجر مقرر ہو گئے اور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک فرائض منیجر ہی انجام دے رہے
 تھے جو اس دوران میں ہر ہائینس نواب صاحب بھاؤل پور نے دوبارہ یاد کر کے پرائیویٹ
 سکرٹری کی خدمت پر طلب کر لیا، اور ایک سال کے اندر ریاست کے چیف جج مقرر ہوئے
 اور پھر ششہ میں قارن سکرٹری کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے۔ انھوں نے اپنی محنت،
 دیانت، وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت انتظامی کے لحاظ سے اور اپنے مضبوط
 گھیر کڑ کی وجہ سے اپنے اعتبار اور وقار میں حیرت انگیز ترقی کی یہاں تک کہ جب ملک
 کا انتقال ہوا اور ریاست میں انتظامی کونسل کا تقرر گورنمنٹ پنجاب کے زیر نگرانی عمل
 میں آیا، تو ششہ میں کونسل آف ریجنسی کی صدارت عظمیٰ کا عہدہ آپ کو پیش کیا گیا۔
 جنھوں نے برسوں اس عہدے کے اہم فرائض کو اس وقت تک جب تک کہ رئیس حال
 با اختیار نہ بنائے گئے پوری خوش اسلوبی پوری وفاداری اور اعتماد باہمی کے ساتھ
 انجام دینے کی کامیاب اور نیک نام کوشش کی۔ ایک طرف برٹش گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام
 نے ان کی خوش انتظامی تدبیر کو تسلیم کیا تو دوسری طرف وہ رئیس اور ریاست کے چور
 وفادار اور خیر اندیش ثابت ہوئے۔ اور وہ ہمیشہ اپنی بڑی ذمہ داریوں کے مقابلہ میں
 رئیس، رعایا اور حکام کی نظروں میں اعتبار اور عزت کی نظر سے دیکھے گئے انھیں خدمات
 جلیلہ کے اعتراف میں ۱۹۰۶ء میں ان کو سی، آئی، ای کے خطاب سے گورنمنٹ انگریز
 نے سرفراز کیا۔

۱۹۱۴ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کے سنٹرل پیسٹی بورڈ میں بطور ایک مسلمان ممبر کے
 آپ کا تقرر ہوا اور جنگ عظیم کی خدمات کے صلہ میں جو ریاست نے انجام دی تھیں ۱۹۱۹ء
 میں کے سی آئی ای بلکے گئے اس کے علاوہ متعدد اسناد و تمغہ جات و نشانات اعزاز
 ریاست سے مواقع پر برٹش گورنمنٹ سے حاصل کئے اور اب زمانہ دراز کے بعد خدمات ریاست
 سے جدا ہو کر بھول پینشن و انعام خاص مختلف ملکی و قومی خدمات میں حصہ لے رہے ہیں۔

انہوں نے ہمیشہ سادہ اور عملی زندگی کو اپنا نصب العین قرار دینے کی کوشش کی وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے پابند مذہب اور بااخلاق مسلمان ہیں۔ جب وہ ریاست با اختیار اور ذمہ دار حاکم تھے اُس وقت سے مختلف ملکی انسٹی ٹیوشن اور قومی درس گاہیں اُن کی روشن خیالی فراخ قلبی اور ہمدردی کی رہین منت ہیں اور میں گی وہ آج اُس چیفیس کالج لاہور کی مجلس انتظامی اور کونسل کے رکن ہیں جس میں کبھی ان کی حیثیت ایک معمولی مدرس کے درجہ پر تھی وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کورٹ و کونسل کے ممبر اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے لائف ممبر ہونے کے علاوہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانان امرت سر کے صدر ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کی زندگی میں مرحوم کی تحریک کوشش سے پچاس ہزار کا سب سے بڑا عطیہ مجلس ندوۃ العلماء کی جماعت کو دارالعلوم ندوہ کی تعمیر میں بھاول پور کی محل سرشاہی کی جس خرابی محترم نے عطا کیا تھا وہ آپ کی اس عملی دل چسپی کا نتیجہ تھا جو آپ کو اس مذہبی علمی مجلس اور اس کے دارالعلوم کے ساتھ ابتدا سے کار سے آج تک مسلسل طور پر وابستہ کئے ہوئے ہے آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس و دیگر مجالس ہائے قومی کی صدر نشینی کی عزت بھی رہا ان کو مل چکی ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۹ء کے اجلاس ہائے کانفرنس منعقدہ راول پنڈی و خیبر پور اسٹیٹ میں وہ دو مرتبہ صدر بنائے گئے اسی طرح ۱۹۱۵ء میں بمقام لکھنؤ اجلاس ندوۃ العلماء کی صدارت فرمائی ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۴ء میں انجمن مسلم راجپوتانہ پنجاب کی انجمن کے صدر تھے۔ آل انڈیا تنظیم کمیٹی کے عارضی طور سے اور آل انڈیا تبلیغ الاسلام کے مستقل صدر ہیں۔

سال گزشتہ میں اضلاع اودھ اور مالک متحدہ آگرہ کے اکثر مشرقی اضلاع کا تنظیم کمیٹی کے سلسلہ میں سلسل طور پر کئے جینے آپ نے دورہ کر کے قوم کو دعوتِ علم و عمل دینے کی کوشش فرمائی ہم نے بہت سے قومی کام کرنے والوں کے جوش و عمل کو دیکھا ہے قومی خدمت کے لئے پیرانہ سالی میں اس عظیم جفاکشی اور شہر شہر مہینوں دورہ کرنے کی جو مثال انہوں نے پیش کی ہے یہ مثال ان جیسی حیثیت کے لوگوں میں نظر نہیں آتی غرض بہترین اخلاق اور خصائصِ عملی کے لحاظ سے سر موصوت کا کارنامہ حیات قومی ہمدردی "سیلف ہیپ" اور خود داری کے لحاظ سے قوم میں ایسا زندہ نمونہ ہے جو ہر لحاظ سے قابل تقلید اور لائق عمل ہے۔

خطبہ صدارت

خواتین و حضرات! ایسے لمحے بھی انسان کی زندگی میں آتے ہیں جب کہ اس کے کام یا تو
 کی انجام دہی کے متعلق جو اس پر عائد ہوتا ہے اپنی دماغی ناقابلیت کا سب سے زیادہ احساس
 ہوتا ہے۔ اس وقت میرے اوپر بھی ایسا یا تقریباً ایسا ہی احساس غالب ہو۔ یہ پنڈال
 جو سر سید احمد جیسے نیک تھا و وعاقل و فرزانه، نواب محسن الملک جیسے روشن دماغ فصیح
 و بیخ، رائٹ آنریبل سید امیر علی جیسے برگزیدہ فرزند ہند و ممتاز مفقن، مولوی نذیر احمد صاحب
 جیسے جید عالم، نواب عماد الملک جیسے فاضل و اہل الرائے اور ہمارے پنجاب کے فخر قوم
 آنریبل مسٹر شاہ دین جیسے ممتاز جج کی فصاحت و بلاغت سے گونجتا رہا، ہر بلا اظہار تصنیع شکل
 سے اس شخص کے لئے جگہ ہو سکتی ہو جس کی مصروفیات زندگی ایک دوسرے دائرہ
 اور ایک مختلف احاطہ میں رہی ہوں جب ان معیاروں کا خیال کیا جاوے جن کی بنا پر
 آپ کے بہت سے صدر نشین منتخب کئے جا چکے ہیں، جن میں سے صرف چند کا میں نے
 نام لیا ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کا یہ انتخاب کوئی خوش گو اور انتخاب نہیں ہے۔
 یہ صحیح ہے کہ میں بھی کالج کا ایک ٹرسٹی ہوں اور میرا تعلق کبھی کسی زمانہ میں کسی نہ
 کسی طرح پر تعلیمی تحریکات سے رہا ہے لیکن نفس الامری میں میرا تعلق بیک لائف سے نسبتاً کمتر
 طرز کار رہا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ حضرات نے یہ خیال کیا ہو کہ ایک ایسے شخص کے خیالات
 و آرا کو معلوم کریں جو آپ کے حلقہ سے باہر کا ہو، اور میرا گمان ہے کہ آپ کا یہ انتخاب
 ممکن ہے کہ کسی جدید اور غیر معمولی توجہ اور لحاظ کی بنا پر ہوا ہو، اور آپ کو یہ خیال پیدا ہوا
 ہو کہ ایک تماشائی یا اکھاڑے سے باہر کا شخص بسا اوقات اس شخص سے بہتر طور پر کھیل کا انداز
 لگا سکتا ہے جو خود کھیل میں شامل ہو۔

ساجان! اگر آپ کا ایسا ہی خیال ہو تو میں اس عزت افزائی کے لئے آپ کا شکریہ
 ادا کرتا ہوں، جو آپ نے اپنی انجمن کا صدر نشین منتخب کر کے مجھے بخشی ہے گو میں یہ محسوس
 کرتا ہوں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے میں دبا جاتا ہوں جو قدرتا مجھ پر عائد ہوتی ہے۔

بالیقین میں اس کو ایک اعلیٰ اعزاز تصور کرتا ہوں کہ آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت قبول کرنے کے لئے مجھ سے ارشاد کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے میں یقین دلاتا ہوں کہ میں کبھی اس جگہ کم از کم اس حیثیت میں حاضر ہوتا اگر مجھے گزشتہ تجربہ کی بنا پر یہ معلوم نہ ہوتا کہ مسلمان سامعین ایک ایسے شخص کی تقریر کو کس تلمطف آمیز طریقہ سنتے ہیں جس کی دماغی قابلیتیں خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں لیکن یقین جانتے کہ اس کے دل میں ملک اور قوم کے مشترکہ مقصد کو محسوس کرنے میں ان حضرات میں سے کسی سے کم تڑپ نہیں ہے جن کے اسمائے گرامی اس طولانی اور ممتاز فرسٹ میں شامل ہیں جنہوں نے گزشتہ مواقع پر اپنے اجلاسوں کی کارروائی کی رہ نمائی کی ہے۔

اکابرین قوم کا اثر | افسوس ہے کہ ان اکابر میں سے جو مسلمانان ہند کی شاہ راہ تیار کرنے والے اور "صد ہا قرون کے معلمین" تھے ہم سے جدا ہو گئے۔ لیکن ان کا اقتدار اب تک قائم ہی اور عرصہ وراثت قائم رہے گا، تاکہ منازل الحیات میں وہ ہماری رہ نمائی کرے، ہمیں روشنی بخشنے اور ہماری ہمت افزائی کرے۔ واقع یہیں جو وہ لگا گئے ہیں اور یادگار ہیں جو چھوڑ گئے ہیں بکثرت ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان سے ان کی ذکاوت اور ذہانت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

جنگ | اسے حضرات! ہم آج ایسے زمانہ میں مجتمع ہوئے ہیں جب کہ ہمارے سروں پر ایک مصیبت کبریٰ کی گھاٹا چھائی ہوئی ہے۔ جنگ جو یورپ میں ہو رہی ہے وہ بلاشبہ ایسی خونخوار ہے کہ جس کی نظیر تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم لفظ "تہذیب و تمدن" سے موسوم کرنے کا اشتیاق رکھتے ہیں وہ ایسی کم زور و ناطقت شے ہے کہ وہ اس جوع الارض کے طوفان اور حملوں کو نہیں روک سکتی جو از منہ ماضیہ میں کسی نہ کسی شکل میں تباہ کن جنگوں اور حملوں کا باعث ہوا کرتی تھی۔ نہ تو اس کا یہ موقع ہے اور نہ وقت کہ ان اسباب پوری پوری بکثرت کی جاوے جو اس جنگ کا باعث ہوئے ہیں۔ یہ اسباب نہایت کثیر اور مختلف النوع ہیں، اور میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ ایک تعلیمی مجلس ہرگز ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ان کے متعلق کوئی مطول و مبسوط بحث کی جاسکے۔ لیکن بحیثیت ایک ایسے شخص کے جس نے قدیم طرز کی روایات میں پرورش پائی ہوئی اپنی اس رائے کے اظہار کی جرات کرنا چاہوں گا جس کو میں ایسے گہرے یقین اور عمیق اعتقاد کے ساتھ محسوس کرتا ہوں

جو حد بیان سے باہر ہے کہ زمانہ جاں کی تہذیب کی سب سے بڑی ترابیاں اس کی "مادیت" کے فہم کا غلبہ اور تمام دیگر خیالات پر مطلب پرستی کے قابل اعتراض عقیدے کو ترجیح دینا ہے۔ ہر ایک تعلیمی تحریک کی پائیداری اس کی مذہبی رنگت ہے۔ ہمارے مادہ مشرقی خیال کے مطابق کوئی تعلیم مکمل نہیں ہوتی، مادہ قہیکہ اس کی بنیاد انسان کے عقائد مذہبی پر توجہ رکھی گئی ہو۔ معلوم ہونا ہے کہ موجودہ زمانہ میں لوگ مادہ پرستی کی طرف اندھا دھند اور بے بس ہو کر دوڑ پڑے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس بات سے مدبران مشرق و مغرب ڈرتے اور خوف کھاتے تھے آخر کار وہی پیش آئی اور آتش جنگ نے خوف ناک طور پر از روختہ ہو کر خدائی زمین کی لہلہاتی بہار کو تہس نہس کر دیا۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسیح کے اس روایتی ہزار سالہ زمانہ سے جس کو انگریزی شاعر نے ذیل کے دو مصرعوں میں ظاہر کیا ہے اسی قدر بعید ہیں جتنے کہ پہلے کہی تھے ۵

"جنگ مجلس بنی نوع انسان اور تمام عالم کے اتحادی دربار میں جنگ وجدل کے علم کھولنے جائیں گے"

لیکن اس امر کے تسلیم کرنے میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس عظیم الشان تباہی و بربادی کا حقیقی باعث جرمنی کا اصول جنگ پرستی ہے اور لگھو کھا بنی نوع انسان کی زندگیوں کی بے رحمانہ تباہی و قتل و غارتگری کی ذمہ داری خدا اور بندوں کے سامنے صرف جرمنی ہی پر ہے۔ انگلستان کو اگر اس خوفناک غارتگری میں شرکت کرنا پڑی ہے تو اپنے تحفظ حقوق کے لئے اور اس لئے کہ اپنے روایات قدیمہ کی بنا پر اس کو کمزوروں کی حمایت میں جنگ کرنا اور بنی نوع انسان کے مقصد انصاف کی پشت پناہی کرنا ہے۔

انگلستان کا مقصد بدقسمتی سے اس مصیبت (جنگ) نے ایک مختلف شکل اختیار کی ہے کہ مبنی بر انصاف تھا ٹرکی نے نفاقیت اندیشانہ طور سے اپنی قسمت جرمنی و آسٹریا کے ساتھ وابستہ کر دی ہے جو انگلستان اور اس کے حلیفوں کے ساتھ برسر پیکار ہیں۔

صاحبو! اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ معاملہ نہایت ہی پیچیدہ ہو گیا ہے اور مسلمانان ہند کے لئے یہ موقع نہایت آزمائش کا ہے۔ لارڈ ہارڈنگ بالقابہ جیسے ممتاز مدیر کی فہم و ذکاوت بالستائش ہے جن کے دست مبارک میں اس وقت ہندوستان کی تمام حکومت ہے اور جنہوں نے ہمیں یہ یقین دلایا ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ وقوع میں آئے انگلستان اور اس کے اتحادی

اسلام کے مقابلاتِ مقدسہ کے احترام پر نگاہ رکھیں گے۔ مجھے یقین و اِشِق ہے کہ اس یقین و اِشِق نے مسلمانوں کو مطمئن کرتے میں بڑا کام کیا ہے اور مسلمانوں کو اس روش پر قدامت رکھنے کے قابل بنا دیا ہے جو موجودہ حالت میں صرف ایک ہی صحیح روش ہے۔ میرا مدعا سلطنتِ برطانیہ کی مستحکم و فاداری اور جاں نثاری کی روش سے ہے۔

سلطنتِ برطانیہ کے ساتھ | صاحبان! مجھے یقین ہے کہ کسی متنفس کو بھی ایک لمحہ کے لئے اس میں کلام ہماری وفاداری کی بنیاد نہ ہوگا کہ ہم حضور ملکِ معظمِ قیصرِ ہند کی زیرِ حکومت بکمالِ امن و امان رہتے اور محفوظ زندگی بسر کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں اپنے مذہبی رسوم کی ادائیگی میں جو ہر انسان کا پیدائشی حق ہے، کوئی رکاوت یا مزاحمت نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ہمارا یہ سبک مقدم فرض ہے کہ ہم تاجِ برطانیہ کے ساتھ ایسی روش اختیار کریں جو ہماری غیر متزلزل اور لاجنب فاشعاری پر مبنی ہو۔

انے حضرات! مجھے یقین ہے کہ ہم سب کو اس بات پر فخر ہے کہ اپنی سلطنت کی حفاظت میں مقصد نیک میں ہماری ہندوستانی افواج اپنا مناسب حصہ لے رہی ہیں اور یورپ کے میدانِ جنگ میں اپنی شجاعتِ بردباری اور جاں نثاری سے یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ہمارا اور انگلستان کا مقصد واحد ہے۔ تار برقیوں کے مختصر خلاصوں پر لحاظ کرتے ہوئے میرے خیال میں اس بات کے اظہار کے لئے کسی پیشین گوئی کی ضرورت نہیں ہے کہ خاتمہ جنگ یعنی امن و امان کا حصول کچھ بعید نہیں ہے۔ جرمنی کے جنگی دمِ خم کی کمر کم از کم اُس وقت سے ٹوٹ گئی ہے جب کہ اُس کو پیرس کی طرف سے پیچھے ہٹ جانا پڑا، اور گواہی وہ وقت دور ہے کہ ہم کو ان مشکلات سے نجات ملے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اتحادیوں کی متفقہ افواج نے اگر اسی طرح چند اور شکستیں دیں تو یورپ میں امن و امان پھر قائم ہو جاوے گا۔ موجودہ حالت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم تاجِ برطانیہ کے وفادار رہیں اور اس مقصد نیک کے حصول میں جو انگلستان کا ہے تمام امکانی خدمات سے دریغ نہ کریں۔

بجائے تعلیمی کی قدر قیمت | صاحبان! میں ہمیشہ سنتا رہتا ہوں کہ عجلت پسند نکتہ چینی یہ سواں کیا کرتے ہیں کہ آخر کانفرنسوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور ان کانفرنسوں نے مسلمانوں کی یا مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق کیا خدمت انجام دی ہے؟ صاحبان! تعلیم ایک پودا ہے جو آہستہ آہستہ بڑھتا ہے کسی شے یا گل کی تیز رفتاری کی طرح سے اس کے تناج کی توقع نہیں کی جاسکتی اور نہ بارود کی تیزی پر اس کے

نتائج کا قیاس ہو سکتا ہے کہ ادھر آگ دکھائی اور ادھر بارود نئے دھواں نئے دیا۔ اس کے لئے
 اول ضرورت ہے پھاوڑے اور کدال سے بہت کچھ کام لینے کی کالجوں اسکولوں اور وظائف
 کے بہت کچھ کھا ڈالنے اور تخم ریزی کرنے کی اور زمانہ دراز کے گڑے ہوئے تعصبات کی
 ناکارہ گھاس کے ترانے کی تب جا کر کہیں ہم کو اپنی محنت و جانفشانی کے پھلوں کے دیکھنے
 کی توقع کرنا چاہئے۔ جو حضرات ان تعلیمی رپورٹوں کے مطالعہ کی تکلیف گوارا کریں گے جو
 مختلف مقامی گورنمنٹوں نے شائع کی ہیں میں اُمید لگتا ہوں کہ وہ اس امر کو معلوم کریں گے
 کہ تعلیم نے بڑی حد تک ترقی کی ہے۔ لیکن اگر بغرض محال یہ مان بھی لیا جاوے حالانکہ اعداد و
 شمار کے موجود ہوتے ہوئے یہ نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ تعلیم میں کوئی قابل لحاظ اور قابل پسند ترقی
 نہیں ہوئی تب بھی مجھ کو یہ تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس نے جس کے لئے اس
 بانی کی فہم و ذکا قابل ستائش و شکر یہ ہے کہ کم از کم ان تعصبات کے جڑ سے اکھیرٹنے میں کامیاب
 حاصل کی ہے جو اس دماغی تگ و دو کے حق میں مخالف ہے جس کی دور اندیش ہیٹنگ اور
 غیر ہٹنگ نے بنیاد ڈالی تھی۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ اگر کانفرنس نے اس کے سوا کچھ اور
 کام نہ بھی کیا ہو تب بھی اس نے مسلمانان ہند کے ممنون اور محبت بھرے دلوں میں اپنے بانی کی
 اور ان لوگوں کی یاد کو جاگزیں کر دیا ہے جنہوں نے بعد میں اس کی ترقی کے لئے سعی کی۔

مسلمانوں کا اخلاقی معیار | صاحبان! میں اب ایک مناسب حال مضمون کے متعلق کچھ عرض کرتا
 چاہتا ہوں جو بادی النظر میں اگر مایوس کن معلوم ہو تو آپ مجھے معاف کریں گے۔ اخلاق اور
 تعلیم کے درمیان میرے خیال میں کوئی نمایاں تفریق کبھی نہیں کی گئی ایک شے دوسری پر موثر ہے
 اور پھر یہ دونوں خاص انحصار باہمی کی وجہ سے ایسے اجزا پیدا کرتے ہیں جن سے قومی وقار اور
 قومی خصوصیات بنتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک طرف نصف صدی کے جمود و قساہل اور تذبذب نے
 اور دوسری طرف تعصبات نے مسلمانان ہند کی جماعت کو پراگندہ و منتشر کرنے میں مدد دی ہو
 لیکن یہ صرف وہ امور ہیں جن سے اس حالت کی تشریح ہو سکتی ہے کہ کس طرح اس قوم کی اولاد
 کو جو کسی زمانہ میں شاہی دہلی کی پر شوکت درباروں پر برسر حکومت تھی آج ہندوستان کی صفت
 پائیں میں جگہ ملی یا اب اس وقت اس کا یہ درجہ ہے۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ مسلمانان
 ہند کا اخلاقی معیار بالعموم انحطاط کی طرف رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ کسی قوم کی خصوصیات ملی لہجہ
 اس کے علم ادب میں منعکس ہوتی ہیں یعنی اس علم ادب میں جو غیر کا نہ ہو بلکہ خود اسی قوم کا ہو۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ شاعری میں نمک مرچ بھی لگایا جاتا ہے لیکن شعرا کی قابلیت کا کافی لحاظ رکھتے ہوئے بھی اس امر واقعہ کی طرف سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ اگر نظم تہذیب اخلاق کے بجائے صرف تفریح کا سامان ہی مہیا کر سکتی ہو تو ایک قوم کے ادبیات کی اعلیٰ ترین غرض مفقود ہو جاتی ہے اور وہی نظم جو روزانہ زندگی کے بے شمار حقائق پر مشتمل ہے اور جسے قوم کے اقتصاد و عملی حصہ حیات پر عظیم الشان اثر حاصل ہے، بے سود ثابت ہوتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نظم کی توہین نہیں کرنا چاہتا لیکن نظم سے میری مراد وہ مقدس نظم ہے جو براہ راست ہمارے قلوب پر اثر ڈالتی ہے اور ہمیں عوام کالانعام کے دائرہ سے نکال کر روحانی بلندی کی طرف لیجاتی ہے۔ بیماری یا اندوہ کی حالت میں اگر ہمیں ایک شعریا ایک معنی خیز فقرہ سنا دیا جاوے تو ہم ایک تازگی اور بشاشت محسوس کرتے ہیں لیکن اخلاقی یا روحانی ترقی کا اندازہ کرنے کے لئے ایسے مادی درجات مقرر نہیں ہیں جیسے ایک ظاہری حرکت کے اندازہ کے لئے ہو سکتے ہیں اور نہ یہ ترقی سطحی تازگی اور خوشی کی بنا پر متمیز ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس روحانی ترقی کا امتیاز صرف تبدیل ہیئت سے ہو سکتا ہے جس کی واضح مثال کے لئے میں آپ کو ایک انڈے کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ رفتہ رفتہ ایک کیرا بن جاتا ہے اور کچھ مدت کے بعد پروبال نکال کر اڑنے لگتا ہے۔ جو نظم اس قسم کا روحانی اثر نہ پیدا کر سکے وہ میرے نزدیک محض وقت اور قابلیت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ نظم کو انسانی طبیعت میں بڑا دخل حال ہے۔ وہ قلوب کو جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتی ہے، خیالات میں بلندی پیدا کر سکتی ہے اور انسان کو مادی خود غرضی سے نجات دلا سکتی ہے اور جب اس کا نصب العین درست ہو تو یہ اعلیٰ ترین طاقت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن بخلاف اس سے مقصود صرف یہ ہو کہ چند کو تاہ میں دلچسپی خیال لوگ تھوڑے عرصہ کے لئے اس کی تعریف و توصیف کے نعرے لگائیں تو یہ یقیناً ایک مجسم بدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بعض اوقات مضمون واحد پر کچھ شعرا کے خیالات جماعتوں کے اخلاقی تنزل کا اظہار ہوتا ہے۔ میں نے مسلمانان ہند کی کمزوریوں پر ہمیشہ غور کیا ہے اور میرے نزدیک ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان میں "عزت نفس" کا ماوہ نہیں رہا۔ "قول مردان جان دارو" سے زیادہ ترقی پر اُبھارنے والا اور کوئی سطح نظر نہیں ہو سکتا۔ میں بوثوق کہتا ہوں کہ جب تک مسلمانان ہند اس دستورِ عمل پر کار بند تھے ہر قوم ان کی عزت کرتی تھی اور وہ ہر قسم کی نیکی و شرافت کے مظہر تھے لیکن بعد میں جب ان کے اس اعتقاد میں تنزل

پیدا ہو گیا تو ان پر اوبار کی گھٹائیں چھا گئیں۔ پہلے تو وہ ”قول مرداں جاں دارو“ کے معتقد تھے لیکن اس کے بعد ان کے اعتقاد میں جو تبدیلی پیدا ہوئی وہ اس مصرعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

”وعدہ آسان ہو وعدہ کی وفا مشکل ہو“

یہ مصرعہ ایک بین انقلاب کا منظر ہے لیکن اس سے بھی زیادہ وضاحت اور انحصار کے ساتھ یہ تبدیلی ذیل کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے جو یہ ہیں کہ: ۵

”وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا“

حضرات! میرے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس انقلاب پر اوبی پہلو سے کابل بحث کی جاوے اور ان فقرات کو مسلمانان ہند کے انحطاط و تنزل کے مختلف درجات کا قطعی منظر قرار دیا جاوے لیکن میرا اعتقاد ہے کہ اگر کسی قوم کے خیالات کا اندازہ اس کی نظم، اس کی ادبیات اور روزانہ زندگی کے اعمال سے ہو سکتا ہے تو ان مصرعوں سے اس مردانگی اور خودداری کے تنزل اور انحطاط کا پتہ چلتا ہے جس نے قرون اولے میں ہمارے آباؤ اجداد کو امتیاز بخشا تھا اور احساس فرض کا آلہ ہونے کی حیثیت سے جس کی بنیاد مذہبی تربیت یافتہ قلوب میں بڑے استحکام سے قائم تھی۔ مذہبی تربیت اخلاقی جرأت کے حصول پر ابھارتی ہے اور اخلاقی جرأت و خودداری، عزت نفس کا مادہ پیدا کرتی ہے۔ جن اردو مصرعوں کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ان کا قرآن کریم کی اس آیت سے مقابلہ کرو۔

و اوفوا بالعہد ان العہد کان مسعولاً

یقین کیجئے کہ ہمارے نصف مصائب کا باعث متانت و عزت نفس کا فقدان ہے۔ میرے نزدیک یہی وہ صفات ہیں جو تمام اوصافِ حسنہ اور بہرہ روی بنی نوع کی جڑ ہیں۔ بے شبہ یہ صفات اس شریف حب و وطن کا سرچشمہ ہیں جو ایک جماعت میں قوت تحرک پیدا کرتی ہے اور اس کے خیالات کو بلند بنا دیتی ہے اور جس پر کار بند ہو کر لوگ مردانہ و اپنے فرائض ادا کرتے اور دیانت و متانت اور انصاف کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے حقداروں کی ترقی کے لئے تمام ان مواقع سے جو انہیں حاصل ہوں پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اوصاف ہیں ان بزرگوں کی مثال اور یاد تازہ رکھنے کے قابل بننا

ہیں جو اگرچہ اب دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن وہ ایک ایسا زبردست اثر اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ ایک لازوال میراث ہے جس کا اثر ہر شے میں جلوہ افکن ہے اور ہمارے لئے نشانِ قدم کا کام دیتی ہے۔ یہ ہماری اور خود اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ مسلمانوں میں اپنی اصلی حیثیت کو سمجھنے کا میلان پیدا ہو رہا ہے اور یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ اب تمام اقطاع ہند کے مسلمان متحدہ طاقت سے نہ صرف خرابیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ اُس نقصان کی تلافی کے لئے کوشاں ہیں جو گزشتہ نصف صدی میں انھیں پہنچا ہے اس بدداری کی بنیاد علامتِ آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا وجود ہے جو زندہ جاوید سرسید کی قابلیت اور دوراندیشی سے معرض وجود میں آئی اور اسی کے ساتھ شعبہ نظم کی وہ مخصوص ترقی ہو جو علی گڑھ تحریک کے دوش بدوش شروع ہوئی اور جس کے بانی مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب عالی جیسے بزرگ ہیں۔

تعلیمی عقیدہ ہنوز حضراتِ اہلِ تعلیم ایک نہایت وسیع الحد و مکد ہے۔ تعلیم کی نوعیت اور طریق مطلوب ہے تعلیم یہ دونوں ایسے سوال ہیں جو ترقی یافتہ مغرب میں بھی کوئی قطعی صورت اختیار نہیں کر سکے۔ اس حیران کن عقیدہ پر فقلا و ماہرین سیاست نے بہت کچھ بحث کی ہے۔ بے شمار نقاد موجودہ طریق کو قابلِ تسخیر قرار دے چکے ہیں اور ایک کثیر الشعداد گروہ ایسا بھی ہے جو اسے اب تک تھامے ہوئے ہے اور جس کے خیال میں یہ بہترین اور موافق ترین طریق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اکثر ماہرین فن کی یہ رائے ہے کہ آئندہ تعلیم میں مذہبی اور اخلاقی پہلو غالب رہنا چاہئے اور اس میں یہ خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے کہ وہ علی زندگی کی ضروریات کے موافق ہو۔ اس اختلاف آرائی نے ایک بحث کی صورت پیدا کر دی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ اب تک بھی کوئی ایسا طریق متیقن نہیں ہو سکا جس کے مطابق آئندہ تعلیم کی نوعیت کا فیصلہ کیا جاسکے۔ میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ ہماری قوم کے لئے جسے غربت یا افلاس یا ایک ایسی حالت نے جو سیاسی تنزل کے بعد ظہور پذیر ہوا کرتی ہے بڑی سختی سے دبا رکھا ہے۔ مختلف تعلیمی اصولوں کا عملی تجربہ یا جدید اور خیر آزمودہ طریقوں کا اجرا ایک ایسی بدعنوانی ہوگی جس کے بد نتائج کی وہ کسی صورت میں بھی تاب نہیں لاسکتی۔

ہم کہ مقرر شدہ دستور عمل پر ہمیں لازم ہے کہ تمام مقاصد و اغراض کے لئے اسی دستور عمل پر حامل ہونا لازم ہے چلیں جو مقرر شدہ ہے، اُس میں صرف اسی قدر ترمیمات کر لیں

جو ہماری قوم کی خاص ضروریات کے مناسب حال ہوں۔ میرے اس بیان سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی تعلیم کے متعلق درست اور اٹل ہے یا یہ کہ ہم کو پس و پیش کا کچھ لحاظ نہ رکھنا چاہئے اور یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ اس ہم پر کیا اثر کیا ہے۔ میرے خیال میں گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی کا لب لباب صاف طور سے اُن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جو انڈین ایجوکیشن پالیسی (مطبوعہ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۰۶ء) سے میں اخذ کرتا ہوں:-

طریقہ تعلیم میں جس کا اس طرح رواج دیا گیا ہے اُن تمام دماغی ترقیات کے لئے جو ایک مذہب قوم کے نمایاں شان ہوں، مختلف مدارج کے لحاظ سے سامان موجود ہے۔ اس سے تعلیم مخصوص (دریسی) کے متعلق طلباء کی تمام خواہشات قابل اطمینان طور پر پوری ہوتی ہیں۔ اس سے گورنمنٹ کے لئے متدین اور ہوشیار ملازمین ہم بچتے ہیں۔ اس سے ایسے کارگر تیار ہوتے ہیں جو ہر ایک شعبہ تجارت کے لئے جو ہندوستان میں مستحکم طور پر قائم ہو گئی ہے کارآمد ہوتے ہیں۔ اس سے ملک کے ذرائع ترقی کو امداد پہنچتی ہے اور فنون لطیفہ اور صنعت و حرفت کو ترقی ہوتی ہے۔ اس سے ملک کی ہر ایک جماعت کو اُن کی ضروریات زندگی کے مناسب حال تعلیم ہوتی ہے، اور ان اغراض کے حصول کے لئے یہ طریق تعلیم ایسے طور پر مدون کیا گیا ہے جس سے تعلیم غیر محدود طور پر پھیل سکتی ہے کیونکہ تعلیم کی مانگ بڑھتی جاتی ہے اور حکومت اور پبلک کی طرف سے ایک بڑے پیمانے پر قیامانہ امداد ملتی جاتی ہے۔“

یہ پالیسی جناب گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ۱۹۰۶ء میں ظاہر کی تھی، اور یہی پالیسی آج کے دن تک چلی آتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی جہاں تک کہ وہ خاص مختص ضروریات پر مؤثر ہے، سخت و درست نہیں ہے۔

مذہبی تعلیم | یہ صاف جہاں ہے کہ گورنمنٹ بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ اُس کی پالیسی ”غیر محدود وسعت“ کی محتاج ہے۔ بعض بڑے بڑے اصول کے لحاظ سے البتہ ہم کو اس عام طرز تعلیم کے ساتھ ساتھ چلنا پڑے گا جو ہندوستان میں مروج ہے لیکن اس سے ہمیں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ہم اس کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیں جس سے کسی ایسی قوم کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

جس کے مذہبی اور اخلاقی خیالات کی بنا اس کی قدیمی روایاتِ قومی پر ہو اور وہی اس کی بہترین پونجی ہو۔ میرا اعتقاد ہے کہ یہ ایک دستور ہو گیا ہے کہ جو شخص اس بات پر زور دیتا ہے کہ طریقہ تعلیم میں مذہبی تعلیم کو ممتاز و رجبہ اور اونچی جگہ ملنا چاہئے اس پر خوب لے دے کی جاتی ہے۔ ایک ایسے زمانہ میں جیسا کہ زمانہ موجودہ ہے جس میں فیشن اور دستور کے شور و شغب سے لوگوں کا اکثرناک میں دم کیا جاتا ہے مجھے شک ہے کہ کہیں میرے اُن مذہبی خیالات پر جو میں نے ظاہر کئے ہیں یہ فتویٰ تو نہیں لگا دیا جائے گا کہ یہ ایک ملاؤمی کے خیالات ہیں یا ایسے خیالات ہیں جن میں دیوانگی کا اثر پایا جاتا ہے۔ لیکن مسلمان ہند کے اوج ترقی پر پہنچانے کے متعلق آپ کے کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں اور اس کے متعلق آپ کی تجاویز کچھ بھی قرار کیوں نہ دی گئی ہوں مجھے یہ عرض کرنے میں کچھ بھی تامل نہیں ہے اور میں نہایت زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہم بہترین عملی انسان اور بہترین مشرقی قوم اور عظیم الشان سلطنت کے بہترین شہری اسی وقت بن سکتے ہیں جب کہ ہمیں اُس تعلیم کے ساتھ ساتھ جو سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں دی جاتی ہے۔ مذہبی تعلیم و تربیت بھی کافی طور پر دی جاوے۔ میری تو یہ قطعی رائے ہے کہ قومی ذہنی کی تعلیم و تربیت جو مذہب سے معزاً ہو یا زیادہ صحت کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تعلیم جس کا باگ مذہب کے ہات میں نہ ہو وہ زیادہ سے زیادہ ایک بل اعراض ذہانت و جودت طبع پیدا کرتی ہے۔ تعلیم جو مذہب سے معزاً ہو وہ ایسے آدمی پیدا کرتی ہے جو ذہانت کے پہلوان کہلاتے ہیں۔ جس شخص کو اچھی طور سے مذہبی تعلیم دی گئی ہو خواہ وہ کسی فرقہ کا آدمی ہو کیونکہ میرا اعتقاد ہے کہ تمام مذاہب کے بنیادی اصول جو اچھے طریقے سے سکھائے گئے ہوں حقیقتاً ایک ہی ہوتے ہیں، وہ ایک ایسا فرد ہوتا ہے جس کے اندر ایک ایسی طاقت کام کرنے والی ہوتی ہے جو اُس کے قلب پر حکمرانی کرتی ہے جو نیک خیالات، صالح ایمان اور نیک زندگی بسر کرنے کی تحریک کی قوت کا منبع ہے۔ اور یہی وہ کارکن طاقت و قوت تھی جو گزشتہ صدیوں میں شہر آفاق ہمارا درانِ اسلام میں جاری و ساری تھی۔ یہی وہ چیز تھی جس نے جاں نثارانِ پیغمبر علیہ السلام اور علم بردارانِ اسلام کو ہر بات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے پر مصیبت کو برداشت کرنے اور ہر طرح کا ایثار کرنے اور اپنے فرض کی انجام دہی میں مذہب نہ ہونے کے قابل بنا دیا تھا، اور یہی وہ زبردست مذہبی اور اخلاقی جذبہ ہے جس کی بدولت پیروانِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عام انسانی گردہ برہہ کو ممتاز نظر آتے ہیں اور جب ہم ان کے سوانح اور حالاتِ زندگی پڑھتے ہیں تو اپنے آپ کو ان کے

مقابلہ میں ایسے پست درجہ پر پاتے ہیں کہ ہمارا خون خشک ہوتا ہے، دل بیٹھ جاتا ہے اور اعضا میں ریشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہم کو سراسر ایسی خوبیوں اور اوصاف سے متصف نظر آتے ہیں جو کسی قوم کے فخر اور افتخار و اعزاز کا باعث ہوتی ہیں۔ وہ مثل منور اور روشن تاروں کے ہر زمانے اور ہر وقت میں تاباں اور درخشاں رہیں گے۔ ان کے کارناموں کی تابانی سے تاریخ کے صفحات متور ہیں اور ہم کو اس امر کا پتہ اور احساس دلاتے ہیں کہ ایک زمانہ میں ان کا وجود تھا اور وہ جامعہ حیات میں تھے۔ کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی معقولیت کے ساتھ اس امر کا ادا نہیں کر سکتا کہ علوم مشرقیہ اور مذہبی تربیت کی کافی استعداد و لائق اور شایستہ افراد پیدا کرنے سے قاصر ہوگی۔ دور کیوں جاتے ہو۔ آپ تسلیم کریں گے کہ سرسید احمد، نواب وقار الملک اور ایسے ہی دیگر بزرگوں نے آپ کی پونی ورسٹی سے کوئی استفادہ حاصل نہیں کیا۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ کسی کو اس میں کلام نہ ہوگا کہ یہ لوگ عام انسانوں سے بالاتر ہیں۔ اور ایسے بالاتر کہ جو اپنی شخصیت اور قوت کے نشان جاری جماعت کے اخلاق پر چھوڑ گئے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کی تعلیم کس قسم کی ہوئی تھی، محض قومی تعلیم یا زیادہ صحت کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فالص مشرقی تعلیم، اور اگرچہ ان کو بجا طور سے ذہانت اور قوتِ مافی کے لحاظ سے عام انسانوں سے بالاتر درجہ دیا جاتا ہے مگر ان کی تعلیم و تربیت کی بنیاد عربی و فارسی ہی پر تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے بعض حضرات مجھ کو اس فلسفیانہ معنی سے خاموش کرنا چاہیں گے کہ وہ لوگ زمانہ کے ارتقا کا نتیجہ تھے، لیکن میں عرض کروں گا کہ ان کی ذہانت و فطانت کی عمارت کی بنیاد میں مشرقی تعلیم اور محض مشرقی تعلیم ہی تھی۔

حضرات! میں اس موقع پر زمانہ حال کی تعلیم کے بر خلاف وعظ نہیں کہتا۔ مجھ کو مغربی تعلیم کے فوائد کا بخوبی احساس ہے حقیقت یہ ہے کہ ممکن نہ تھا کہ بغیر مغربی تعلیم و تہذیب کے مسلمانانہ ہند اپنے تنزل و انحطاط کی روک تھام کر سکتے جس میں وہ ان تعصبات اور تعصبات الاعتقادی کی بدولت گرتے چلے جا رہے تھے جو ان کی سیاسی قوت کے جاتے رہنے سے ان میں پیدا ہو گئے تھے اور جو ان کی جماعت کو اندر ہی اندر گھن کی طرح پر باد کر رہے تھے میرا اور حقیقت یہ اعتقاد ہے اور اس میں تخالف رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر ہم بحیثیت قوم کے چاہتے ہیں کہ زندگی کی تگ و دو میں دیگر اقوام کے مقابل اپنی ہستی کو قائم و برقرار رکھیں تو ہمارے نظام تعلیمی میں زمانہ موجودہ کی تعلیم و تربیت کو اول جگہ ملنا چاہئے۔ لیکن میں عرض کروں گا اور پوسے اعتقاد کی بنا پر عرض کروں گا کہ من حیث القوم ہم اپنی شخصیت و جداگانہ حیثیت کو کھو بیٹھیں گے اگر

ہم نے اس غیر روزی مشرقی تعلیم و تہمت کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیم کو جس کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے کافی طور سے باہم آمیز سس نہ کی، ظاہر ہے کہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ہم کو کوئی ایسی تعلیم چھوڑنا ہی ہو نہیں سکتی لیکن مجھے اس امر کا کمال یقین ہے کہ خود ہمارے قومی کالجوں اور اسکولوں میں ہمارے لئے کوئی امر نافع نہیں ہے کہ ہم اس کو بہترین شکل میں نہ بنایا کر سکیں اور اس موقع پر میں اپنا دلی خیال آپ کو بتاتا ہوں، یعنی اس شخص کا دلی خیال جس نے پرانی روایات کی بنا پر تعلیم پائی ہے اور جو زمانہ حال کی تہذیب و تہذیب سے بھی کوئی تغیر و خفا نہیں رکھتا کہ اگر اس خصوص میں آپ کی مجوزہ یونیورسٹی انتظام کرنے سے قاصر ہے گی تو وہ اپنے اس حقیقی مطلب و مدعا میں ناکام رہے گی جس کی دولت وہ قوم کی نظروں میں ہر دلعزیز و مفید اور تمام قوم کے لئے فائدہ رساں اور عملی کام کرنے والی ثابت ہوگی، مزید برآں میں عرض کروں گا کہ آپ کی مجوزہ یونیورسٹی کی مشرقی تعلیم کا پہلو نہایت مستحکم اور مضبوط ہونا چاہئے اور عربی تعلیم و نیات کی ڈگری کے لئے وسیع سہولتیں اور سامان مہیا ہونے چاہئیں۔

تعلیم عربیہ | میں عربی علم ادب کو پیر و ان اسلام کی تعلیم کے حق میں نہایت قیمتی خیال کرتا ہوں
مقابلہ فارسیہ | اور میں اس کو فارسی پر جو مغلوں کی حکومت میں عدالتی زبان تھی قطعی طور سے ترجیح دیتا ہوں۔ شاہان مغلیہ کے وقت میں ہماری کتب دینی اور دنیات کا علم فارسی زبان میں نہیں تھا بلکہ عربی زبان میں تھا اور فارسی کی حیثیت اُس وقت وہی تھی جو اس وقت ہندوستان میں انگریزی زبان کی ہے، یعنی ملک کی عدالتی زبان۔ فارسی کا کام اب انگریزی نے لے لیا ہے اور اس لئے میری رائے ہے کہ اسے ترک کر دینا چاہئے اور عربی زبان کو اپنے نصاب تعلیم میں داخل کرنا چاہئے۔ مجھے اس امر سے انکار نہیں ہے کہ فارسی نے عربی کے اخلاط سے علم ادب پر بہت عمدہ اثر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کے بہت سے افراد انگریزی اور عربی کو پڑھیں اور کسی دوسری مشرقی زبان کا بوجھ نہ اٹھائیں، جس کے شمول سے زندگی کی دوڑ میں ہمارے لئے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ میں اس سوال پر بحث کرنے سے کہ قوم کو تہذیب کی اور عربی کی تعلیم کے لئے کن ذرائع اور طریقوں کو اختیار کرنا چاہئے، بلا ضرورت آپ کی سمجھ سزا شئی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ تفصیلات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب مختلف شعبہ ہائے تعلیم کے نصاب کی اسکیمیں مدون ہوں گی اُس وقت ان پر مناسب طور سے توجہ کی جائے گی۔ عربی اور مذہبی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے

جو طریقے میرے ذہن میں آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ویسی مکاتب اور مدارس قرآنی کی توسیع کی جاوے۔ بنگال میں ڈاکٹر راس کی تحریک پر جو کئی سال سے کلکتہ مدرسہ کے پرنسپل تھے اور اب آخر میں گورنمنٹ ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ کے اسٹنٹ سکرٹری ہیں، گورنمنٹ نے بڑے بڑے دیہات میں مکاتب و مدارس قرآنی کے اجرا کا کام کرنا شروع کیا ہے یہ انتظام فی الحال بطور آزمائش کے ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر اس کا انتظام عمدہ طریقے سے چلایا گیا اور گورنمنٹ کی طرف سے جو تقویت اور امداد مل رہی ہے وہ ملتی رہی تو اس سے مسلمانوں کی مذہب کی ابتدائی تعلیم کی اشاعت اور ان کی قومی خصوصیات کی تقویت کے لئے عمدہ نتائج مترتب ہوں گے۔

ایک تندرست اور خود دار حضرات! اگر میں نے مذہبی تعلیم کے متعلق لمبی چوڑی تقریر کی ہے تو محض قومیت کی شرائط اس وجہ سے کہ مجھے اس امر کا یقین و اثق ہے کہ کسی قسم کی بھی تعلیم سے جو اس نام کی مصداق ہو آخر الامر وہ باتیں نہیں پیدا ہو سکتیں جو ایک قوم کو تندرست مضبوط اور خود دار بناتی ہیں۔ آپ صاحبوں کا جو کچھ بھی خیال ہو وہ ہونا میرا تو یہ خیال ہے کہ جس تعلیم میں مذہبی تعلیم شامل نہ ہو اس سے اعلیٰ صفات کے انسان پیدا نہیں ہو سکتے۔ چونکہ ایک دن ہماری اپنی یونیورسٹی ہوگی، اس لئے میرے خیال میں یہ بے محل نہ ہوگا اگر میں چند الفاظ ان موٹے موٹے اصولوں کے متعلق عرض کروں جس پر یونیورسٹی کو کاربند ہونا چاہئے۔ لندن ٹائمز کے ایک مضمون سے جو بظاہر ایسے شخص کے قلم سے معلوم ہوتا ہے جو ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کا ماہر ہے۔ میں حسب ذیل الفاظ کا اقتباس کرتا ہوں:-

خالص دماغی ذہانت کے نکتہ خیال سے (اور اسی پر آج ہم بحث کرنا چاہتے ہیں) اگر ہندوستانی یونیورسٹیوں کی حالت کا پورا معائنہ کیا جاوے تو نہایت تکلیف دہ ثابت ہوگا۔ اپنی خود اتدہ آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ہندوستان کو یہ فوٹو حاصل ہے کہ وہ یونیورسٹی گریجویٹوں کی اس تعداد سے بہت زیادہ تعداد رکھتا ہے۔ جو اس کی یا کسی دوسرے ملک کی ہے۔ لیکن اس پیداوار کی قابلیت اوسط کے لحاظ سے افسوس ناک طور پر پست ہے اور مستقل طور پر کم ہوتی جاتی ہے.....

فی الواقع بات یہ ہے کہ ایک طرف تو معنوی امتحانات نے ہندوستانی تعلیم کو جو یونیورسٹیوں

میں دیجاتی ہوگی اور اسے خلیہ پایا سے اور نکال کر دیا ہے اور دوسری طرف کتب درسیہ نے جو طلباء کے قوت یا دہی کو جانچتے ہیں نہ ان کی ذہانت کو نتیجہ یہ ہے کہ بعض طباع اور ذہین طالب علم اس غیر مفید اور سخت طریقہ تعلیم کے جگر بند توڑ کر ابھر جاتے ہیں لیکن ایک کثیر تعداد "کتب درسیہ کی خلائی اور امتحانات کے جگر بندوں کا آہستہ آہستہ خکار ہو جاتے ہیں" مجھے اُمید ہے کہ ہماری یونیورسٹی موجودہ وقت یونیورسٹیوں کی اندھی تقلید نہیں کرے گی۔ اور جب اس کے مفاد اور ضوابط کے تدوین کا وقت آئے گا تو موجودہ طریقے کے نقائص و عیوب کو فراموش نہیں کر دیا جائے گا۔

اعلیٰ تعلیم استحکام یونیورسٹی کا نظام تعلیم جس سے میری مراد اعلیٰ تعلیم سے ہے، خواہ وہ برا ہے یا حاصل کر چکی ہے بھلا اس ملک میں استحکام کپڑا چکا ہے۔ اس پر صرف خوردہ گیری کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے نقائص کا پتہ لگانے، اس کی اصلاح کرنے، اسے مضرات سے پاک کرنے اور تمدنی و علم کی حقیقی ضروریات کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ معاف فرمائیں گے اگر میں اصل بحث سے کچھ تجاوُز کروں۔ رسالوں اور عام اخبارات میں جو کچھ نکتہ چینی اعلیٰ تعلیم کے ناقص ہونے کے متعلق کی جاتی ہے اس سے بعض لوگ یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ گورنمنٹ اس ملک میں اعلیٰ تعلیم سے دست کش ہونے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ گورنمنٹ نہ تو دست کش ہونا چاہتی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ جب کہ ایک مرتبہ اس نے ہمیں ذہنی و عقلی حیثیت سے مغرب کا حصہ دار بنا دیا ہے تو اس کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ ہمارے اس حق کو برقرار رکھے اور اسے وسعت دے۔ نہ کہ اس کو محو کر دے۔ لارڈ میکالے نے (جو اس زمانے میں کونسل کے مشیر قانونی اور سررشتہ تعلیم کی مجلس کے صدر تھے) جو پالیسی ۱۸۲۵ء میں کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اپنے مشہور مراسلے میں اس پالیسی کو وسعت دی تھی جس میں انھوں نے اس فیصلہ کا اعلان کیا تھا کہ گورنمنٹ کو ہندوستان میں مغربی تعلیم کی وسیع اور باقاعدہ ترقی مستعدی کے ساتھ انداز دینا چاہئے۔ ۱۸۲۳ء میں لارڈ ڈلہوزی وائسرائے تھے اُس وقت سرچارلس ڈوڈ (جو بعد میں وائیکونٹ ہیلیفیکس کہلائے) ان کا مراسلہ ہندوستان کے لئے ایک تعلیمی اسکیم پر مشتمل موصول ہوا۔ اس مشہور مراسلہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"..... کثیر التعداد اہم معاملات میں سے کوئی معاملہ مسئلہ تعلیم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ہے یہ ہمارا ایک مقدس ترین فرض ہے کہ جہاں تک ہمارے امکان میں

ہی۔ ہم ہندوستان پر ان کا کثیر اخلاقی اور مادی برکات کے نزول کا ذریعہ بن جائیں جب
علوم نافعہ کی عام توسیع و اشاعت سے حاصل ہوتی ہیں اور جو ہندوستان انگلستان
کے ساتھ اپنے تعلق سے حاصل کر سکتا ہے۔

اس سے ذرا آگے چل کر مراسلہ مذکور میں نہایت زور کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے کہ:-
جس تعلیم کو ہم ہندوستان میں وسعت دینا چاہتے ہیں اس کا مقصد ترقی یافتہ علوم
و فنون، سائنس، فلسفہ اور ادبیات یورپ یا بالفاظ مختصر یورپین علوم کا پھیلاؤ

ہے....."

جب ملک کی عنان حکومت تاج برطانیہ کے ہاتھ میں آئی تو ۱۸۵۷ء میں اس پالیسی کی جس کی
بنیاد وائیکونٹ ہٹیکس نے ۱۸۵۷ء میں ڈالی تھی دوبارہ توثیق کی گئی۔ میں آپ کو باور کراتا ہوں
کہ اب اس پالیسی سے روگردانی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ برخلاف اس کے تعلیمی مصارت یونا
نیوٹا زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ گزشتہ دس سال میں عام اخراجات چار کروڑ سے سات کروڑ تک
بڑھ گئے ہیں۔ اس موقع پر مجھے یقین ہے کہ ان الفاظ کے اعادہ کے لئے مجھے معافی مانگنے کی حاجت
نہیں، جو ہر امپریل عبثی حضور شاہنشاہِ معظم نے کلکتہ یونیورسٹی کے ایڈریس کے جواب میں ارشاد
فرمائے تھے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جنہوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں امید کی ایک برقی رد
دوڑادی تھی، یہ الفاظ اعلیٰ دانش مندی، تدبیر اور فیاضی پر مبنی ہیں اور یہ ایسے الفاظ ہیں جو
ہر طالب ہندوستانی کو سونے کی تختی پر نقش کرا کے اپنے پاس رکھنے چاہئیں اور جو ہندوستان
کی تعلیمی پالیسی کا نشان امتیاز ہیں۔

شہنشاہِ معظم ہمارے ہر عبثی نے ارشاد فرمایا تھا:-

تعلیمی مستقبل پر

”نی زمانا کوئی یونیورسٹی مکمل نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ علوم و فنون کے
تمام اہم شعبوں کے متعلق تعلیمی ٹیکلیٹیاں اور تحقیق و تدقیق کے پورے مواقع اُس میں
ہمیانہ ہوں۔ تمہیں علوم قدیمہ کو محفوظ رکھنا ہے اور اسی کے ساتھ مغربی علوم کو
ترقی دینا ہے۔ تمہیں کیرکٹر سیرت، بھی پیدا کرنا ہے جس کے بغیر تعلیم کوئی قدر و
قیمت نہیں رکھتی تم کہتے ہو کہ تم اپنی عظیم الشان ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہو میں
اس کام کے لئے جو تم کو درپیش ہے خدا سے دعا ہے کہ اسے کامیابی کی دعا مانگتا ہوں۔ اپنے
مطلع نظر کو بلند رکھو اور ان کی مساعی تکمیل میں فرق نہ آنے دو اور خدا کے فضل و کرم

سے تم ضرور کامیاب ہو گے۔ چھ سال قبل میں نے انگلستان سے ہندوستان کو ایک پیغام ہمدردی بھیجا تھا اور آج ہندوستان میں موجود ہو کر میں تمہیں نوید اُمید دیتا ہوں۔ ہر طرف مجھے نئی زندگی کے آثار اور علامتیں دکھلانی دیتی ہیں تعلیم نے تمہارے دلوں میں اُمید پیدا کی ہے اور اعلیٰ اور بہتر تعلیم سے تم کو اعلیٰ و بہتر اُمیدیں حاصل ہوں گی۔ میرے حکم سے دہلی میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ میرا نائب السلطنت باجلاس کونسل ہندوستان میں مصارف و ترقی تعلیم کے لئے بیش تر ارب روپے وقف کرے گا۔ یہ میری آرزو ہے کہ ملک میں اسکولوں اور کالجوں کا ایک جال بچھا دیا جاوے جن سے وقادار، جوان اور کارآمد شہری پیدا ہوں جو صنعت و حرفت، زراعت اور زندگی کے تمام دیگر شعبوں میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

میری یہ بھی تمنا ہے کہ اشاعت و ترویج علم سے میری ہندوستانی رعایا کے گھر روشن و منور ہوں ان کی محنت و مشقت میں خوشی و خوشی پیدا ہو اور ان پر بلند خیالی، آرام و آسائش اور تندرستی و صحت کے تمام فوائد حاصل ہوں جو علم کے لوازمات میں سے ہیں۔ میری آرزو صرف تعلیم کے ذریعے سے پوری ہو سکتی ہے اور ہندوستان میں اشاعتِ تعلیم کا مقصد ہمیشہ میرے زیر نظر رہے گا۔

ان سے زیادہ شریفانہ الفاظ اور شریف زبان نہ کہی سنی گئی اور نہ بیان کی گئی ہو اور نہ گورنمنٹ کا رویہ اس سے کچھ مختلف ہے۔ تعلیم کے متعلق پنجاب، رپورٹ جو ہر ایسی لارڈ ہارڈنگ (یعنی وہ عالی شان اور فراخ دل مدبر جو اس وقت ہندوستان پر حکمران ہے) اس کے عہد حکومت میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں صاف اور صریح الفاظ میں گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی اس طرح بیان کی گئی ہے۔

یہ بیان کرنے کے بعد کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نظام میں اصلاح شروع ہو گئی ہے اور پبلک فنڈ (سرمایہ عام) سے غیر سرکاری تعلیم کا ہوں کو جو آمد آؤی جاتی ہے وہ گزشتہ نو سال میں دو چند کر دی گئی ہے اس میں تحریر ہے کہ:-

..... ان عظیم الشان فوائد سے جو تعلیم نے ہندوستان کو بخشے ہیں نہ انکار کرنا

چاہئے اور نہ ان کی قدر و قیمت گھٹانا چاہئے۔ غیر مکمل معلومات کی بنا پر جو نتیجے کی جاتی ہیں وہ اکثر غلط ہوتی ہیں مثلاً یہ قرین الحاضرات نہیں ہو کہ ہندوستانی طریقوں کا جو ابھی ابتدائی حالت میں ہیں مغربی دنیا کے موجودہ طریقوں سے جو تکمیل کو پہنچ چکے ہیں مقابلہ و موازنہ کیا جائے یا نظام تمدنی اور قوائے ذہنی کے اثرات کو نظر انداز کیا جاوے۔ مزید برآں یہ عام الزام کہ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کی بنا عام تعلیم کی نازک اور کمزور بنیاد پر رکھی گئی ہے اور یہ کہ اس کے ذرائع ناکافی ہیں ایک ایسا الزام ہے جو یورپ کے ہر ملک پر کسی نہ کسی وقت میں لگایا جاسکتا تھا۔ ہندوستان ایسے منازل سے گزر رہا ہے جو دوسرے ممالک نے دوسرے زمانوں میں طے کئے ہیں۔

ذرا الفاظ ذیل پر غور فرمائیے:-

..... اپنی پالیسی میں سب سے پہلے گورنمنٹ زیر تعلیم طلباء و انڈرگریجویٹس کے کیئر (سیرت) کی تربیت کی خواہشمند ہے۔ سیرت کے پیدا کرنے میں گھر کے اثر اور معلم کی ذات کو بڑا دخل ہے۔ سابقہ تجربہ کی بنا پر اس امید کی کافی وجہ موجود ہے کہ جوں جوں بہتر تعلیمی حالات کے زیر اثر تعلیمی آسانیاں برپا ہوتی جائیں گی سبیل اصلاح کی صورت پیدا ہوگی۔ تعلیم نسواں پھیلے گی اور بہتر معلمین دستیاب ہو سکیں گے۔ اب تک مذہبی اور اخلاقی کافی امداد بھی دی جا چکی ہے اور اس اصلاح کے بہت وسیع معنی لئے گئے ہیں۔ یعنی بلا واسطہ مذہبی اور اخلاقی تربیت کے علاوہ بالواسطہ طریقوں پر بھی یہ مشتمل ہے جن میں نامحاذی طریق، اجتماعی زندگی، روایات، انتظام ماحول حفظان صحت کی بہتری اور تعلیم کا نہایت ضروری پہلو یعنی جسمانی تربیت اور نظام تفریح بھی شامل ہے۔

اس خیال کی ایک اور عملی تردید کہ گورنمنٹ تعلیمی حوصلہ افزائی کی طرف سے ہاتھ کھینچ لینا چاہتی ہے اسلامیہ کالج پشاور کے قیام میں موجود ہے۔ جو یہاں سے کچھ زیادہ فائدہ مند نہیں ہے اور جو سرکاری ریس کیپل کی مہربانی اور کشادہ دل اور صاحب ادب عبد القیوم صاحب کی حب وطن اور محنت کی یادگار ہے۔ پشاور میں اس تعلیمی تحریک کی اہمیت کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے سرگرمیوں کو بٹرنے فرمایا تھا کہ:-

درہ خیبر کے وہاں کے سامنے ایشیا کے اس مشہور شاہراہ پر کھڑے ہو کر میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے تصور اور قوتِ تخیل پر اس آئندہ روشنی کا زبردست اثر پڑ رہا ہے جو اس اسکول اور کالج کے بننے سے نہ صرف اس صوبہ میں بلکہ ایشیا کے دور دراز گوشوں میں منعکس ہو کر پھیلے گی۔

ہم نہایت جوش کے ساتھ یہ اُمید کرتے ہیں کہ سر ہارکورت بٹلر صاحب کا خواب پورا ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں اس تازہ گراں قدر فیاضی کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہو گا جو اسلامیہ کالج لاہور کے متعلق کی گئی ہے یہ کالج زندہ دلان پنجاب اور بالخصوص انجمن حمایت اسلام لاہور کے ایثار اور حب وطن کی زندہ مثال ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانانِ مدراس کی تعلیمی ترقی کے لئے مالی امداد اکلکتہ مدرسہ کو اعلیٰ درجہ کے کالج تک پہنچانے کی منظوری ایک یونیورسٹی ڈھاکہ میں اور دوسری پٹنہ میں قائم کرنے کا فیصلہ اور رنگون (ملک برہما) میں ایک تیسری یونیورسٹی کے قیام کی تجویز۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا، میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اور اسی قسم کی دیگر تحریکات اس غلط فہمی کی تردید کے لئے کافی ہیں کہ گورنمنٹ کی آئندہ پالیسی ہندوستان میں یونیورسٹی کی تعلیم کی ترقی و اشاعت کو محدود اور کم کرنا ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہوگی کہ تعلیم پر بڑی بڑی رقم خرچ کی جاوے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعلیم گراں ہو جائے گی لیکن گورنمنٹ کا منشا یقیناً یہ نہیں ہے کہ تعلیم کو مٹا دیا جاوے، برخلاف اس کے یہ ظاہر ہے کہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے، اور نہ اعلیٰ حکام اور ماہرانِ تعلیم کی رائیں ایسی تعلیم کی ہوا میں ہیں جو مذہب سے معزاً ہو۔ سر اینڈر و فریز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ہمیں ایک اعلیٰ تر طریق کی خواہش ہے یعنی ایک ایسے طریق کی جو انسان کی اخلاقی

اور مذہبی تربیت کے دوش بدوش ذہنی اور جسمانی تعلیم کو بھی حاوی ہو

(ماخوذ از نائٹنٹھ سینچوری اکتوبر ۱۹۰۷ء)

مشہور مذہبی عالم اور ماہرانِ فنِ تعلیم ڈاکٹر ولڈین کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے انتہائی ذوق کے ساتھ جس کا اظہار مشکل ہے یہ اہتمام رکھتے تھے کہ محض دنیاوی تعلیم جہاں اور جس شخص کو بھی دی جائے گی اس کا نتیجہ قابلِ افسوس ناکامی کی صورت میں رد نہ ہوگا۔

اے حضرات! ملکِ معظم کی تقریر سے مختلف سرکاری رپورٹوں کے اقتباسات سے اور ممتاز عہدہ دارانِ سرکاری کے آراء سے صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے متعلق قدم بہرگز پیچھے

نہیں ہٹایا جاسکتا۔ یہ تمام رائیں جس عقیدے پر متحد و متفق ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی تعلیم جو مذہبی اور اخلاقی تربیت سے معرا ہو وہ ضرور ناکام رہے گی۔ اس لئے میری یہ پختہ رائے ہے کہ مسلمانوں کی قوم کو جنھوں نے یونیورسٹی کی تحریک سے اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم کی خصوصیت اور تربیت کے حصول کا فیصلہ کر لیا ہے تو مذہبی تربیت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ اب گزشتہ حالات کی طرف مراجعت نہیں ہو سکتی، لیکن جیسا کہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں، اس امر میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آئندہ تو تعلیم گراں تر ہوتی جائے گی۔ بہتر مکانات، بہتر سامان، بہتر عملہ اور بہتر ماحول بلاشبہ اتلا مر تعلیم کی خاصیت کو ترقی دینے والے ثابت ہوں گے۔ اور اس سے اس چیز کا حصول زیادہ آسان ہو جائے گا جسے گورنمنٹ نے اپنی پالیسی کا "مقصد اولین" قرار دیا ہے۔ لیکن یہ صورت مسئلہ بہ نسبت سابق زیادہ اخراجات کی موجب ہوگی اور یہ امر سرت خیز ہے کہ گورنمنٹ نہ صرف اس حیثیت سے واقف ہے بلکہ ان روایات کے مطابق جو ایک روستھنیر قیاض اور ترقی کن حکومت کے لئے مخصوص ہوتی ہیں وہ اس سوال کے مالی پہلو پر توجہ کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔

اب میں اس حالت کے متعلق عرض کرتا ہوں جو اعلیٰ تعلیم میں ہماری ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ ابتدائی تعلیم میں من حیث القوم ہماری حالت کسی قدر بہتر ہے۔ لیکن اعلیٰ تعلیم میں ہم دیگر اقوام کے مقابلہ میں بہت پس ماندہ ہیں۔ تلافی مانات کی سخت ضرورت ہے۔ آرٹس کالجوں میں ہمارا اوسط صرف ۱۰ ہے یعنی کالج کے ہر تلو طالب علموں میں سے صرف دس مسلمان ہیں۔ کسی پیشہ کی تعلیم دینے والے کالجوں میں یہ اوسط اور بھی کم ہے یعنی صرف دس ہے۔ ثانوی تعلیم میں بھی ہماری حالت کچھ اچھی نہیں ہے، اور تعلیم کے مدارس میں ہر تلو میں صرف ۱۹ طلبہ مسلمان ہیں۔ عام تعلیم گاہوں میں بھی مسلمان طلبہ کی تعداد دیگر اقوام کے مقابلے میں حوصلہ افزا نہیں ہے۔ صوبہ دار تفصیل پر اگر غور کیا جائے تو صوبہ مدراس میں ہر تلو طالب علموں میں سے مسلمان تو ہیں۔ بمبئی میں ۱۶، بنگال میں تقریباً ۱۸، مالک متحدہ میں ۱۵، پنجاب میں ۲۸، برہما میں ۳، مشرقی بنگال و آسام میں ۵۲، مالک متوسط و برار میں ۹، کرگ میں ۳ اور صوبہ شمال و مغرب سرحدی میں ۶۳ صرف شمال و مغرب سرحدی و مشرقی بنگال و آسام ہی وہ صوبے ہیں جس میں مسلمانوں کا اوسط زیادہ ہے اور اس طرح پر یہ امر ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم میں ہنوز ہماری

حالت بہت پست ہے اور ضرورت ہے کہ تلافی یافتہ کرتے اور دیگر اقوام ہند کے
دوش بدوش ہونے کے لئے مستقل اور تیز دست جدوجہد سے کام لیا جاوے۔
حضرات! ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے جو اگرچہ ابتدائے تعلیم سے علاقہ نہیں رکھتا لیکن
بالآخر اس سے گہرا تعلق رکھتا ہے وہ یہ کہ تعلیم کی مجموعی اور آخری صورت کیا ہونا چاہئے؟
یہاں اس امر کے فلسفے پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ علم کو علم کی خاطر حاصل کیا جاوے۔ یہ ایسا بحث
ہے جس کو میں دیگر حضرات کے لئے چھوڑتا ہوں۔ لیکن میرے نزدیک جب ایک شخص کو خوراک
کی حاجت ہو تو فلسفہ اس کے لئے وجہ تسلی نہیں ہو سکتا اور اگر ہم ایک بھوکے اور قحط دیدہ گریختہ
کے دل کو افلاطون کے اصول فلسفے کے بیان سے تسلی دینا چاہیں تو یہ وہ بات ہوگی کہ ایک گداگر
کے ہات میں جو روٹی کے لئے چلا رہا ہو ہم پتھر کا ٹکرا رکھ دیں۔ میں دوسرے مالک کی بابت تو
جانتا نہیں کہ وہاں حالات مختلف ہیں، لیکن ہندوستان کی حالت کے لحاظ سے بالعموم ہمارے
لئے سوائے اس کے اور چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اس قسم کی تعلیم کے حصول کی جدوجہد کریں جو
طنزاً "دال روٹی" کی تعلیم کہلائی جاتی ہے۔ اگر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا بیشتر حصہ سرکاری
ملازمت میں داخل ہوتا ہے تو میرے خیال میں اس کا سبب نتائج تعلیم کے متعلق فلسفیانہ
خیالات کی کمی نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اقتصادی حالات ہیں جو دیگر معاملات کی بہ نسبت بدتر
زیادہ ناقابل تسخیر ثابت ہوئے ہیں۔ ہندوستانی تعلیم کے اس پہلو کے متعلق لارڈ ڈکریں کی جو
رٹے تھی وہ گورنمنٹ ہند کے رزلوشن مورخہ ابراہیم ۱۹۱۶ء میں بالتفصیل مذکور ہے اور اس
رزلوشن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

..... مختلف اسباب نے، جن میں سے کچھ تو تاریخی اور کچھ اجتماعی ہیں، باہم مل کر
نسبت انگلستان کے ہندوستان میں نمایاں صورت میں یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ اکثر
طلباء جن سے اعلیٰ مدارس اور یونیورسٹیاں معمور ہیں، اپنے تئیں حصول معاش
کے قابل بنانے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ سرکاری ملازمت کو
زیادہ قابل وثوق، زیادہ معزز اور زیادہ پسندیدہ طریق معاش خیال کرتا ہے
اور طلباء کی طرف سے ان کثیر التعداد منافع کی آرزو ان اسکولوں اور کالجوں کو
لپنے ان مناسب فرض کی ادائیگی کے مانع آتی ہے جو آزادانہ تعلیم کے محزن کی
حیثیت سے ان پر عائد ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر بار بار اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ

ہندوستان میں تعلیم کے اعلیٰ فوائد کو اس رائج الوقت طریق سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے کہ سرکاری ملازمت کے امیدواروں کا انتخاب یونیورسٹی اور اسکول کی سندھات پر منحصر رکھا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس پہلو میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ ان کے خیال میں اگر سلطنت سے یہ ماویٰ تعلقات منقطع ہو سکیں اور انگلش سول سروس کمیشن کے طریق پر ایک خاص بورڈ کے ماتحت پبلک سروس کے متعلق ایسے امتحانات مقرر کئے جا سکیں تو تعلیمی معیار بہت بلند کیا جا سکتا ہے۔

لارڈ کرزن کی گورنمنٹ نے اس رائے کو قبول نہیں کیا لیکن مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میری اس رائے سے متفق ہوں گے کہ موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سوال ضرور قابل بحث ہے کہ آخر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان کیا کرنے والے ہیں؟ یہ تو محال ہے کہ سب کے سب سرکاری ملازمت اختیار کریں۔ ان میں سے اکثر قانونی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں، جس میں اگرچہ پہلے ہی سے بہت کچھ اثر و حاکم ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لئے جگہ نکل سکتی ہے۔ بہت سے انجیری کے پیشے میں جا سکتے ہیں، جس میں ہماری معدومیت شہرہ آفاق ہے اور بہت سے طب کے پیشے میں داخل ہو سکتے ہیں جس میں ہمارا وجود برائے نام ہے۔ لیکن بایں ہمہ ایسے گریجویٹس کی ایک کثیر تعداد باقی ہے گی جنہیں مناسب جگہ ملنے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی، اور جوں جوں ہر سال مختلف یونیورسٹیاں تعلیم یافتہ طبقہ میں اضافہ کرتی جاتی ہیں ان سب کے لئے حصول معاش کا مسئلہ نہایت ضروری اور سخت مشکل صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس سوال نے پہلے ہی ہمیں بہت کچھ متفکر کر رکھا ہے۔ اور اگر ہم نے اسے حل کرنے کی کوشش کی تو غمگین بہت سخت مشکل حالات کا مقابلہ ہو گا۔ میں مایوس نہیں ہوں مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں زندگی کے دوسرے طریقوں کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے اور اس کوشش میں کامیاب ہونے کے لئے میری رائے میں ضروری ہے کہ تعلیم کو ایسی صورت میں لایا جائے جو زیادہ تر عملی ہو اور ضروریات زندگی کے لئے زیادہ موافق ہو۔

صنعتی و حرفتی تعلیم | ہم دماغی قابلیت کے انعام جیتنے کی سعی و کوشش میں اس قدر نہمک ہیں کہ صنعت و حرفت کے متعلق ہم پر جو سرائف عائد ہوتے ہیں ان کی طرف سے قطعاً غافل ہو جانے کا اندیشہ ہی۔ مسٹر ٹاٹا اور دیگر ملک التجار حضرات کے ہم ممنون احسان ہیں جو ہندوستان کی سب سے زیادہ حوصلہ مند قوم یعنی پارسیوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک صنعتی تعلیم گاہ کے قائم کرنے کے

علاوہ لائق اور منتخب ہندوستانیوں کو صنعت و حرفت و دستکاری و فنون کی تعلیم کے لیے ممالک غیر میں بھیجنے کی غرض سے متعدد انتظامات کر رکھے ہیں۔ پنجاب میں ہندو جوہلی ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ قائم ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ اس کے مقابلہ میں ہمارا بھی کوئی اسکول ہو۔ بنگال میں رے باور نریندر دنا تھ سین اور سر چندر مادوب گھوش کے فرزند بابو جے سی گھوش جیسے مہتمماں کی مسلسل مستعدی کی بدولت صنعتی تعلیم کی ترقی کے لئے ایک انڈین ایسوسی ایشن قائم ہے جو مفید کام کر رہی ہے اور جو ہر سال طلباء کی جماعتیں صنعت کے متعلق علمی اور عملی معلومات حاصل کرنے اور آخر الامر حرفت کا کوئی شعبہ اختیار کرنے کی غرض سے انگلستان، امریکہ اور جاپان بھیجتی رہتی ہے۔ بد قسمتی سے اب تک من حیث القوم نہ ہمارے پاس کوئی اس قسم کی درس گاہ ہے اور نہ کوئی اس قسم کی انجمن ہے اور نہ اپنے نوجوانوں کو جن پر ہارزی آئندہ امیدوں کا انحصار ہے، اس شعبہ کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کی ہے، جو آئندہ ہمارے ان بیکار افراد کے لئے میدانِ جدوجہد کی صورت اختیار کرنے والا ہے جو سرکاری ملازمت کے دروازے اپنے لئے مسدود پائیں گے۔ میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں کہ بیٹی کے ممتاز لکھتی سر ابراہیم کریم بھائی کی شاہانہ فیاضی کے طفیل سے علیگرہ میں ایک کالج کی بنیاد پڑ چکی ہے جو پرنس آف ویلز سائنس کالج کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن جو قوم جمع ہوئی ہیں وہ نہ صرف بہت قلیل ہیں بلکہ اس کالج کو عملی صنعت کے محکمہ کے درجہ تک پہنچانے کی غرض سے جس وسعت کی ضرورت ہے اس کے مقابلہ میں سراسر غیر مکتفی ہیں۔ اس زمانہ میں جبکہ بقول ایک ممتاز مصنف کے (ترقی صنعت مصنفہ ایچ گھوش) اس ملک کے باشندے "قدرت کی فیاضیوں" کی بدولت صنعت و حرفت کے زیادہ محتاج نہ تھے اور ذرا رعیت ہی ان کے لئے ہر طرح سے کافی تھی، صورت حال آج سے مختلف تھی۔ لیکن جوں جوں آبادی بڑھتی گئی زمین کی زرخیزی میں فرق آتا گیا۔ آزاد تجارت کے اصول رائج ہو گئے۔ ہندوستان کے حالات میں ایک مہتمم بالشان تبدیلی واقع ہو گئی اور اب اس ملک کی اقتصادی تجارت اگر تمام تر نہیں تو ایک بڑی حد تک ضرور محض زمین کی پیداوار پر نہیں بلکہ صنعت و حرفت اور تجارت پر منحصر ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ مغربی تعلیم کی طرح ہمارے ہندو بھائی صنعت و تجارت میں بھی ہم آہنگی سے لے جا چکے ہیں۔ تین سال کا عرصہ گزرا ہے کہ مسلمانان ہند بڑی یا اس دنا امید کی حالت میں نوحہ زنی کرتے تھے کہ ہم انگریزی تعلیم میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ میں

چالیس سال بعد ہمیں پھر یہ شکایت لاحق ہوگی کہ صنعت و حرفت اور تجارت کے زیادہ پُر امن شعبوں میں ہم دیگر اقوام کے مقابلے میں بالکل پس ماندہ ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیں من حیث القوم سرکاری ملازمت کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لینا چاہئیں یا مختلف آزاد پیشوں کی طرف مثلاً قانون، طب اور انجینیری کی طرف مائل نہ ہونا چاہئے بلکہ ہم میں ایک کثیر تعداد کو چاہئے کہ ان شعبوں میں داخل ہو، حقیقت حال یہ ہے کہ بمقابلہ دیگر اقوام کے سرکاری ملازمت میں ہمارا حصہ بالکل قلیل ہے۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ مختلف سرکاری ملازمتوں کے متعلق ہمارے جائز حقوق پر ہماری تعداد کے لحاظ سے ضرور توجہ کی جائے گی۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ کسی قوم کے تمول کا اندازہ سرکاری ملازمت میں اس کی نیابت سے نہیں کیا جاسکتا انگلستان یا حقیقت میں یورپ کے کسی اور ملک کی دولت و ثروت، اُن کے مصنوعات کی وسعت اور اُن کی تجارتی ترقی اور قابلیت پر منحصر ہے۔ اس کشمکش حیات میں جو ہمارے گرد جاری ہے میں اپنے نوجوانوں کو زیادہ آزاد اور سود مند پیشوں کی طرف متوجہ ہونے کی نصیحت کرتا ہوں۔ انھیں چاہئے کہ اپنے تئیں تجارت اور صنعت و حرفت کے کاموں میں لگائیں اور ملک کے اُن ذخائر کی تلاش کریں جو مشترک سرمایہ اور باقاعدہ محنت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انھیں باہر جا کر بڑے بڑے کارخانوں اور عظیم الشان تجارتی دوکانوں میں کام سیکھنا چاہئے اور پھر خود اپنا کاروبار جاری کرنا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں تجارتی کاروبار کے لئے کافی سرمایہ مہیا کرنا مشکل ہے۔ لیکن میں یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہم تھوڑی بہت شروعات ہی نہیں کر سکتے یا تجارت کے کاموں میں ہمیں بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے پیشے کچھ کم نہیں ہیں جن کو ہم قلیل سرمایہ سے چلا سکتے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے معقول اذوقہ حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اگر میں یہ کہوں تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ کسی قوم کی صنعتی دولت کی تاریخ دراصل اس کے کاموں کی معمولی ابتدا کی تاریخ ہوتی ہے اور قناعت استقلال اور محنت و مشقت کے اوصاف اُس کامیابی کے لئے کچھ کم ضروری اوصاف نہیں ہیں جو تمول و دولت و ثروت کا باعث ہوتی ہے۔ سرزمین ہند میرے خیال میں ایسے وسائل اور ذرائع سے بھرپور ہے جن کی اب تک کسی کو خبر نہیں اور جن سے اب تک کسی نے ناکہ نہیں اٹھایا۔ بہت سی خام پیداواریں ہیں جو مالک غیر کو جاتی ہیں اور جو ہاں سے اشیاء و درآمد اور نفیس نشین ایل اشیاء تجارت کی شکل میں واپس آتی ہیں۔ جن کو ہم اصلی قیمت سے سوگنا زیادہ دام دے کر

خریدتے ہیں بے شبہ ایسی دستکاریاں بھی ہیں جو بغیر سرمایہ کثیر کے نہیں چلائی جاسکتیں۔ مثلاً لوہا، کپڑا بننے اور کاغذ بنانے کی کالیں، لیکن ایسی دستکاریوں کی تعداد بھی بے شمار ہے جن کی چلانے کے لئے سرمایہ کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر محنت اور استقلال کی۔ اقسوں ہے کہ شکر سازی کی صنعت جو بالکل ویسی صنعت ہے اب بہ نسبت سابق رو بہ تنزل ہے اور ظروف سازی کی قدیم صنعت بھی سرمایہ اور محنت کی کمی کی وجہ سے پڑمردہ ہو رہی ہے۔

سیوان اور کہلنا واقع بنگال۔ اعظم گڑھ۔ آگرہ۔ چنار۔ لکھنؤ اور میرٹھ واقع مالک متحدہ داودہ سلیم مدد اور واقع احاطہ مدراس اور ہالا و بمبئی واقع احاطہ بمبئی کی منقش ظروف سازی کی صنعت آہستہ آہستہ معدوم ہو رہی ہے۔ روغن دار ظروف سازی جو ایران کے قدیم ظروف کی نقل تھی اور جس کی نسبت سر جارج برڈوڈ کا قول ہے کہ افغان مغلوں کے ذریعہ سے ملک چین سے ایران میں تیمور لنگ کی چینی لکھ کے اثر سے داخل ہوئی تھی وہ ایک زمانہ میں دہلی، پشاور، لاہور اور ملتان میں خوب رائج تھی اور یہ نامور مقبروں، قبروں اور محلات کی صنایع کے کاموں کی خوبی کو بڑھانے اور دیر پار کھنے کے کام میں لائی جاتی تھی۔ مگر اب یہ فن اپنی جاں کنی کی حالت میں ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی آرٹس یا فنون کا خاصہ ہے کہ یا تو وہ ایک خاص حالت پر آکر رک جاتی ہیں یا ان میں تنزل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ معدوم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً قدیم زمانے کے رتھ کو لیجئے کہ کسی نے اس کی جائے نشست میں ترقی کرنے یا رفتار میں تیزی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پس مغرب کی صنعت و حرفت کے نئے نئے اصول اور نمونوں کی ترقیات کے مقابلے میں یہ صنعتیں قدرتی طور پر معدوم ہوتی جائیں گی۔ اب حالت یہ ہے کہ بجائے دہلی، لاہور اور ملتان کے روغن دار ظروف کے ریلوے اسٹیشنوں کے مسافر خانوں کے کمروں یا مشاہیر کے محلات میں مغربی مالک اور انگلستان کے ظروف نظر آتے ہیں۔ لیکن ظروف سازی کے لئے کسی بڑے سرمایہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مصلحہ ارزاں اور آسانی دستیاب ہو سکتا تھا اور کاریگر بھی بلا تکلف مہیا ہو سکتے تھے۔ ایک شخص جس میں عملی کام کرنے کا مادہ ہو اور حرفت سے کسی قدر واقفیت اور انتظامی قابلیت ہو وہ اس صنعت کو سبزا اور کاروبار کی حالت میں پہنچا سکتا ہے۔ ماسوائے اس کے شیشہ سازی کی حرفت ہے جس کو زمانہ حال کے طریقے پر نہیں چلایا گیا۔ راجپوتانہ اور دیگر ریگستانی علاقہ جات میں بغیر کسی کثیر سرمایہ کے اس کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ شیشہ سازی کی حرفت کے صرف دو کارخانے قابل ذکر ہیں ایک تو اپر انڈیا گلاس ورکس انبالہ میں

جس کی بنیاد ۱۹۵۷ء میں پڑی تھی اور دوسرا مالک متحدہ میں بمقام قیمتی میں ہے۔ ایک کارخانہ کلکتہ میں بھی ہے لیکن اس کا مال ایسا اچھا نہیں کہ جس کی توقع ہو سکتی تھی۔ دوسرے مقامات میں بھی شیشہ سازی کی غیر منتظرانہ جدوجہد کی گئی مگر وہ یا حالت زار میں ہیں یا بند ہو گئے ہیں اور اس طرح پڑانے شیشہ گروں یا چوڑی گروں کو روٹی کمانا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس قسم کے خانگی ضروریات کی اشیا جیسے بچوں کے آئینے۔ لمپوں کی چمچیاں۔ فانوس اور شیشے کے گلاس، ان چیزوں تک کے لئے ہمیں تجسیم، آسٹریا اور جرمنی کا دست گر ہونا پڑتا ہے۔ دروازوں کے پردوں کے لئے موتی اور پوتھ و نیس اور وائٹا سے منگوانے پڑتے ہیں۔ میں نے ہندوستان کی پڑ مردہ صنعتوں کے متعلق آپ کی سمع خراشی صرف اس لئے نہیں کی کہ ہم ان کی طرف سے بے پرواہی کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ کیسے ظلم کی بات ہے کہ ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ ہندوستان کے دوکاندار پیدایشی دوکاندار ہوں۔ اور کمہار پیدایشی کمہار ہو۔

قصہ کوتاہ ہماری حالت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے تجارتی کاروبار اور دوکانداری میں پہلے ہی سے ہم ہندو دوستوں سے پیچھے رہ گئے ہیں اور سرمایہ مشترکہ کی کمپنیوں کے مقابلے میں بھی ہم میں اور اپنا وطن میں اس سے کچھ کم بعد فصل نہیں ہے۔ میں یقین نہیں کرتا کہ یہ بات محض ہمارے افلاس اور تنگدستی کے سبب سے ہے۔ بے شک ہم غریب ہیں اور غریب اس لئے ہیں کہ مقابلہ اپنے محل اور سرسبز اور کفایت شعار ہندو بھائیوں کے ہم غیر مال اندیش اور مسرت ہیں۔ تجارتی معاملات میں ہمارے مقابلتہ پیچھے رہ جانے کے اور بھی وجوہات ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ ہم باقاعدہ کاروبار کے طور طریق سے نا آشنا ہیں۔ دوسرے ہم کو یہ ایک مہمل شک رہتا ہے کہ شاید اس کام کے کرنے میں فائدہ ہو یا نہ ہو اس لئے ہمارے صاحب جاندا اور متمول لوگ بہت سے ایسے ہیں جو تجارتی کاروبار میں ہاتھ ڈالتے جھجکتے ہیں۔ بہت سے ہندو والیان ریاست، مالکان اراضی اور زمیندار تجارتی کمپنیوں میں ہمیشہ حصہ لیتے رہتے ہیں جیسا کہ ہڑاٹینس راجہ صاحب ناہن رائے بہادر لال رام سرن داس صاحب اور ایسے ہی بہت سے دیگر اصحاب ہیں لیکن کوئی نواب یا کوئی اور بڑے مسلمان صاحب اراضی کسی تجارتی کمپنی میں شرکت کرنا اپنی شان کے خلاف تصور کرے گا انگلستان اور دیگر ممالک مغربہ میں لارڈز اور دوسرے بڑے بڑے آدمی تجارتی کاروبار میں نمایاں حصہ لیتے ہیں لیکن من حیث القوم ہماری سمجھ ہی میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ طبقہ متوسطہ کے تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگوں کے ساتھ

ارباب دولت کے کام کرنے سے ایک قسم کی ساکھ قائم ہوتی ہے۔ جس کے بغیر ہی تھوڑے تجارتی کاروبار ہوں گے جو شروع کئے گئے ہوں۔

حضرات! ہندوستان میں تعلیم عامہ کے ہم پلہ تعلیم نسواں کا مسئلہ بھی ہے آپ مجھ سے متفق ہوں گے کہ یہ ایک بڑا نازک مسئلہ ہے کیونکہ اس کا اثر ہندو اور مسلمان دونوں کی عزیز مقدس رسوم پر پڑتا ہے یا پڑنے کا احتمال ہے۔ اختلاف آراء صرف اس سوال کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سوال کے متعلق بھی ہے کہ عورتوں کے درس کے لئے کس قسم کی کتابیں ہونا چاہئے جو ان کے اور جماعت نسواں دونوں کے حق میں سود مند ہوں۔ پس اس سوال کے دو شعبے ہیں۔ (۱) یہ کہ طریق تعلیم کیا ہو؟ (۲) نصاب تعلیم کیا ہو جو عورات کے لئے سود مند ہو؟ طریق تعلیم کے متعلق آزادی پسند جماعت کی تو یہ رائے ہے کہ جب تک پر وہ کاروبار قائم رہے گا عورتوں کی تعلیم نہیں پاسکیں گی اور پاسکیں گی تو وہ تعلیم کافی نہ ہوگی۔ قدامت پسند یا وہ لوگ جو زیادہ صحیح طور پر کنسر ویوٹن کے جاسکتے ہیں اس کے بالکل مخالف ہیں کیونکہ اس سے پر وہ کی جس کو وہ دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں بے حرمتی ہوتی ہے۔ وہ اس امر کو نہایت تباہ کن سمجھتے ہیں کہ آزادی پسند جماعت کا یہ خیال ہو کہ زمانہ اسکول کی چار دیواری میں گویا اصلاح کی عیب کا گولا لٹکا جائے تجربہ اور (بہترین استاد) زمانہ شاید بتلائے کہ ہم اپنے جسم کے بہترین حصے کو (عورات کو) کس طریق سے بہترین تعلیم دے سکتے ہیں۔ لہذا میں نہیں چاہتا کہ اس امر کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار سے میں آپ کی سمیع خراشی کروں مگر صاحبان۔ ایک بات کا تو مجھے یقین واثق ہے کہ ہمارا مذہب صاف طور پر تعلیم نسواں کا مدد و معاون ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ میں باور کرتا ہوں کہ اس امر میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ عورتوں کو بھی اردوں کے پہلو پہلو تعلیم دی جانی چاہئے۔ گھر جہاں بچے پرورش اور تربیت پاکر مرد اور عورت بنتے ہیں اس طاقت کے لحاظ سے اچھو یا برے ہوتے ہیں جو وہاں حکمراں ہوتی ہے اور جو طاقت گھروں پر حکمرانی کرتی ہے وہ ماں ہوتی ہے۔ سب سے پہلا اور بڑا معلم مثال ہوتی ہے اور یہ مثال ماں ہی کی ہوتی ہے جو ہمیشہ بچوں کے پیش نظر ہوا کرتی ہے اور ان کی زندگی پر اس کا ہی اثر پڑا کرتا ہے۔ بچپن کے زمانہ میں جو بہت اثر پذیر اور تقلید کا زمانہ ہوتا ہے یہ ماں ہی کا سایہ جس میں وزانہ بچہ ڈھلتا رہتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ رنج یا راحت، روشن دماغی یا جہالت مزاج اور طبیعت اور عادات کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے کا انحصار جن کے ساتھ ساتھ پرورش پاتا ہے ایک بڑی حد تک ان اختیارات کے استعمال پر ہوتا ہے جو عورت کو گھر کی خاص بادشاہت ملیا

مائل ہوتے ہیں عورتیں ہمارے نیک بد اور نیک و راخت کی شریک حیاں ہوا کرتی ہیں جب صورت حال یہ ہو تو ہم کچھ مذہبیا اخلاقاً اور مجلسی قواعد کی رشتے۔ واجب اور لازم ہو کہ ہم ان کو تعلیم دیں اور اس قابل بنائیں کہ زندگی میں وہ ہمارے لئے ایک رفیق اور ہمدم ثابت ہوں اب سوال یہ ہے کہ وہ تعلیم کو نہی ہو جو دی جائے۔ حضرات! اگرچہ میں اس امر میں تحقیق نہیں ہوں کہ ہم رائے نہیں ہوں کہ عورتوں کو جغرافیہ کی اتنی تعلیم ہو کہ وہ گھر کے مختلف کمروں کو جان لیں۔ کیمسٹری کی اس قدر کہ پانی کا ایلنا جانیں اور تاریخ کی اس قدر کہ اپنے والدین کے مختلف رشتہ داروں کو معلوم کر لیں تاہم برخلاف اس کے میں اس تعلیم کا بھی سخت مخالفت ہوں جو عورت کو اس کے دائرہ سے نکال دے یا اس کو گھر کی چار دیواری کو اس سے چھڑائے۔ اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے اسکیم میں مذہبی تعلیم اور کمال مذہبی تعلیم کو سب سے اول جگہ دینگا۔ اس کے بعد سینا پرونا سنون کاری اور خانہ داری کی تھوڑی تعلیم حفظان صحت کا علم ان کے علاوہ اگر بڑی سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہونا کہ دو ال شیشیوں کے لیبل اور دوسری ضروریات خانہ داری کی چیزوں کے ناموں کی شناخت ہو سکے۔

حضرات! اس بارے میں آپ کے کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں کہ ہماری مستورات کس طرح پر تعلیم دی جائے اور میں جانتا ہوں کہ ابھی اس پر سبک اتفاق رائے بھی نہیں ہوا ہے لیکن ایک بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ کہ اگر آپ تعلیم نسواں کی مخالفت بھی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اصولاً بھی ہم کو یہ تعلیم دلانا چاہئے اور اس کی طلب اور ہم رسائی کے اعتبار سے ہم پر لازم ہے کہ ہم تعلیم دلائیں۔ زمانہ اس کی تائید میں ہے اور جس طرح ہم آبشار نگر کو روک نہیں سکتے اسی طرح ہم ان کی تعلیم کی بھی مزاحمت نہیں کر سکتے۔ ترکی اور مصر میں پہلے ہی سے تعلیم نسواں کی بابت ایک فیصل شدہ تحریک موجود ہے۔ ہندوستان میں بھی دیگر اقوام اس خصوص میں سرگرمی دکھلا رہی ہیں بنگال میں ہندوؤں نے اور حیدرآباد میں مسلمانوں نے اس میں بڑی ترقی کی ہے۔ بمبئی اور مداس میں نوجوان لڑکیوں کی تعلیم کا خوب بندوبست ہو گیا ہے اور بھوپال میں علیا حضرت حکیم صاحبہ بھوپال کی فیاضی کی بدولت ایک بہت عمدہ درس گاہ نوجوان خواتین کے لئے جاری کی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مستورات کو تعلیم یافتہ بنانے کی مخالفت ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم اس کی تعلیم کے نصاب میں مذہبی تعلیم کو سب سے اول جگہ دیں تو یہ مخالفت باقی رہے گی۔

حضرات! ایک بات مجھے سب سے زیادہ گھمکتی ہے اور جس پر اس قدر غور نہیں کیا گیا جس قدر کہ وہ مستحق ہے۔ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی ایسے طالب علم ہوتے ہیں جو میٹرکولیشن کا امتحان پاس کر لینے کے بعد بوجہ نمونے کافی ذرا لے کے تعلیم آگے جاری نہیں رکھ سکتے۔ ہم نے اپنی قوم کے ان نادار فقیر طلباء کی امداد کے لئے ایک کچھ نہیں کیا۔ مسلمانوں کی بڑی ضرورت ہے کہ چند وظائف کا اہتمام کیا جائے جن سے غریب اور مستحق طلباء کو مدد مل سکے۔ یہ ضرورت نہیں ہے کہ سارا ہندوستان مل کر ایسے وظائف مقرر کئے اور اگر ایسا ممکن ہو تو مجھے کوئی وجہ مخالفت نہیں ہوگی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ عملی طور سے زیادہ تر یہ ہوگا کہ ہر ایک صوبہ یا ضلع میں اس مطلب کے لئے علیحدہ علیحدہ فنڈ ہوں۔ کام کرنے والوں کی ایک شریف جماعت

سے جن کا نام انجمن ترقی تعلیم امرتسر ہے اس بارہ میں نہایت عمدہ تحریک جاری کی ہے اور مجھے امید ہے کہ دوسرے اضلاع میں بھی اس کی تقلید کی جائے گی اور جہاں جہاں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا ہے وہاں ایک سمرٹ ایجوکیشنل فنڈ کے قائم کرنے کے متعلق وصولی چندہ کے لئے ایک کارکن کمیٹی کے قائم کرنے میں وسیع ہو گا۔ اگر ہم ایسا کر سکیں تو مجھے یقین ہے کہ اپنی قوم کے تعلیمی درجہ کو دیگر اقوام کے پہلو پہلو کرنے کے اہم مسئلہ میں ہم کامیاب بنیں گے ایک اور معاملہ بھی ہے جس کی اسی طرح کم توجہ کی گئی ہے۔ یعنی علوم قدیمہ کی استواری جس کا حوالہ نمایاں طور سے حضور ملک معظم نے کلکتہ یونیورسٹی کے ایڈریس کے جواب میں دیا تھا۔ یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کے ترقی دینے میں حیثیت ایک قوم ہونے یا تو بہت کم جدوجہد کی ہے یا بالکل کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری یونیورسٹی کے اعراض و مقاصد میں اس کو بھی شامل ہونا چاہئے۔ لیکن کسی ملک میں بھی حسی کہ ان ممالک میں جہاں یونیورسٹیاں بکثرت ہیں قدیم علوم کی اشاعت کرنے کا کام یا اسنہ قدیم اور قدیم فلسفہ اور تاریخ کو ترقی دینے کا کام محض یونیورسٹیوں پر بلا امداد و معاونت نہیں چھوڑا گیا۔ سوسائٹیاں، تعلیم گاہیں، مدارس اور انجمنیں جس کے کام میں امداد اور تقویت دیتی ہیں۔ لیکن اس میں بجز شہ ہے کہ ہمارے یہاں بھی کوئی ایسی سوسائٹی ہو یا اس کے پاس اس کام کے لئے سرمایہ ہو کہ متلاشیان علوم کے لئے ترجمہ اور اقد مطالب سے وہ خزانہ علوم ہم پہنچائے جو عربی یا فارسی السنہ میں یا نایاب قلمی نسخہ جات میں مجھے پڑے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم کوئی ایسی انجمن قائم کرنے کی سرگرمی کے ساتھ سعی کریں جو اسنہ مشرقیہ کے تراجم و اشاعت کا کام کرے تو ہماری یہ کوشش حق بجانب ہوگی۔ پنجاب میں سردار سنگھ مجیٹھ کی سعی و کوشش سے اس قسم کی ایک تحریک کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ بنگال میں ہندوؤں کی ایک بھاشا تھیا پارٹا نام کی قائم ہو۔ بیٹی میں بھی اس قسم کی انجمن ہے جس کی کامیابی رائٹسے اور بڈلانگ جیسے اصحاب کے طفیل میں ہوئی ہے۔ الہ آباد میں نہایت مفید کام ینینی کے دفتر میں تراجم اور طبع کے ذریعہ سے ہو رہا ہے، لیکن ہمارے یہاں اس قسم کی کوئی انجمن نہیں ہے۔

اے حضرات کانفرنس! میں نے آپ کا بہت سا وقت لیا جس کے لئے میں خجاستگار معافی ہوں اور آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرا اور توجہ سے میری تقریر کو سنا جس کو میں صرف ایک بات اور کہہ کر ختم کرتا ہوں۔ آپ کا مقصد و حقیقت نہایت اعلیٰ اور شریفانہ مقصد ہے۔ میری مراد اس مقصد سے ہے جو آپ اپنے ہم مذہبوں کی تعلیم کے لئے سرانجام دے رہے ہیں۔ تعلیم مثل خیرات کے ہے اس کو برکت دیتی ہے جو اسے لیتا ہے یا دیتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کے لئے اس کو لیتا ہے۔ استقلال اور اس قوت ارادی کی ضرورت ہے جو ہم اس کے لئے صرف کر سکیں، اور اس لئے میں دست برد ہوں کہ آپ کو ان مقاصد میں جو آپ کے پیش نظر ہیں اعلیٰ طور پر کامیابی حاصل ہو۔

اجلاس منعقدہ راولپنڈی میں منظور ہونے والی قراردادیں

- اس اجلاس میں مندرجہ ذیل امور پر خاص طور پر بحث ہوئی اور یہ تجاویز منظور کی گئیں۔
- ۱۔ مدراس میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے اسکولوں کا قیام۔
 - ۲۔ کلکتہ کے مدرسہ کو اسلامی کالج بنائے جانے کی تحریک۔
 - ۳۔ کلکتہ یونیورسٹی کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا گیا کہ وہاں ایم۔ اے۔ کلاسوں سے عربی اور فارسی کو ترک کر دیا جائے۔
 - ۴۔ راولپنڈی ڈویژن کے مسلمانوں کی درخواست برائے وصول یا پی چندہ (۳ پیسہ فی روپیہ) کی منظوری۔
- (”آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سوسال“ از امان اللہ خاں شیروانی، ص ۸۲، ۸۳)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سوسال

امان اللہ خان شیروانی

سابقہ پرنسپل

اسلامیہ کالج، الٹاواہ

آنریری جوائنٹ سکریریٹری
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
سلطات جہات منزل کے علی گڑھ ۲۰۲۰ء

عکس سرورق: "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سوسال" مرتبہ امان اللہ خان شیروانی، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۹۴ء

دستاویزات کانفرنس سلسلہ ۴



رپورٹ

متعلق اجلاس بست و ہشتم

آل انڈیا محمدن اینگلو اور نیشنل ایجوکیشنل کانفرنس

بمقام راولپنڈی

منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۱۴ء

جو حسب ہدایت نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکرٹری

زیر نگرانی آفتاب احمد آنریری جاسٹ سکرٹری مرتب کی گئی

باہتمام محمد مقتدی خاں شرونی

انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوئی

(اور صدر دفتر کانفرنس سے شائع ہوئی)

عکس سرورق: رپورٹ متعلق اٹھائیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۴ء۔ آل انڈیا محمدن اینگلو اور نیشنل ایجوکیشنل

کانفرنس منعقدہ راولپنڈی، طبع علی گڑھ ۱۹۱۸ء

کچھ مخلص احباب اس فقیر کو ”جنونی“ کہتے ہیں۔ صاحب جنوں ہونا اپنی جگہ بہت بڑی بات ہے جس کا میں خود کو اہل نہیں پاتا۔ اس میں کلام نہیں کہ جب سے حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا دامن تھاما ہے، تحقیق و جستجو کے صحرا کی خاک چھانتا پھرتا ہوں۔ یوں سیلانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مقامی طور پر مواقع کچھ زیادہ نہیں پاتا، تو اکثر کراچی نکل جاتا ہوں۔ قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء) کے غرس پر حاضری یقینی ہوتی ہے۔ اس بہانے کراچی کا قیام طویل ہو جاتا ہے جس میں مقتدر علمی شخصیات سے بالمشافہ شرف استفادہ کے ساتھ ساتھ لائبریریوں میں محفوظ نوادرات سے خوشہ چینی کی نعمت غیر مترقبہ میسر آتی ہے۔

اب کے جانا ہوا تو اکادمی آف ایجوکیشنل ریسرچ (ادارہ تصنیف و تالیف) کراچی کی مطبوعہ رپورٹ متعلق اجلاس بست و ہشتم آل انڈیا محمدن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس بمقام راولپنڈی منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۱۴ء (مطبوعہ بار دوم ۲۰۰۳ء) دستیاب ہوئی۔ ۲۳۱ صفحات پر پھیلی یہ مستند رپورٹ بے حد قیمتی دستاویز ہے۔ کانفرنس کا بڑا مقصد متحدہ ہندوستان کے تمام صوبجات میں انگریزی اور جدید تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے ساتھ معیاری اسلامی تعلیم گاہوں کا قیام بھی تھا۔ اس کانفرنس میں (۳۱) رزلوشن باتفاق آراء پاس ہوئے (رپورٹ صفحہ ۳)۔ اس رپورٹ میں سرحد اور پنجاب کے ہی نہیں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے تعلیمی احوال اور ضروریات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

پیش نظر رپورٹ کے مطالعہ سے ایجوکیشنل کانفرنس کے ہمہ گیر اثرات کا پتا چلتا ہے۔ قارئین کرام کے لیے یقیناً آج یہ بات اچھی ہے کی ہوگی کہ راولپنڈی اسٹیشن پر دوسرے ہم وطن افراد

(اہل ہنود و سکھ) کی بڑی تعداد موجود تھی جنہوں نے صاحب صدر اجلاس اور تمام مہمانوں کا گرم جوشی سے استقبال کیا، پھول برسائے۔ شہر میں جا بجا ان کی طرف سے آرائشی دروازے بنائے گئے تھے۔ اور مہمانان گرامی کی پان، مصری، الاچی وغیرہ سے تواضع کی اور وہ کانفرنس کے تمام اجلاسوں میں برابر شریک رہے۔ صدر مجلس نے سکھ و ہندو صاحبان راو پینڈی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا اور دعا کی کہ خدائے تعالیٰ تمام باشندگان ملک کو اسی قسم کی یک جہتی اور باہم ہمدردی کی توفیق عنایت کرے جس کے جواب میں بابا اوجا گر سنگھ صاحب بیدی، آزریری مجسٹریٹ و سول جج راو پینڈی نے حسب ذیل کلمات بطور اظہار تشکر ادا کیے۔

”فخر وطن پر یزینڈنٹ صاحب و حاضرین جلسہ۔“

میں مولوی صاحب سی۔ آئی۔ ای (خان بہادر سر رحیم بخش صاحب) کے اُن شہری الفاظ کا (جو کہ آپ نے اہل ہنود و شہر راو پینڈی کے بارہ میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمائے ہیں) تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اے صاحبان آپ کی خدمت میں یہ ظاہر کر دینا ایک نئی بات نہیں ہے کہ ہمارے مذہب کے بزرگ ”بانی“ شری گورونانک دیو جی مہاراج کی پوتر ہدایت جو کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنی پر تہہ یا ترا کرتے ہوئے ایک قابل عزت قاضی صاحب سے تذکرہ ہونے پر فرمائی جبکہ قاضی صاحب کا یہ سوال تھا کہ اے بابانانک! کہیے۔ ہندو اچھے ہیں یا کہ مسلمان۔ اس وقت آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

اول اللہ نور اُپایا، قدرت کے سب بندے

ایک نور نے سب جگ اہجیا کون بھلے کون مندے

صاحبان آپ کو بخوبی روشن ہو گیا ہوگا کہ اہل ہنود و سکھ قوم کے واسطے اسی پوتر اُپدیش پر چلتے ہوئے یہ ایک عجیب بات نہیں ہے کہ وہ اپنے وطن کے رکن اور اپنی ہمسایہ قوم کے لیڈر کو جو کہ ان کے شہر میں تعلیم کی ترقی کے نیک کام کو مد نظر رکھ کر

تشریف لاتے ہیں ان کا خیر مقدم کہنے کے واسطے کیوں اسٹیشن پر حاضر نہ ہوتے.....“

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے قائدین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے اجلاس میں اختلافی امور اور ایسی تقاریر سے اجتناب کریں جن سے ملی یک جہتی کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، تاہم ان موضوعات کو شرعی اور سیاسی بحث کے لیے دوسرے موقعوں پر اٹھا رکھا جاتا (رپورٹ ص ۱۹۰)۔

چوں کہ کوئی بھی قومی ادارہ یا کوئی بھی انجمن یا تنظیم روپے پیسے کے بغیر نہیں چل پاتی اس لیے کانفرنس کی جانب سے نہ صرف روسا، مخیر اور فیاض اصحاب سے اپیل کی جاتی بل کہ علما اور مشائخ کی توجہ ان قومی تعلیم گاہوں کی طرف مبذول کر دائی جاتی کہ وہ بھی اس کام میں ہاتھ بٹائیں۔ رپورٹ کے صفحہ ۱۶۱ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان، آنریری جاسٹ سیکریٹری آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس فرماتے ہیں۔

ہم کو اپنی قوم کے مشائخ اور علما سے مدد لینا چاہیے کہ اس امر کا علی الاعلان فتویٰ دیں کہ اس ملک کے اسلامی باغ کے افراد کے دلوں دماغوں کو علم اور تربیت کے چشموں سے سیراب کرنا بہترین ذریعہ مغفرت اور حصول ثواب کا ہے نیز ہماری کانفرنسوں اور لوکل کمیٹیوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے حدود میں قوم کی موجودہ پستی اور اُس کے اسباب اور علاج کو افراد قوم کے ذہن نشین کریں یہ کانفرنس سالہا سال سے اس خدمت کو انجام دے رہی ہے لیکن ایک آواز اس قدر بڑے ملک اور قوم میں سب جگہ اور سب کے پاس کیسے پہنچ سکتی ہے؟ ہر جمعہ کو مساجد کے وعظوں میں ہر سال عیدین کے خطبوں میں، اجیر شریف اور دیگر تبرک مقامات کے عرسوں میں غرض کہ ہر جگہ اور موقع پر جہاں مسلمان خود اپنے عقائد کی بدولت جمع ہوتے ہیں وہاں انہیں خیالات اور حالات کی اشاعت ہو۔

صاحبزادہ صاحب کی مندرجہ بالا اپیل کے تناظر میں اگر علامہ شبیر احمد خاں غوری کے

مضمون کا مطالعہ کر لیا جائے تو دل چسپی اور معلومات کا موجب ہوگا کہ مولانا سلیمان اشرف محولہ رپورٹ سے بہت پہلے اسی راہ پر گامزن نظر آتے ہیں۔ بے غرضی اور فردغ علم کے مشن کے لیے تن دہی کا جذبہ خیر مولانا ہی کا حصہ ہے۔ غوری صاحب مرحوم رقم طراز ہیں۔

مسلم یونیورسٹی میں اپنے فرائض منصبی کے دوران مولانا کے دینی و علمی معمولات میں سب سے اہم مصروفیت ہر سال عرس کے موقع پر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضری اور وہاں میلاد خوانی تھی، مگر حضرت مولانا کی دینی غیرت کہ یونیورسٹی سے مصارف سفر نہیں لیتے تھے اور نہ متولیٰ درگاہ سے یہ الگ بات کہ اس میلاد کے ذریعہ یونیورسٹی کی کارکردگی اور پبلٹی کے علاوہ اہل خیر کی جانب سے رقم کثیر یونیورسٹی کے چندہ کے لیے دی جاتی تھی۔

مطبوعہ رپورٹ سے کچھ صفحات کے عکس بطور ضمیمہ کتاب کے آخر میں شامل کرتے ہوئے ہم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اس عہد ساز کردار کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ ”ہندوستانی مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے اور انھیں جدید علم و فن سے واقف کرانے میں کانفرنس نے زبردست رول ادا کیا، آج کی نئی نسل اس عظیم تعلیمی، اصلاحی اور ثقافتی ادارے کے کارناموں سے قطعاً ناواقف ہے۔“ اور بقول امان اللہ خاں شيردانی، ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مسلم نشاۃ الثانیہ کی تحریک میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سب سے زیادہ حصہ رہا ہے۔ دراصل کانفرنس ہی علی گڑھ تحریک ہے۔ یقیناً کانفرنس نے تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں مسلمانوں میں بیداری پیدا کی۔ اس عہد آفریں کانفرنس کی اہمیت اور قدر و قیمت اس کے شرکائے محترم کی عظیم شخصیات کے محض نام لینے سے اظہر من الشمس ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ کون کون نابغہ اس محفل کو رونق بخش رہا تھا۔ یہ ہیں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، صاحبزادہ سر عبدالقیوم بانی اسلامیہ کالج پشاور، مولوی محمد حبیب الرحمن خاں شيردانی، بابائے اردو مولوی عبدالحق، خواجہ کمال الدین۔



مولانا محمد علی جوہرؒ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کونسل کے سالانہ اجلاس راولپنڈی ۱۹۱۴ء میں دیگر مندوبین کے ساتھ (بائیں سے دائیں کر سیوں پر): ہصا جزادہ سر عبدالقیوم بانی اسلامیہ کالج پشاور علامولانا ابوالکلام آزاد کے خواجہ کمال الدین علامولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کارروائی اجلاس بست و ہشتم

آل انڈیا محمدان ایسکلو اور نیشنل ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ بمقام لاہور ولینڈی (پنجاب)

اجلاسِ اول

منعقدہ بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء یوم یک شنبہ بوقت دس بجے دن سے ایک بجے تک

پریزیڈنٹ

عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ اے سی پریزیڈنٹ

کونسل آف انجینی ریاست بہاولپور

اجلاس کا وقت سابقاً آٹھ بجے تجویز ہوا تھا۔ مگر داہنڈی کی سردی کا خیال کر کے وقت بدل دیا گیا اور دس بجے دن کا وقت مقرر کیا گیا۔ وقت مقررہ کے قبل ہی تمام وسیع پنڈال ممبران و وزیٹران سے

رپورٹ متعلق اجلاس بست و ہشتم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا صفحہ ۴۱
بمقام لاہور ولینڈی ۱۹۱۳ء

پر ہو گیا تھا۔ ساٹھ تین سو سے زائد ممبر تقریباً پانسو ڈیڑھ سو کے قریب آئری و ڈیڑھ شریک اجلاس تھے باوجود سفر دور دراز و سخت سردی کے اکثر معززین و اکابرین قوم اس اجلاس میں تشریف فرما تھے یورپین اصحاب میں سے کرنل یوہم ہنگ کشر اور وینڈی۔ سریرالڈ کٹشن کمانڈنگ آفیسر یکنڈرا وینڈی ڈویژن، صاحب ڈپٹی کشر اور وینڈی، مشر ایل ٹنگ صاحب ایم اے پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ پرنسپل صاحب مشن کالج نے اپنی شرکت سے اجلاس کو رونق بخشی۔ ماسوٹی یورپین حضرات کے اکثر برادران اہل ہنر و سکھہر اجلاس میں برابر شریک ہو کر کارروائی ملاحظہ کرتے تھے۔

ساٹھ دس بجے عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ اسی پنڈال میں رونق افروز ہوئے۔ حاضرین نے تعظیماً سر و قد سیتا رہے ہو کر رچوتش نعرہ ہاتے مسرت و چیز کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ڈانس پر ممبران ریشن کیٹی اور دیگر معزز اصحاب تشریف رکھتے تھے جن میں سے چند بزرگوں کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔

- ۱۔ عالی جناب اب کپتان ملک محمد مبارز خان صاحب لٹنٹ رائٹرز شاہ پور
- ۲۔ عالی جناب نزیل محمد امین صاحب ریسرچ کمیٹی پور
- ۳۔ عالی جناب صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب سی۔ آئی۔ اسی
- ۴۔ عالی جناب جنرل عبدالرحمن خان صاحب بہاول پور
- ۵۔ عالی جناب مولوی محمد مصیب الرحمن خان صاحب شہر دانی ریس علی گڑھ
- ۶۔ عالی جناب نزیل سید رضا علی صاحب کیل مراد آباد
- ۷۔ عالی جناب مشر محمد علی صاحب بی۔ آئی۔ اے (اگس)
- ۸۔ عالی جناب مشر شوکت علی صاحب بی۔ آئی۔ اے
- ۹۔ عالی جناب مولوی ابوالکلام صاحب زاوہر مولوی
- ۱۰۔ عالی جناب مولوی عبید اللہ صاحب ناظم نظارت المعارف القرانیہ دہلی
- ۱۱۔ عالی جناب مولوی عبدالجلی صاحب بی۔ آئی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو
- ۱۲۔ عالی جناب مشر ایل ٹنگ صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور
- ۱۳۔ عالی جناب مولوی بشیر الدین صاحب ڈیڑھ خبار البشیر اٹاوا

- ۱۳۔ عالی جناب میرزا حسین صاحب ڈی جی ٹی جی ٹی نر علی گڑھ۔
 ۱۵۔ عالی جناب مے لوی سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دنیات مدرسۃ العلوم علی گڑھ
 ۱۶۔ عالی جناب مے لوی الف دین صاحب پبلیڈر کیمپل پور
 ۱۷۔ عالی جناب مے لوی نثار علی صاحب کیمپل مدراس لاسور سرکل

آغازِ کارِ رَوانی

دس بجکر ۴ منٹ پر جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے اول مولوی سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دنیات مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے تمنا و تبرکات قرآن کریم کی چند آیات خوش الحانی کے ساتھ تلاوت فرمائی۔ دورانِ تلاوت میں جملہ حاضرین تعیناً ستادہ رہے۔ اس کے بعد جناب الاکتبان ملک محمد مبارز غالب صاحب ڈائریٹریس شاہ پور نے بحیثیت پریذیڈنٹ استقبالی کمیٹی اپنا مہموبہ ایڈریس پڑھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

ایڈریس پریذیڈنٹ صاحب پریشن کمیٹی آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس

راولپنڈی

حضرات! اس سے پہلے مجھے استقبالیہ کمیٹی کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے کہ کمال مہربانی سے مجھے کمیٹی کا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی مجھے اپنے ان مکرم و معزز احباب کا جو استقبالیہ کمیٹی کے ممبر ہیں آپ حضرات کے سامنے شکوہ بھی کرنا ہے کہ انہوں نے میرے انکار پر جو میں نے اس جلیل القدر منصب کے قبول کرنے سے باہر اور ان کے سامنے پیش کیا مطلق التفات نہ کی اور مسلسل طور پر اصرار کرنے سے مجھے اس خدمت کو اپنے ذمے لینے پر مجبور کیا۔ بلاشبہ یہ امر میرے لئے نہایت فخر اور شکرگذاری کا موجب ہے اور میں ہے اول سے اس عزت کی قدر کرتا ہوں۔ میرا انکار اس بنا پر نہیں تھا کہ ایک قومی خدمت کے ادا کرنے میں کچھ ہائل تھا۔ میرے انکار کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اس عظیم شانِ قومی تعلیمی مجلس کی استقبالیہ کمیٹی کا پریذیڈنٹ ہونے کا اپنی ملی بے بغنائی کی وجہ سے میں اپنے آپ کو اہل

نہیں سمجھتا تھا اور اب جب میں اپنے آپ کو اپنی قوم کے تعلیم یافتہ اصحاب نے ہلکا کی اس محترم مجلس کے سامنے کھڑا ہوا دیکھتا ہوں۔ تو اپنی حالت کو اس قطرہ باران کی مانند پاتا ہوں جس کو سمندر میں جا کر گرنے کی ہدایت کی جاتی ہو اور اپنی بے مانگی کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہوں، بایں ہمہ میں اپنی اس خوش قسمتی کا ممنون احسان ہوں۔ کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے، وہ آسان ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ خوش گواری ہے کہ مجھے آپ صاحبان کا آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے اس اٹھائیسویں اجلاس میں راولپنڈی تشریف فرما ہونے پر آپ کا خیر مقدم کہنا ہے اور آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ پس میں نہایت مؤدبانه طور پر اور نہایت صدق اور جوش کے ساتھ اپنا اور مسلمانانِ قہر راولپنڈی کا ولی خیر مقدم آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ باقی رہا آپ کا شکریہ ادا کرنے کا سوال۔ اس کی نسبت میں چند الفاظ گزارش کر سکی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ بزرگ تعلیمی مجلس اس سے پیشتر ۲۰ اجلاس ہندوستان کے مختلف مقامات پر کھلی ہے۔ لیکن ان تمام مقامات میں جیسے کہ دہلی، کلکتہ، بمبئی اور گراچی وغیرہ میں کچھ تاریخی یا مقامی دل چسپیاں اور دل فریبیاں بھی موجود تھیں اور کہا جاسکتا ہے، کہ وہ خاص اسباب بھی ممبران کانفرنس کو ان مقامات کی طرف کشش کرنے کا باعث ہوئے ہونگے۔ لیکن راولپنڈی کسی ایسے قسم کی دکھن خصوصیت سے خالی ہے، اور اگر اس میں کوئی امتیاز ہے، تو صرف یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی ایک ایسی کثیر آبادی کا مرکز ہے

جہاں جہالت اور بے علمی کی گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ قسمت راولپنڈی کی آبادی کی کیفیت کو ملاحظہ فرمائیے۔ تمام ڈوئیزن میں ۳۳ لاکھ کی آبادی ہے جن میں سے ۲۹ لاکھ مسلمان ہیں۔ اسی طرح ہماری ہمسایہ قسمت ملتان میں ۳۸ لاکھ میں سے ۳۰ لاکھ مسلمان ہیں۔ گویا ریش پنجاب کے مسلمانوں کی ایک کروڑ و لاکھ کی آبادی میں سے ۹۰ لاکھ مسلمان ان دونوں قسموں میں آباد ہیں پھر ہمارے ڈوئیزن کے ایک جانب صوبہ سرحدی ہے۔ جہاں قریب قریب تمام مسلمان آباد ہیں اور دوسری جانب ریاست کشمیر ہے۔ جس میں تقریباً ۹۵ فی صدی مسلمانوں کی آبادی ہے۔ لیکن ان علاقہ جات کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت نہایت دردناک طور پر پست ہے جس کی تفصیلات آپ کو اپنے اجلاس کی کارڈ ایبوں کے دوران میں معلوم ہونگی، مگر جہاں ہمسایہ علاقہ اور ہماری ہمسایہ سرزمین میں جیسے کہ میں نے کہا ہے، جہالت اور بے علمی کا امتیاز ہے۔ وہاں آپ کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے، کہ اس تمام علاقہ کے مسلمان باشندگان کو قدرت نے جو جسمانی اور ذہنی خصوصیات عطا فرمائی ہیں ان کے لحاظ سے بھی وہ ایک خاص حق امتیاز رکھتے ہیں۔ آپ صاحبان کو معلوم ہو گا کہ

ہماری سلطنت کی افواج قاہرہ میں مسلمان سب سے زیادہ راولپنڈی ڈویژن اور صوبہ سرحدی کے ہیں۔ اور اسی طرح کشمیری داغوں کے جوہر کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ پس جس قدر کہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت رومی ہے اور جس قدر کہ اس نواح کے مسلمان تعلیم و تربیت سے قوم کے لئے مفید افراد بنائے جاسکتے ہیں۔ اسی کے آپ صاحبان کا جو اس حقیقت کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر غور کرنے اور ان کی ترقی تعلیم کی تدابیر سوجھنے کے لئے تشریف لائے ہیں، ہمارے شکر یہ اور احسان نندی پر زیادہ ہی ہے۔ حقیقت کانفرنس کا یہ اجلاس

جو راولپنڈی جیسے بھیکے مقام پر منعقد ہوا ہے۔ جہاں سردی زیادہ ہے، اور اس کے ایک گوشہ ملک میں واقع ہونے کی وجہ سے سفر کی تکلیف بھی زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمانان ہندوستان کی قومی ہمدردی کے امتحان کا ایک موقع ہے، اور اس امر کا ثبوت ہم سمجھتا ہے کہ قوم میں ایسے پاک اور ہمدرد نفوس کس قدر ہیں، جو ایک ایسے مقام پر جہاں سیر و تفریح کا کوئی سامان کشش کرنے والا نہیں ہے۔ محض اپنے پس ماند بھائیوں کی بھلائی کی خاطر بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں۔ خدا دیکھے آپ کو اس کی جزائے خیر ہے۔

اے صاحبان! آفتاب جب نکلتا ہے، تو نہ صرف پہاڑوں اور میدانوں ہی کو روشن کرتا ہے۔ بلکہ غاروں اور خندقوں میں بھی روشنی پھیلاتا ہے، اور اس دفعہ اگر محمدان ایجوکیشنل کانفرنس کے آفتاب نے اپنی پوری روشنی ڈالنے اور گرمی کا فیض پہنچانے کے لئے ہماری اس تاریک اور سرد سرزمین کو منتخب کیا ہے تو ہم اس احسان کی وسعت اور عظمت کو بخوبی سمجھتے ہیں، اور اس کا کافی شکر یہ نہیں ادا کر سکے، جو لوگ کانفرنس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے عملی کام کچھ نہیں کیا، وہ صرف اتنی بات بھنے سے قاصر ہیں کہ بیج ڈالنے سے پہلے زمین کو تیار کرنا ضروری ہے، اور یہی سب سے زیادہ محنت کا اور دشوار کام ہے۔ ہم کو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جہاں جہاں قوم کی تعلیم کی کھیتیاں اچھی طرح بار آور ہو رہی ہیں، وہ زمینیں کانفرنس ہی کے ترود سے تیار ہوتی ہیں، اور ہم کو یقین ہے کہ ہماری خوش قسمتی سے اس دفعہ ہماری سرزمین کی باری آئی ہے، اور اگر ہماری زمین اچھی ہے، تو خدا کی مہربانی سے آپ دیکھیں گے کہ یہ کھیتیاں کیسا اچھا پھل لائیں گی اور کانفرنس کی یہ مساعی کیسی مشکور ثابت ہوں گی۔

ہمارے حکام عالی مقام نے کانفرنس کے اس اجلاس کے متعلق جو دلی ہمدردی اور مہربانی کا اظہار فرمایا ہے، اس کا خاص طور پر شکر زیادہ کرنا ہمارے لئے لازمی ہے۔ ہم نے عالی جناب نیر انزلو اب لفٹنٹ گورنر

بہادر پنجاب کی خدمت بابرکت میں اجلاس کانفرنس میں رونق افروز ہونے کی گزارش کرنے کے لئے عرض
پیش کرنے کی جسارت کی تھی جس کے جواب میں جناب مدوح کے پرائیویٹ سکرٹری صاحب بہادر نے
حسب ذیل نوازش نامہ تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے آپ کے بولچینہ مورخہ اردسمبر کو نیز انڈیا بلفٹنٹ گورنر بہادر
کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اس کے جواب میں جناب موصوف نے اس امر کی آپ کو اطلاع دینے کی ہر امتیاز
فرمائی ہے کہ نیر انڈیا آپ کی دعوت کی دل سے قدر فرماتے ہیں اور کانفرنس کی کارروائیوں کو جس کی اغراض
کے ساتھ ان کو ہر ایک قسم کی پوری ہمدردی ہے، گہری دلچسپی سے ملاحظہ فرماتے رہیں گے۔ لیکن جناب مدوح
کو افسوس ہے کہ کرسس کے ہفتہ کی لاہور کی سابقہ شدہ مصروفیات کی وجہ سے نیر انڈیا اجلاس کانفرنس
میں شرکت نہیں فرما سکیں گے۔"

جناب کرنل پوپم نیک صاحب بہادر تسی۔ آئی۔ ائی۔ کمشنر اولیڈی ڈویژن نے صرف اجلاس کانفرنس
کو اپنی شمولیت سے زینت بخشنے ہی کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ کمال مہربانی سے ممبران کانفرنس سے ملاقات
کرنے کے لئے ان کو اپنے دولت خانہ پر گارڈن پارٹی کے لئے مدعو فرمایا ہے۔ جناب مسٹر نیوف صاحب بہادر
ڈپٹی کمشنر اور مسٹر جہلم صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس راولپنڈی نے نہایت ہمدردی سے ہر طرح کی
ابداء فرمائی ہے، اور ایسے ہی اعلیٰ افسران فوج مثلاً جنرل سرجی کٹسن صاحب بہادر کمانڈنگ سیکنڈر راولپنڈی
ڈویژن اور دیگر اہلکار مثلاً کرنل بلیر صاحب بہادر اسسٹنٹ ڈائریکٹر سیلابی ڈرائیونگ و میجر روزنگ
صاحب بہادر کنگڈونٹ جو میٹرینے بری کشادہ دلی سے ہم کو بہت قیمتی ہمدردی ہے، اور ان سب اصحاب کا
میں اپنی اور ریشن کمپنی کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں ایک بری ذمہ داری کے گناہ کا مجھ پر ہو چکا، اگر اس موقع پر میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں اور
پادری صاحبان اور افسران سربشہ تعلیم کا شکریہ خاص طور پر ادا کروں۔ ہمارے ہمانوں کے قیام کے لئے
ڈی۔ آئی۔ آئی۔ ڈی ہائی اسکول مشن ہائی اسکول۔ خالصہ ہائی اسکول۔ ڈیپنس ہائی اسکول۔ گورنمنٹ ہائی
اسکول اور نارمل اسکول کی عمارتیں استعمال کے لئے ہمارے حوالہ کر دی گئی ہیں اور جس شوق اور محنت سے
ہمارے ہندو عزیز کام کر رہے ہیں اور کل ریلوے اسٹیشن پر اور شہر میں ہماری کانفرنس کے محترم پریزیڈنٹ
صاحب کے استقبال میں جس جوش اور ہمدردی سے ہمارے ہندو بھائیوں نے حصہ لیا ہے، اس کو ہم کبھی
فراموش نہیں کر سکیں گے۔

مجھ کو اپنے دوست رائے صاحب ڈاکٹر ان ان دت صاحب کا بھی خاص شکر یہ ادا کرنا ہی جنہوں نے
اپنی خدماتِ طبی امداد کے لئے بلا معاوضہ مجھ کو کانفرنس کی نذر کی ہیں۔

مجھ کو اندیشہ ہی کہ میں نے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے لیا ہے۔ پس میں اپنے مسلمان بھائیوں اور
ممبرانِ استقبالیہ کمیٹی اور دیگر اصحاب کا شکریہ ادا کرنے کے کام کو آپ کی کمیٹی کے سکریٹری کے ذمے
چھوڑتا ہوں، اور آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، کہ خداوند کریم و رحیم کا نام لے کر آپ اپنے کام کو میری
اس دعا کے ساتھ شروع فرمائیں، کہ وہ مجیب الدعوات آپ کی ان ساری حسنة میں برکت بخشے، اور آپ کی
آئندوں سے بڑھکر ان کو کامیاب ثابت کرے۔

ایڈریس ختم کر کے ملک صاحب مدوح نے مناسب الفاظ میں تحریک کی کہ جناب الامامی رحیم بخش
صاحب پریذینٹ کونسل بھاول پور اجلاس کانفرنس کے صدر منتخب کئے جائیں۔ جناب حاجی شمس الدین
صاحب سکریٹری انجمن حمایت اسلام لاہور نے اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

”ہمارے محترم بزرگ قوم جناب ملک صاحب نے انتخابِ صدر کی جو تجویز پیش کی ہے وہ نہایت
” مبارک و مستحسن ہے، جناب مولانا حاجی رحیم بخش صاحب ایک ایسے مشہور پھرد و قوم بزرگ ہیں کہ جن کے
” بد او صاف حمیدہ کا تذکرہ آپ صاحبان کے سامنے کرنا تحصیلِ کمال ہے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات
” مسلمانوں کے لئے مغنمات میں سے ہے جناب مدوح کو مسلمانوں کی عام بہبودی کے کاموں کے
” ساتھ بالعموم اور مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ بالخصوص مگر یہی اور دلچسپی ہے، اور جس علوم و ہمتی
” کے ساتھ جناب مدوح قومی بہبود کے کاموں میں معاونت فرماتے ہیں وہ سب پر روشن ہے۔ لہذا
” تمام امور کے لحاظ سے ہمارے لئے موجبِ فخر ہے کہ ایسے بزرگ قوم اس کانفرنس کے صدر منتخب ہوں۔
” حاجی صاحب موصوف نے جس قدر دلی مدد اس وقت تک مختلف اسٹیٹوشنوں کی اپنی ذاتِ خاص
” سے کی ہے یا اسلامی ریاست سے دلائی ہے وہ ہر طرح سے قابلِ تحسین و لائقِ آفرین ہے۔ میں یقین کرتا
” ہوں کہ آپ صاحبان میری اس امید کے ساتھ شریک ہونگے کہ جناب حاجی صاحب کی توجہ سے
” آئندہ اس سے بڑھ کر قومی کاموں میں امدادِ ملتی رہے گی۔ چونکہ اب کانفرنس کا کام شروع کرنا ہے
” اس لئے میں اس دعا کے ساتھ اس تحریک کی تائید کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ مدوح کو عمر و دراصل

”فرمانے اور درخواست کرتا ہوں کہ جناب مدوح کرسی صدارت پر رونق افروز ہوں....“
 جملہ حاضرین نے انتخاب صدر کی تجویز کو نہایت مسرت کے ساتھ قبول کیا اور جناب حاجی صاحب نے
 چیرکی آوازوں میں صدارت کی کرسی کو زینت بخشا۔ اس موقع پر منشی غلام محمد صاحب غلام کشمیری نے
 دو رباعیاں پڑھیں جس میں سے ایک باہمی ذیل میں دلچسپ ہے۔

آغاز تیرے نام پہ ہوا لے رحیم بخش در ماندہ اس گروہ پہ فیض عمیم بخش

دنیا میں ہم کو علم کی دولت سے کرہن سال اور عاقبت میں بخش جنت نعیم بخش

حاضرین رباعی کا لطف حاصل کر رہے تھے کہ واجب الاحترام صاحب صدر انجمن اپنا ایڈریس پڑھنے
 کے لئے کھڑے ہوئے اور ایڈریس کے زبان انگریزی میں ہونے کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

”حضرات! اگرچہ میرے دوست صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور قاضی برج الدین احمد

صاحب مجھ سے خواہش کی تھی کہ میرا ایڈریس اردو میں ہو اور غالباً اس وجہ سے کہ میں نے یہ

”ایڈریس انگریزی میں لکھا ہے یہ صاحبان ناراض ہونگے لیکن میں معافی چاہتا ہوں کہ خاص مصلحت سے

”مجھے ایسا کرنا پڑا۔ ایسی شاندار کانفرنس کے لئے ایڈریس انگریزی میں ہونا ضروری تھا اگر میں آپ

”صاحبان سے عرض کر دیتا کہ بوجہ کم علمی کے جو غلطیاں مجھ سے سرزد ہو جائیں آپ معاف فرمائیں گے

”میں نے انگریزی بڑھاپے میں پڑھی ہے۔ مگر شکر کرتا ہوں کہ بڑھاپو طلبی نہیں ہوں....“

انگریزی ایڈریس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

ترجمہ تقریر صدارت سے

خواتین و حضرات!

ایسے لمحے بھی انسان کی زندگی میں آتے ہیں جبکہ اس کو اس کام یا فرض کی انجام دہی کے متعلق جو
 اس پر غائد ہوتا ہے اپنی دماغی ناقابلیت کا سب سے زیادہ احساس ہوتا ہے۔ اس وقت میرے اوپر بھی ایسا
 یا تقریباً ایسا ہی جس غالب ہے۔ اس نیندال میں جو سرسید احمد جیسے نیک نماد و عاقل و فرزاند، نواب
 حسن الملک جیسے روشن دماغ فصیح و بلیغ، راتھ آرنیل سید امیر علی جیسے برگزیدہ فرزند ہندو ممتاز متقن،
 مولوی نذیر احمد صاحب جیسے جید عالم، نواب عماد الملک جیسے فاضل و اہل الرائے اور ہمارے پنجاب کے

سے یہ تقریر کتاب ہذا کے صفحات ۱۲۳ تا ۱۶۰ پر موجود ہے۔

اجلاسِ موم

یوم یک شنبہ بتاریخ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۳ء وقت ۳ بجے سے ۵ بجے تک
 زیر صدارت عالی جناب خان بہادر حاجی مولوی رحیم بخش صاحب سنی۔ آئی۔ سی۔

آنریبل ممبرز شاد دین صاحب آنریبل خواجہ غلام ثقلین صاحب اور حاجی مولوی محبوب عالم صاحب
 ایڈیٹریو اخبار کے نام آنریبل جانٹ سکریٹری کانفرنس نے جلسہ میں پڑھ کرنا سے جن میں عدم شرکت اجلاس
 کانفرنس پانسوس اور کانفرنس کے اجلاس کی کامیابی کی دعا کی گئی تھی۔ نیز ہزار نواب لٹنٹ گورنر بہادر پنجاب
 پرائیویٹ سکریٹری کی چٹھی بھی پڑھی جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

گورنمنٹ ہاؤس، لاہور

مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۳ء

مہربان من - میں نے آپ کی چٹھی موقعہ ۲۲ ماہ حال حضور لٹنٹ گورنر بہادر کے ملاحظہ میں پیش کی جس کے جواب
 میں مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کو مطلع کروں کہ ہزار مذکورہ آپ کے دعوت نامہ پر اظہار خوشنودی فرماتے ہیں
 حضور مہدی کو کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے ساتھ کمال مہر و ہی اور اس کی کارروائیوں کو بغایت دلچسپی
 ملاحظہ فرمائیں گے لیکن پانسوس پر کہ تعطیلات کرسس کے موقع پر چونکہ سابق کی قراردادہ مصروفیات ہیں اس لئے
 مدعو اجلاس کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔

آپکا وفادار

ایس۔ سی۔ بیل

(دستخط) لٹنٹ کرنل پرائیویٹ سکریٹری

اجلاس سوم

یوم یکشنبہ بوقت ۸ بجے شب

زیر صدارت مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شریف انی

آنریری جائنٹ سیکرٹری نے بیان کیا کہ اس جلسہ کیلئے مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شریف انی صاحب
تجویز ہوئے ہیں لیکن وہ ابھی تک تشریف نہیں لائے اور وقت ہو گیا ہے اس لئے میں استدعا کرتا ہوں کہ
مولوی بشیر الدین صاحب اس جلسہ کے صدر قرار دے جائیں۔ برصغیر میں اس تحریک کی تائید کی اور مولوی صاحب
موصوف صدر جلسہ ہوتے۔ اس کے بعد جناب مولوی عبد اللہ صاحب ناظم تقاریر المعارف دہلی نے تقریباً
ایک گھنٹہ تک وعظ فرمایا۔

مولانا موصوف کا وعظ ختم ہونے پر مسٹر شوکت علی صاحب نے مولانا کا شکریہ
ادا کرتے ہوئے ایک جوشیلی تقریر کی اور اثنائے تقریر میں اس قسم کے خیالات کا اظہار
کیا جو آنریری جائنٹ سیکرٹری کانفرنس کی رائے میں کانفرنس کے پیٹ فارم کے موزوں
نہ تھے۔ اس لئے آنریری جائنٹ سیکرٹری نے صاحب صدر جلسہ سے درخواست کی کہ
مسٹر موصوف کو اس قسم کی تقریر سے روکا جائے اور عرض کیا کہ اگر ضرورت کا لگتا تو اس کی
ذمہ داری اٹھ پر ہوگی۔ اسی عرصہ میں جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شریف انی
رئیس مجسٹریٹ پورہ علی گڑھ، تشریف لے آئے جو لٹریچر سیکشن کے اجلاس کی صدارت فرماتے
والے تھے۔

مولوی بشیر الدین صاحب صدر جلسہ خان صاحب ممدوح کی تشریف آوری پر
کسی صدارت سے غلطی ہو گئی۔ اور اس طبعاً جو کارروائی اس وقت ہو رہی تھی وہ
ختم ہو گئی۔

مولانا ممدوح کے کرسی صدارت پر تشریف فرمانے کے بعد اول مولوی عبد الحق صاحب بی آئی
سیکرٹری انجمن ترقی اوردہ سے انجمن کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی جو حسب ذیل ہے۔

اجلاس چہارم

منعقدہ تاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۳ء دس بجے دن سے ایک بجے دن تک

زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای۔

سب سے پہلے حافظ محمد سعید صاحب نے کلام پاک کی ایک سورۃ خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کی۔ اسکے بعد

صاحب صدر نے نصیحت و وقت کی وجہ سے یہ قرار دیا کہ رزلوشن کے محرکین کو دس منٹ اور مولدین کو ۱۵ منٹ

تقریر کے لئے دیئے جاتے ہیں اور مولوی بشیر الدین صاحب کو پراونشل محمدن ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کی

رپورٹ پڑھنے کیلئے آدھ گھنٹہ دیا جائے اور فرمایا کہ ”مقررین اپنے موضوع سے تجاوز نہ فرمائیں گے

علاوہ ازیں دو باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھا جائیگا۔ اول یہ کہ اگرچہ کانفرنس ایک اسلامی انجمن ہے

لیکن یہاں شرعی فتاویٰ کی بحث کا ہرگز موقع و محل نہیں ہے۔ اس قسم کی بحث دوسرے مناسب موقع پر

ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ کانفرنس ایک تعلیمی مجلس ہے اسلئے پالیٹکس اور سیاسیات کے متعلق بھی کچھ نہ کہنا چاہئے

اور نہ کوئی ایسی بات ہونا چاہئے کہ جسکی وجہ سے اختلافات پیدا ہوں کانفرنس اپنے دائرہ عمل کے اندر

نہایت مفید تعلیمی خدمت انجام دے رہی ہے اور جہاں جہاں اسکے اجلاس ہوتے ہیں وہاں کے مسلمانوں میں

تعلیمی تحریک کو بہت کچھ تقویت پہنچی ہے۔ اسلئے کانفرنس میں ایسے خیالات کا اظہار نہو جس سے اختلافات

پیدا ہوں اور جو مجمع ہلکوپل اپنی حالت پر تبادلہ خیالات اور ضروری کارروائیوں کا مقصد ہے وہ ہاتھ سے نہ جانا تاکہ

جو کام ہلکوپل کے پروگرام کے لحاظ سے درپیش ہیں انکو باحسن وجوہ انجام دینا چاہئے۔ کوئی صاحب برائہ نہیں

کسی مقررہ کارروائی کے علاوہ کسی جدید امر کے پیش کر سکی اجازت نہیں دی جاتی۔ جو کام آجکلے لئے قرار دیا گیا

وہی ہونا چاہئے پس اب میں مولوی بشیر الدین صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائیں

چنانچہ مولوی بشیر الدین صاحب ہمیشہ سکرٹری پراونشل محمدن ایجوکیشنل کانفرنس صوبجات مالک متحدہ اپنی رپورٹ

پڑھنے کیلئے آئے لیکن قبل اسکے کہ موصوف رپورٹ پڑھنا شروع کریں صاحبزادہ آفتاب محمد خاں صاحب نے

مولوی صاحب موصوف کا حاضرین جیسے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ وہ بزرگ ہیں جنکی تہناکوششیں اور جانفشانی

کی بدولت اٹا وہ میں مسلمانوں کی مشہور درسگاہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹا وہ قائم ہے اور جہاں علاوہ اس صوبہ کے

تقریباً تمام صوبوں کے طالب علم تعلیم پاتے ہیں مولوی صاحب موصوف جس خلوص اور پختہ ایشار سے کام کرتے ہیں

وہ محتاج بیان نہیں ہائے انہوں نے مسلمانوں کے تعلیمی معاملات پر غور کر نہیں اپنی فکر کا بیشتر حصہ صرف کیا ہے

اور جو رپورٹ وہ پڑھ کر سنائیں گے وہ خاص توجہ کے قابل ہوگی۔“

خان بہادر مولوی بشیر الدین

اجلاس ختم

یومِ دو شنبہ بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۴ء وقت ۸ بجے شب ۵ بجے تک
کارروائی اجلاس اسکول سیکشن

زیر صدارت جناب خان بہادر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب سی ایس۔ آئی

کارروائی اجلاس شروع ہونے سے قبل خواجہ عبدالصمد صاحب لکھنؤ میں بارہ مولانا کشمیری نے ایک مختصر سی تمہید کے ساتھ حمد و نعت میں ایک نظم جسکو حاضرین نے دلچسپی سے سنا، پڑھی۔ چونکہ صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب جو اسکول سیکشن کے اس اجلاس کی صدارت فرما رہے تھے پشاور سے اجلاس شروع ہونے کے وقت تک تشریف نہیں لائے اس لیے حسب تحریک صاحبزادہ آفتاب احمد خان جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ اور مندرجہ ذیل رزلوشن پاس ہونے سے کارروائی اجلاس شروع ہوئی۔

رزولوشن نمبر ۱

اس کانفرنس کی رات ہے کہ قسم کے کارخانہ دار اپنے اپنے کارخانوں میں ایک ایک ٹرنجنگ کلاس جاری کریں اور اس میں مسلمان نوجوانوں کو عملی تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیں اور جس قدر اور جس حیثیت کا کام امیدوار انجام دیں اسکے موافق انھیں معاوضہ دیں۔ اس میں کارخانہ داروں کا بھی فائدہ ہے اور تلامذہ روزگار مسلمانوں کے لیے ایک وسیع اور مفید ذریعہ پیدا ہو جائیگا۔

اصل محرک رزلوشن کی عدم موجودگی کی وجہ سے جناب غلام حسین خاں صاحب ساکن اولپٹری نے رزلوشن کی تحریک کو مختصر یہ بیان کیا کہ مسلمانوں کے بالعموم صنعت و حرفت کے مفید پیشے کی طرف سے

اجلاس ششم

یوم شنبہ بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۴ء شروع وقت اب کے دن سے ایک بجے تک

زیر صدارت عالیجناب خان در حاجی مولوی حریم بخش صاحب سی ائی ای

چونکہ کارروائی اجلاس کے شروع ہونیکا وقت ہو چکا تھا اور صاحب صدر جلسہ نے نہیں لائے تھے اسلئے حسب تحریک صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے اور حسب ارشاد جناب صدر جلسہ مولوی امیر احمد صاحب بی اے (علیگ) نے جو بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عالیہ دیوبند اور نظارۃ العارف القرانیہ دہلی میں عرصہ تک قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں "تعلیم القرآن" پر اپنا لیکچر پڑھ کر سنایا۔ یہ لیکچر جس جامعیت لگا گیا تھا اور جس پائیدار تھا وہ خود لیکچر سے واضح ہی تمام حاضرین اس لیکچر کو مسکرات مناسبت معلوظا ہوئے۔ یہ لیکچر بہ تمام و کمال ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَاءً مَّوْضِعًا لِّمَنْ شَاءَ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ

گزشتہ کانفرنس منعقدہ اگرہ میں خاکسار نے ایک مضمون پڑھا تھا جس میں زیادہ تران دو امور پر بحث کی گئی تھی کہ ہماری قوم کے جدید طبقے میں مذہبی تعلیم کی کس حد تک ضرورت ہے اور اس طبقے کی مذہبی تعلیم کے لئے کس قسم کے مشعلوں کی ضرورت ہے۔

اس مرتبہ ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید کی تعلیم کے متعلق اپنی رسالے عرض کر دینا نقطہ اس قرآن کی تعلیم کا اثر تھا کہ چند سال کے عرصہ میں ہر کج بخت پرست جاہل لوگ دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست، سب سے زیادہ ہمت مند اور سب سے زیادہ تہذیب یافتہ اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے۔

اجلاس ہفتم

یوم شنبہ بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء وقت ۲ بجے دن سوار ۴ بجے تک

زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای
صدر انجمن صاحب کے کرسی صدارت پر رونق افروز ہونے کے بعد مولوی الف دین صاحب نے
باجازت صاحب موصوف نظم ذیل پڑھ کر ستانی جس نے خاص لطف پیدا کیا۔

نظم خطابت مسلم

سبق آموز عبرت ہے تمھاری دستاں باقی
نہ وہ میا نہ وہ ساغر نہ وہ پیر معناں باقی
نہ اب وہ شمع ہے روشن نہ وہ پروانگان باقی
عوض پینا کے رہتی ہے یہ چشم خونچکاں باقی
خمارِ بادۂ دوشینہ سے اک سرگراں باقی
بچا کیوں ہے یہ ماتم اور کیوں آہ و فغان باقی
پکارے ہو کہ اب میرا نہیں کوئی مستردان باقی
نہیں اسے نام کے مسلم کہیں اس کا نشان باقی
نہیں اسے وحدت ملت ترا نام و نشان باقی
مگر اب رہا ہیں لے دے کہ خانہ جنگیاں باقی
خلجِ شیبی و سستی ہے جب تکے میان باقی
رہا اگر ادعا تے مدعی آفرزماں باقی
رہیں پھر کیوں مسلمانو! یہ نرتہ بندیاں باقی

مسلمانو! کہاں اب اپن وہ عظمت کے نشاں باقی
نہ وہ محفل نہ وہ سامان نہ وہ میخوارگان باقی
ہوئی چشم زدن میں بزمِ انخوان العفا بزم
دل پر داغ ہے اک یادگار محفل رنگین
رہا ہے ہنشتینو! یادگار صحبت عشرت
ہوئی وہ بزم کیوں بزم، ننگے ہو گئے کیوں ہم
سبب اس کا تو ہے ظاہر کہ قرآن طاق نیاں
وہ روح وحدت انسان کہ جس کو لایا تھا میں
یہ شیبی ہے وہ ہستی یہ رافض ہے وہ ہر صاحب
کبھی تھا اتحاد باہمی سرمایہ نازش
اترنا ساحل مقصود پر دشوار ہے اپنا
بہت ہوں گے خدا حافظ بہار و میرزا پیدا
ہے جب واحد خدا نے قبیلہ پیغمبر قرآن

کبھی ہم پیشہ دروئے زمین پر تھے تمدن کے
 اگر چین میں ابلی کبیشہ ہو تو اندرس بن طاق
 زمانے پر بیان ہے رفعت مینار ولی سے
 وہ تاج اگرہ ممتاز عالم اپنی خوبی میں
 ادھر جوئی ہمالہ کی ادھر پر نیر کی وادی
 اشتاء علی لکھار پر تھے رحمدل باہم
 جب اس نرمی و گرمی پر حکومت تھی قرہت کی
 تھا قرآن ہتھ میں بکیر لب پر درو سینے میں
 جھکا اللہ کے آگے جھکا یا ساری دنیا کو
 کمالِ عبادت میں تھا جلال سلطنت مہنر۔
 یہودی ہیں کہ نصرانی برہمن ہیں کہ زرتشتی
 کوئی دن میں یہ سارے جذب ہو جائینگے و تقدیر
 تو اسے دین الہی کا شرف ہر اظہر ہے۔
 گل توحید قرآن سے سطر ہے شام جان
 الہی کیا ہوا وہ اعتقاد عروۃ الوثقی۔
 نہ وہ مومن نہ وہ ایمان نہ وہ مسلم نہ وہ عرفان
 نہ ساجد ہیں نہ ہیں راجح نہ قاعد ہیں نہ ہیں قائم
 جو وہ عام سے طاری نہیں تیزی مانوں میں
 نہ مسر سید کی ہوسوزی نہ حمدی کی ذل افروزی
 یہ ہے گلستانہ رنگیں سے اک شیریں بیان حالی
 الہی دیز تک محفوظ رکھو دست گلچین سے
 گل اشک چشم لالہ و انوار دل سنبل پریشانی
 مدد اسے جذبہ فیض خدا سے برتر و دانا

تو آتش

ہیں اب تک رگزاروں پر نشاۃ کاروان باقی
 ہے ذکر این قاسم سندھ میں ہنوز باقی
 زمین ہند میں اسلام کا ہے آسماں باقی
 جسٹم ہے سر پاجیرت نفا زگاں باقی
 شکوہ سلطوت اسلام کے ہیں ترجاں باقی
 تمہاری نرمی و گرمی سے تھا نظم جہاں باقی
 تھے اقلیم سیاست میں تمہیں تم حکمراں باقی
 نہ تھا روئے زمین پر کوئی اپنا ہمنان باقی
 یہ بارز عظمت مسلم تھا سب وہ میں نہاں باقی
 یہ نکتہ سیرت احمد سے ہو یکسہ عیاں باقی
 یہ ہیں سب نعمت اسلام کے تلاشیاں باقی
 رہیگا سکے تو حسید عالم میں رواں باقی
 رہیگا تیرے قبضہ میں ہمیشہ ملک جاں باقی
 رہیگی باغ احمد میں بہار بے حسرتاں باقی
 کہ ہے اب منتشر شیرازہ اسلامیاں باقی
 یونہی ہیں سپیکر بے جان بدست زندگان باقی
 نہ سراغ ازباں باقی نہ سراغ ازباں باقی
 نہ دل میں نرمیاں باقی نہ خون میں گرمیاں باقی
 نڈیر خوش بیاں باقی نہ ٹیلی نکتہ داں باقی
 سو ہیں یہ اک گل پڑ مردہ یاد گلستان باقی
 کہ ان کے بعد بیاں خالی ہے جائز زندگان باقی
 یہی اب رہ گئی ہے یاد گلارہ گلستان باقی
 کہ ہے اس دورِ محبت میں یقین حضرت گمان باقی

تراور چھوڑ کر یار بنا جائے کہاں مسلم تو اکرم ہے کریموں میں تو اکرم ہو رحیموں میں شفیق عاجزاں ہے تو غفور عاصیاں ہو تو سہارا تیری رافت پر بہرہ سہ تیری رحمت پر	کہ ہے اللہ والوں کا یہی اک آستان باقی تو ہی اک بکسی میں ہے نصیر بکیاں باقی تو ہی بس بے بسی میں ہے رفیق بے بسا باقی اکرم پر ہے تری تکیہ حسین و مستغان باقی
---	--

ترا ارشاد ہے مولیٰ اَجِيبٌ دَعْوَةُ الدَّاعِي

ہے گاکب تلک محزون نفس خستہ جان باقی

فاکسار۔ الفادین نفیس



نظم کے ختم ہونے کے بعد جناب مولوی محمد اکرام خان صاحب ریٹائرڈ جج و پریسڈنٹ اسلامیہ اسکول پونچھ نے ایک مختصر تقریر فرمائی جو حسب ذیل ہے۔

میرے کرم و دست پیر جام الدین شاہ صاحب سجادہ نشین پونچھ نے آیت شریفہ کل حکم حکم
الْاِحْسَانِ الْاِلْحْسَانِ کی تفسیل کی ہے جس کا کرنا ہم پر واجب تھا یعنی اس وقت تک جس قدر رعایتیں
یا عطیات ہمیں ملے ہیں ان کا شکر یہ مناسب ہو چکا گیا لیکن حضرات اس سے کہیں یہ سمجھ جاویں کہ بس بس
میں ہمارے اغراض و مقاصد پورے ہو گئے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں تمہاری آرزوئیں بہت بچی ہیں تمہاری ہمت
تعلیمی بہت وسیع ہیں۔ انٹرنیشنل ڈیپارٹمنٹ جاری کرنے کے لئے بڑے روپیہ کی ضرورت ہے جس قدر زیادہ روپیہ

کی ضرورت ہو اسی قدر ہم باشندگان ریاست پونچھ زیادہ افلاس زدہ ہیں۔ اس لئے میں یہود باندہ طور پر اس
عظیم احسان کا نفرنس کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ پونچھ بھی کثیر سے ملحق ہو یہاں تک کہ خط
و کتابت میں بھی پونچھ کثیر لکھا جاتا ہے پس جہاں کہ کانفرنس میں کثیر مسلمانان کی صلاح کا ذکر آوے گا
بھی پونچھ کو بھی الحاق اور منگ کرنے کا رتبہ بخشا جاوے تاکہ اکابرین کانفرنس کو غلط فہمی گوارا نہ کرنی
پڑے اور ساتھ ہی میں تحریک کرتا ہوں کہ براہ عنایت کانفرنس سے حضور سہی صاحب بہادر پونچھ اور
جناب کپٹن سی۔ ایف۔ میگزنی صاحب بہادر اپیل ہسٹنٹ رزیڈنٹ اور جناب پنڈت جنار دھن صاحب
وزیر ریاست کو خطوط لکھے جاویں اور ساتھ ہی ہمیں مسلمانان پونچھ کی تعلیمی ترقی کے لئے یہی تحریک فرمائی
جاوے تاکہ ساسا جلدی ہو جاوے۔

چند روزوں میں کی اہمیت کی وجہ سے پروگرام سلبو میں کسپتہ فرق کیا گیا اور اول دو روزوں میں
بیش ہوتے جو پروگرام کے آخرین دن تھے چنانچہ وہ روزوں میں ذیل باتفاق پاس ہوئے

رزولوشن نمبر (۲۹) مسلمانان کشمیر

ریاست کشمیر کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کے سررشتہ تعلیم میں مسلمانوں کی
کافی تعداد ہو اس لئے یہ کانفرنس حضور مبارکہ صاحب بنادر ریاست کشمیر سے باوجود مدعی ہے کہ
جس طرح دیگر اقوام کے طلبہ کو وظیفہ دیکر ٹریننگ کالجوں کی تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے مسلمان طلبہ کو بھی وظیفہ
دے کر ٹریننگ کالجوں میں داخل کرایا جاوے۔

رزولوشن نمبر (۳۰)

اس کانفرنس کی رائے میں مسلمانان صوبہ سرحدی و صوبہ پنجاب کی تعلیمی ترقی کے لئے ضروری
ہے کہ جس طرح مالک متحدہ کی گورنمنٹ نے اپنے رزلوشن بحریہ ۲۵ اگست ۱۹۱۴ء کے ذریعہ سے پنجاب
میں اس ضلع کے مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی کے لئے مسلمان مبروں کی کمیٹیوں اور ضلع کے زیر صدارت قائم
کئے جانے کی تحریک کی ہے اس طرح ان ہر دو صورتوں کے اضلاع میں کمیٹیوں قائم ہوں۔

رزولوشن نمبر (۳۱)

یہ کانفرنس گورنمنٹ ہند سے باوجود التجا کرتی ہے کہ جو قوم کثیر ان مسلمانوں کے منافع سود کے
سیونگ بنوں میں توجہ میں جو سو لینا نہیں چاہتے وہ اس کانفرنس کو عطا فرمائی جائے اور ان سے
یونیورسٹی کے تعلق ایک ہوشل مسلمانوں کو اسلئے قائم کیا جاوے اور جو آمدنی اس ہوشل سے ہو وہ
مسلمان طلبہ کے وظائف میں صرف کیا جاوے۔ رزلوشن نمبر ۳۲ واپس لیا گیا اور نمبر ۳۳ کو ترک کیا گیا۔
بعد اس کارروائی کے مولانا شاہ سلیمان شرف صاحب و اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ نے جو خاص
بعض شرکت کانفرنس شریف لائے تھے و عطا فرمایا۔

وخطہ

جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب

بموقع

اجلاس سبت و ششم آل انڈیا محمدین ایجوکیشنل کانفرنس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمْدًا مَّصَلٰتًا

خطبہ مسنونہ و صلوات تنویر و تسمیہ کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی۔ ہُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ
رَسُوْلًا بِالْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰی الدِّیْنِ کَلِمًا كَوْفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝

یہ آیت کریمہ آخر کو مع سورہ فتح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کی ایک جماعت
بشارت فتح مبینہ ہے جو حبیب عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم کالی میں سعادت کو فرین کی دولت

لوٹی ہوئی مدینہ طیبہ واپس جا رہی ہے۔ بغرض عمرہ رسول کریم علیہ الوت الصلوٰۃ والسلام چودہ سو مسلمانوں
کو لیکر عازم مکہ مغلطہ ہوئے تھے۔ کفار مزاحم ہوئے اور حدیبیہ سے آگے بڑھنا نہ ہوا اور واداء واقعہ طویل ہے۔ مختصر

یوں سمجھیے کہ ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کے شرائط مسلمانوں پر شاق تھے۔ لیکن سرکار دو عالم کی شتابت
اسی میں تھی لہذا برسوخیم منظور تھا مگر اس طرح کی مراجعت نے دلوں کی اس کیفیت کو جس میں ایک سووزش

اس سووزش میں اخلاص اس اخلاص میں یہودیت کامل موجود تھی ذرا چمکا دیا تھا۔ اس پر منافقین کے ہستہ
دلمن و تشنیع اور بی نیک چہرے کتے جاتے تھے پس کمال نیاز مندی انتہائے مذلل انکسار سے قلوب مجتہدین

سے یہ ”وخطہ“ آپ کتاب ہذا کے صفحات ۱۲۳ تا ۱۲۸ پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

اجلاس ہشتم

منعقدہ

یوم شنبہ بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء وقت شب ۸ بجے سے دس بجے تک
زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی رحیم بخش صاحب - آئی۔ آئی

سب سے پہلے صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے رزلوشن نمبر ۳۵ کی تحریک کی اور کہا کہ میں مندرجہ ذیل
حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان صاحبان نے قومی تعلیم میں دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے اور ہمارا
فرض ہے کہ علی الاعلان اس کا اعتراف کریں۔ تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور اصحاب ذیل کا شکریہ
منقول رہا۔

رزلوشن نمبر ۳۵

یہ کانفرنس مندرجہ ذیل اصحاب کا ان کی پیش بہا تعلیمی خدمات کے واسطے شکریہ ادا کرتی ہے۔

صوبہ سرحد کی کشمیر و پنجاب

شاہ پور پنجاب پکتان، گلگت، مبارزخان صاحب - ٹوانہ رئیس اعظم۔
گجرات - خان صاحب چودھری فضل علی خان صاحب رئیس آئری محبٹر سٹیٹ۔

منشی محمد دین صاحب پٹیڈر سکریٹری لوکل کمیٹی۔

جہلم - مولوی محمد اکرم صاحب بیرٹرا سٹیٹ لاء سکریٹری انجمن مدد تعلیم جہلم
راولپنڈی - قاضی ساجد الدین احمد صاحب بیرٹرا سٹیٹ لاء۔

رپورٹ منعلق اجلاس ہشتم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۱۲ء کا صفحہ ۳۲۶

پنڈت جواہر لال نہرو مدح سرسید میں

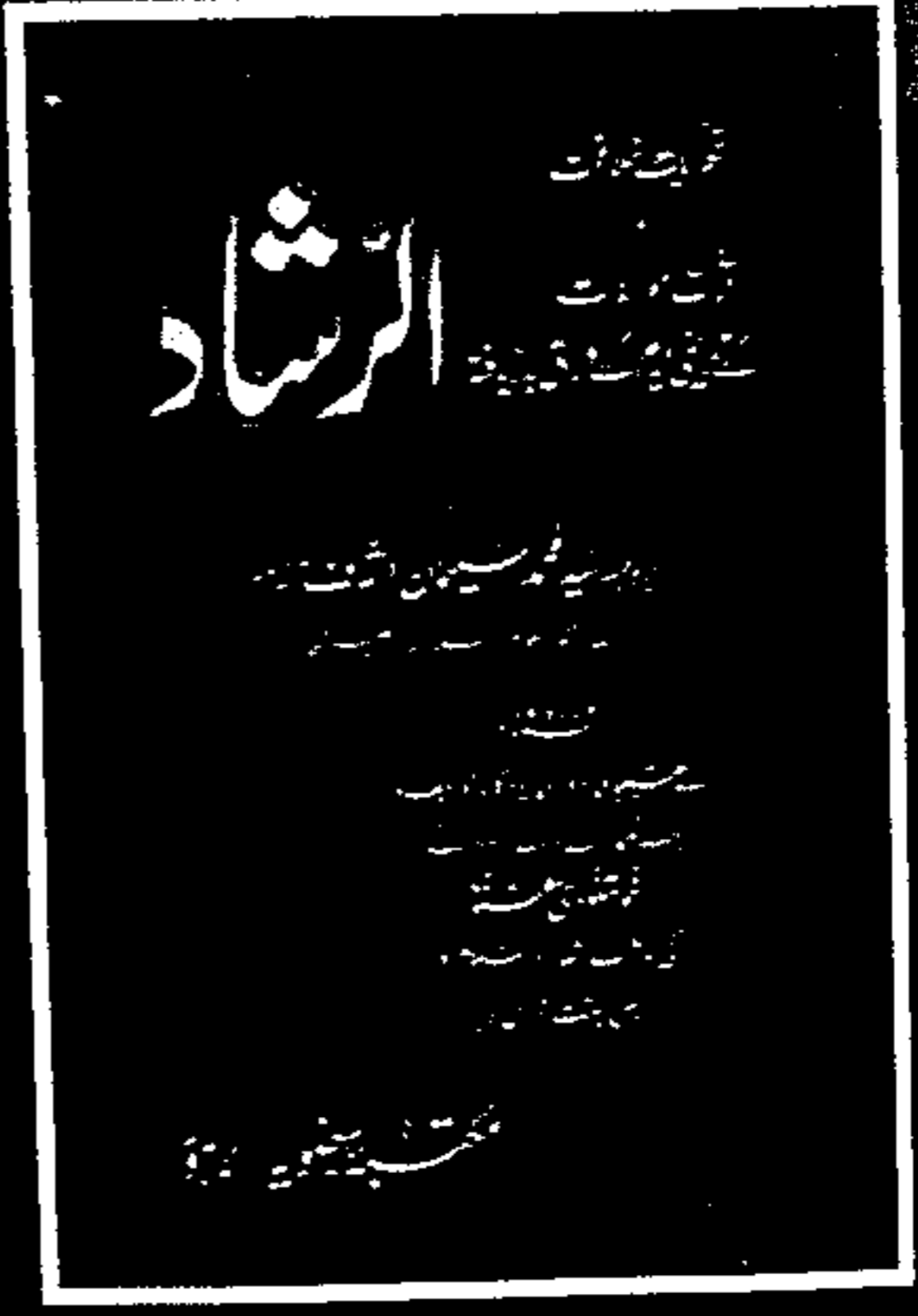
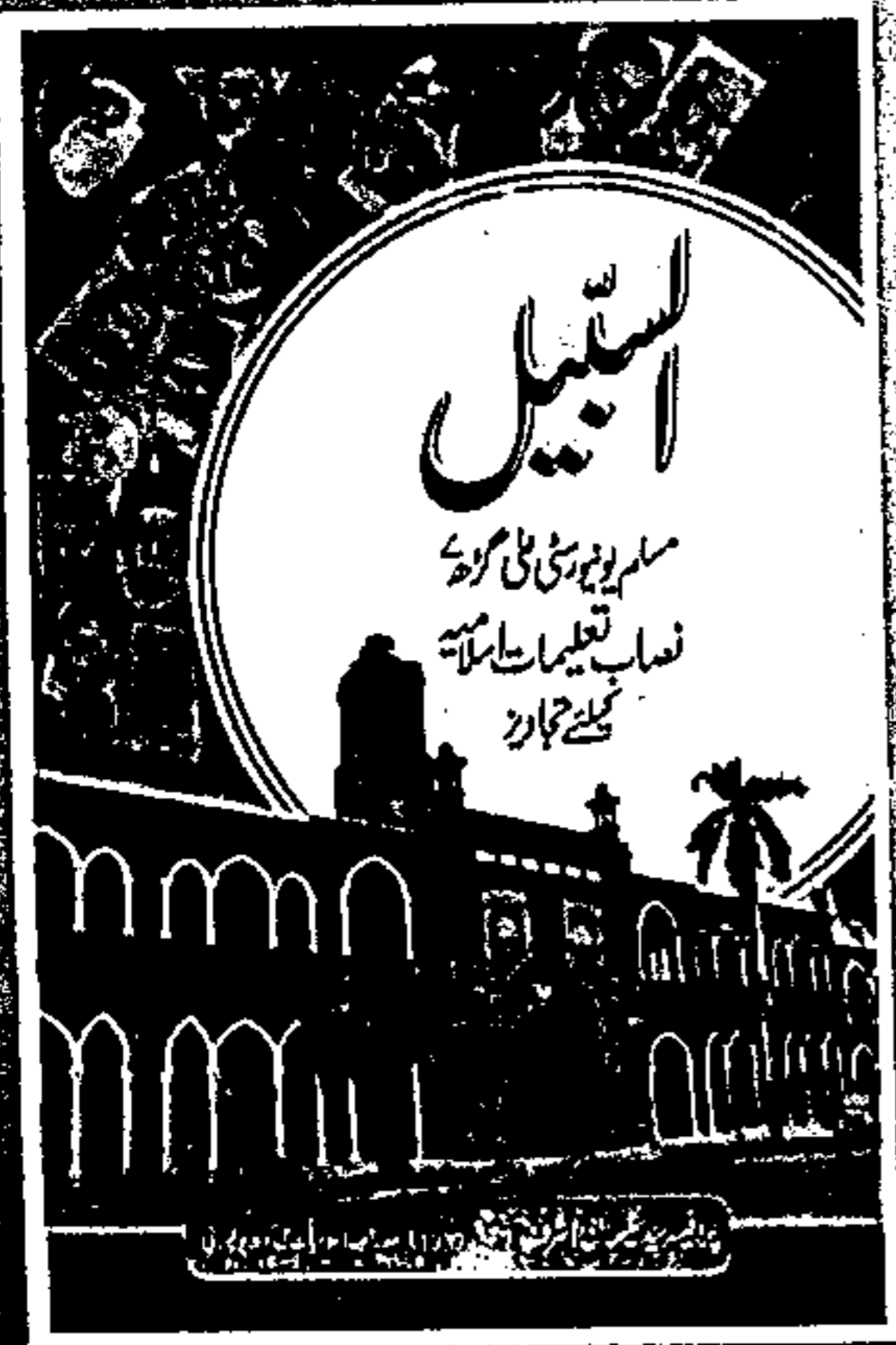
تحریک کی تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بھی محسوس ہوا کہ سرسید اور ان کے رفقاء پر بسا اوقات ان کی برطانوی حکومت سے وفاداری اور تحریک آزادی سے علاحدگی کے باعث تنقید کی جاتی ہے۔ اس تنقید کے محرکات یا تو سیاسی اور بعض دوسرے رجحانات ہیں یا اس کی وجہ تاریخی حقائق تک ناکافی رسائی ہوتی ہے۔ یہ اپنی جگہ سچ ہے کہ کانفرنس کے قائدین نے شروع میں حکومت سے تعاون پر زور دیا کیوں کہ ان حالات میں یہ ناگزیر تھا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو ہر قیمت پر ایک پس ماندہ اور غیر موثر اقلیت میں تبدیل ہو جانے سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ایک جگہ سرسید اور ان کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”سرسید نے اپنی پوری قوت جدید تعلیم کی طرف مرکوز کر دی تھی اور اپنی قوم کو کسی دوسری طرف متوجہ ہونے دینا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ یہ ایک دشوار کام تھا اور مسلمانوں کی ہچکچاہٹ دور کرنا مشکل تھا۔ سرسید کا فیصلہ کہ مسلمانوں کی ساری توجہ مغربی تعلیم حاصل کرنے پر صرف کر دی جائے بلاشبہ درست تھا۔ اس کے بغیر وہ جدید ہندوستان کی تعمیر میں کوئی موثر رول ادا نہیں کر سکتے تھے۔“

(آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سوسال مرتبہ امان اللہ خاں شیروانی، مطبوعہ علی گڑھ،

۱۹۹۳ء، صفحہ ۱۲)

پروفیسر سید محمد سلیمان انشرف رحمة اللہ علیہ کی دیگر کتب



ادارہ پبلسٹیشنز اسلام آباد